قد قامت الصلوٰۃ

نماز کے ضروری مسائل

تالیف

خواجہ محمد قاسم

ناشر

ادارۃ احیاء السنۃ

نام کتاب .... قد قامت الصلوۃ

طبع دوم .... ترمیم و اضافہ جون ۱۹۹۶

مصنف ..... خواجہ محمد قاسم

ناشر .... ادارہ احیاء السنہ گھرجاکھ گوجرانولہ ۲۲۰۶۲۴

کمپیوٹر .... گھرجاکھی کمپیوٹر سنٹر لاہور

پتہ .... گھرجاکھی کتب خانہ اقراء سنٹر لاہور ۷۳۲۰۷۰۳

قیمت ......

فہرست

❋❋❋

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے انسان کو تمام مخلوقات پر شرف و بزرگی عطا کی اور خلیفہ بنا کر دنیا کی حکمرانی دی کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرے۔ اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرے گا تو وہ خلافت کا حق ادا کر رہا ہے ورنہ اسے خلیفہ کہلانے کا حق نہیں ہے۔

اس خلافت کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بندہ "عبد" کے خطاب سے مخاطب فرمایا ہے جس کے معنی غلام کے ہیں عبد کہتے ہی غلام کو ہیں یعنی انسان پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ کا غلام ہے اور اس کی غلامی کرنے کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے اب جو آدمی اپنی بات منواتا ہے یا کسی دوسرے کی بات لوگوں کو منواتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی غلامی سے خارج ہو جاتا ہے اس انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی غلامی کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غلامی کیلئے جو احکام نازل فرمائے وہ اپنے انبیاء پر نازل فرمائے تاکہ وہ لوگوں کو اپنے مالک کی غلامی کے طریقے سکھلائیں۔ ان طریقوں کو اپنانے میں انسان کا اپنا فائدہ ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی مفاد نہیں ہے جو شخص انبیاء کی بات مان کر اس کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں سنوارتا اس کا اپنا ہی فائدہ اس میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر دو طرح کی وحی نازل فرمائی ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قبول کرنا فرض ہے اسی طرح پیغمبر کی بات جو اگرچہ کتاب اللہ میں نہ ہو بلکہ صرف پیغمبر کی طرف سے ہدایت ہو اس کو بھی قبول کرنا فرض ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ابھی کتاب نہیں

ملی تھی صرف پیغمبرانہ ہدایات تھیں جن کی نافرمانی کی وجہ سے فرعون اور اس کی قوم کو برباد کر دیا گیا یعنی جس طرح پیغمبر پر نازل ہونے والی کتاب کے انکار کی وجہ سے عذاب آجاتا ہے اسی طرح پیغمبر کے دیگر ارشادات کے انکار کی وجہ سے بھی عذاب آسکتا ہے۔

انسان کی بد نصیبی ہے کہ وہ شیطان کے دھوکہ میں بہت جلدی آجاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے لگ جاتا ہے حالانکہ اصل دلیل کتاب و سنت ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ آج تک نہ کسی نے کبھی شیطان کی پوجا کی ہے اور نہ ہی اس کی بات مانی ہے بلکہ اس کے دھوکے میں آکر اس کی بات مانتا ہے اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے آپ کو بزرگوں کی شکل میں پیش کرتا ہے اور انسان ان کی اطاعت باعث سعادت سمجھتا ہے۔ ابلیس نے سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام کو بھی دھوکا دیا اور اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں آدم علیہ السلام سمجھے کہ یہ سچ کہہ رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی کبھی کوئی جھوٹ بول سکتا ہے؟ چنانچہ وہ اس کے دھوکہ میں آگئے۔ اسی طرح آج بھی قرآنی آیات کو رد کیا جاتا ہے یا صحیح احادیث نبویؐ کو رد کیا جاتا ہے تو بڑے بڑے بزرگوں کے نام پر رد کیا جاتا ہے اور انسان سمجھ بھی نہیں سکتا کہ اتنا بڑا امام بھلا خدا و رسول کے ذمہ غلط بات کیسے منسوب کر سکتا ہے؟ حالانکہ ان کو غلطی لگ سکتی ہے اور وہ غلطی پر اڑ بھی سکتے ہیں بلکہ ساری ساری زندگی غلطی پر گزار سکتے ہیں۔ اسی لئے ائمہ دین نے فرما دیا کہ المجتھد یخطئی و یصیب کہ ہر مجتہد کی بات غلط بھی ہو سکتی ہے درست بھی ہو سکتی ہے۔

بلکہ پیغمبر کو بھی بعض اوقات غلطی لگ جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ فوراً جبرئیلؑ کو بھیج کر انہیں غلطی پر متنبہ فرما دیتا ہے اسی کا نام معصومیت ہے۔ جو رسول کے علاوہ امت میں سے کسی کو میسر نہیں ہے کیونکہ ان کی طرف جبرئیلؑ نہیں آتا ہے۔

شریعت حقہ کا ماخذ صرف کتاب و سنت ہیں کیونکہ ان دونوں چیزوں کا تعلق پیغمبر کی زندگی سے ہے جب دین کی تکمیل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیا۔ اجماع اور قیاس یہ ہماری ضرورت ہیں شریعت کا ماخذ نہیں ہیں۔ بعض اہلحدیث حضرات اجماع اور قیاس کی بڑی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ اجماع سے مراد صرف صحابہ کا اجماع ہے اور قیاس کتاب و سنت کی روشنی میں بہ دلائل قویہ استنباط کا نام ہے۔

ہمارے کچھ اہلحدیث قیاس کے نام سے بہت بدکتے ہیں حالانکہ اجتہاد ہی کا دوسرا نام قیاس ہے اور اجتہاد کی ضرورت تقلید نہ کرنے والوں کو ہے کیونکہ مقلد تو اجتہاد کا دروازہ بند کر چکے ہیں اسی لئے تقلید کو فرض و واجب جانتے ہیں اہلحدیث کے نزدیک تقلید شخصی حرام ہے۔ اہلحدیث کو تمام اماموں کے اجتہادات دیکھنے پڑتے ہیں پھر ان اجتہادات میں سے اقرب الی السنہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے کیونکہ اہلحدیث ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے دلائل کو دیکھتا ہے جس کے دلائل قوی ہوں گے اس کی بات مان لیتا ہے اور یہ تقلید نہیں ہے مثلاً جمعہ کیلئے لوگوں نے بڑی بڑی شرائط لگائی ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو پوری ہوتی ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض احناف ابھی تک پاکستان میں جمعہ کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں بلکہ جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں جس کا نام ہی "ظہر احتیاطی" ہوتا ہے۔ اہلحدیث کے امام محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ اپنی کتاب سنن ابن ماجہ میں جمعہ کے شرائط کے باب میں ایک حدیث لائے ہیں اثنان فما فوقھا جماعۃ کہ دو آدمی یا دو سے زیادہ ہوں تو بھی وہ جماعت ہیں یعنی جمعہ اور جماعت کا ایک ہی مادہ ہے اگر دو آدمیوں پر لازم ہے کہ وہ نماز پڑھیں تو ایک امام ہو دوسرا مقتدی ہو اسی طرح ان پر جمعہ بھی پڑھنا لازم ہے کہ ایک امام بن جائے دوسرا مقتدی بن کر خطبہ سنے اور نماز جمعہ ادا کریں۔ یعنی ہر اہلحدیث عالم پر لازم ہے کہ وہ اجتہاد کرتے وقت تمام ائمہ کے اجتہادات کو مدنظر رکھے اور جس کے دلائل قوی ہوں اس کی بات قبول کرے۔

الحمدللہ اہلحدیث کا یہی مشن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسائل ہیں جن میں ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات مانتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ سے اتفاق نہیں کرتے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر اہلحدیث ضرور امام شافعی رحمہ اللہ سے ہی متفق ہو۔ بلکہ اہلحدیث کئی مرتبہ چاروں اماموں کی بات نہیں مانتے انہیں کسی کے اجتہاد سے بھی اتفاق نہیں ہوتا۔ مثلاً مفقود الخبر کی بیوی کی عدت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ ایک سو بیس سال یا نوے سال انتظار کرے۔ امام مالک کا خیال ہے کہ ساڑھے چار سال انتظار کرے آج احناف موالک کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ مفقود الخبر کا باب باندھ کر لقطہ کی حدیث لائے ہیں یعنی خاوند کی چٹھی وغیرہ بند ہونے کی بعد ایک سال انتظار کرے اور خوب اخبارات میں تشہیر کرے اگر پھر بھی پتہ نہ لگے تو دوسرے سال بھی انتظار کرے ملک بھر میں خوب تشہیر کرے اگر دو سال کی تشہیر کے بعد بھی کوئی نہیں آیا تو اسے مردہ سمجھ کر فوت شدہ کی عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔

دوسری مثال = چاروں امام بیس تراویح کے قائل ہیں جبکہ اہلحدیث سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متلاشی ہوتے ہیں اور چونکہ احناف بھی قائل ہیں کہ تراویح سنت صرف آٹھ ہی ہیں باقی نفل کی وجہ سے پڑھتے ہیں اس لئے اہلحدیث نے آٹھ تراویح کو اختیار کیا ہے۔

تیسری مثال = چاروں امام اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی عورت پر یہ پابندی لگائے اور قسم کھالے کہ اگر تو دروازہ سے باہر جائے تو تجھے طلاق ہوگی۔ تو اب اگر وہ دروازہ سے باہر نکلے تو چاروں کے نزدیک طلاق ہو جائے گی جبکہ اہلحدیث کے امام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ مرد پر قسم کا کفارہ پڑے گا اور یہی بات دل کو لگتی بھی ہے۔

بہرحال اہلحدیث شخصیت کو نہیں دیکھتے دلائل کو دیکھتے ہیں اور امت میں سے کسی ایک کے پیچھے نہیں لگتے بلکہ مقصود صرف اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے جہاں بھی دلیل مل جاتی ہے اسے قبول کر لیتے ہیں یہی وجہ ہے اہلحدیث آپس میں

بھی کچھ مناقشات رکھتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے پر فتویٰ بازی نہیں کرتے کیونکہ جب بھی کسی کو کچھ کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ فلاں حدیث کی رو سے میں حق پر ہوں تو اس کا نقطہ نظر بہت پاکیزہ ہوتا ہے اس لئے وہ دونوں قابل گرفت نہیں ہوتے کیونکہ وہ فہم کی غلطی ہوتی ہے۔ اس کی بھی ایک مثال سن لیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ من غسل میتا فلیغتسل ومن حمله فلیتوضا کہ جو میت کو نہلائے اسے غسل کر لینا چاہئے اور جو چارپائی اٹھائے اسے وضو کر لینا چاہئے۔ اس حدیث سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میت کی چارپائی کو ہاتھ لگانا نواقض وضو سے ہے حالانکہ غسل کی توجیہہ تو ہو سکتی ہے کہ مبادا غسل والی میت ناپاک ہو تو چھینٹوں کے پڑنے کی وجہ سے غسل کر لینا چاہئے اور چارپائی کو کیا لگ گیا ہے کہ ہاتھ لگایا تو وضو ٹوٹ گیا حالانکہ اس غسل کو کسی نے فرض غسل نہیں کہا بلکہ مستحب ہی کہا ہے تو جب غسل والے پر غسل واجب نہیں تو ہاتھ لگانے والے پر وضو کیسے واجب ہوجائیگا یہ دراصل فہم کی غلطی ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو میت کو اٹھائیں وہ وضو کر کے اٹھائیں تاکہ جنازہ پڑھنے میں دیر نہ ہو چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس لئے وضو کر کے اٹھائے کہ جنازہ پڑھنے میں دیر نہ ہو کیونکہ ان وقتوں میں جناز گاہ میں پانی کے انتظامات نہیں ہوتے تھے۔

دوسری مثال = لا یکف شعره ولا ثوبه کی لے لیجئے۔ یعنی نماز میں اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ باندھے۔ بعض لوگ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ بال بندھے ہوئے نہ ہوں یا کپڑا وغیرہ کے بازو چڑھے ہوئے نہ ہوں اور کئی بزرگوں نے بھی اس کا مطلب یہ سمجھا حالانکہ اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اس کو باندھا ہی جائے گا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں انسان کپڑوں اور بالوں سے کھیلتا نہ رہے کبھی بال سنوارنا شروع کر دے کبھی کپڑے سنوارنا شروع کر دے یہ حرکات نماز کے منافی ہیں۔ بعض نے سمجھا کہ بازو چڑھے ہونے سے نماز نہیں ہوتی جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متصل پہلے عقد الثیاب و شدھا کا باب باندھ کر ایک کپڑا میں نماز پڑھنے کی حدیث بیان فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں طرفوں کو اٹھا

کر گردن کے پیچھے گرہ دے لے۔ یعنی گرہ دینا نماز کے منافی نہیں بلکہ نماز میں گرہیں دیتے رہنا نماز کے منافی ہے اس غلطی کو فہم کی غلطی کہتے ہیں جس پر کسی قسم کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔

اہلحدیث کو جب کبھی پوچھا جائے کہ تو یہ کیوں کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ فلاں حدیث میں آیا ہے۔ بخلاف حنفی کے وہ اپنے امام کی بات کو دلیل سمجھتا ہے اور کتاب وہ سنت کی تاویل کرنے لگ جاتا ہے۔ اہلحدیث کے نزدیک اولیت حدیث کو ہے امتی کے قول کو رد کرنے میں کوئی کفرلازم نہیں آتا حنفی کے نزدیک اولیت امام کے قول کو ہے وہ قرآن اور حدیث کو توڑ مروڑ کر قول امام کے موافق کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جاہل مجتہد اہلحدیث میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کو تو کفر کہتے ہیں لیکن اپنے امام وقت کے اتنے سخت مقلد ہوتے ہیں کہ کسی کو معاف ہی نہیں کرتے جیسا کہ اسلامی جماعت والے مودودی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے مقلد ہیں ان کے سامنے نہ قرآن و حدیث نہ ائمہ دین ہیں ان کا سب کچھ جناب مودودی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس روش پر چلنے والے آج کل شیخ ناصرالدین البانی صاحب کے مقلد بن گئے ہیں جب کوئی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں البانی صاحب نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حالانکہ اکثر ضعیف اور خبرواحد جیسی باتیں صرف اس لئے کی جاتی ہیں کہ حدیث کے مقام کو کچھ کم کیا جائے۔ پچھلے دنوں کراچی سے مجھے ایک چھٹی آئی جس میں لکھا تھا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث ضعیف ہے آپ اہلحدیث کہلا کر ضعیف احادیث پر عمل کر رہے ہیں؟ میں نے اسے جواب دیا بھائی میں نے تجھے کب کہا ہے کہ تو ضعیف حدیث پر عمل کر صحیح پر عمل کر ہاتھ خواہ سینہ پر باندھ یا سر پر باندھ جہاں چاہے باندھ جو صحیح حدیث تجھے ملتی ہے اس کے مطابق ہاتھ باندھ۔

نماز میں ہر اگلی رکعت کیلئے اٹھتے وقت ہاتھوں کو ٹیک لگا کر اٹھنا چاہیے۔

اب کچھ لوگ اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے مٹھیوں کی ٹیک سے اٹھتے ہیں میں نے بہت سے لوگوں سے پوچھا بھائی مجھے بھی بتاؤ اس کی دلیل کیا ہے بلوغ المرام اور مشکوۃ سے لے کر ساری صحاح ستہ تک ہم نے سبقاً" پڑھی ہے اس میں تو یہ طریقہ نظر نہیں آیا اور مسند احمد جو حدیث کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے (کم از کم میں نے اسے چار مرتبہ پڑھا ہے) اس میں بھی مجھے نظر نہیں آیا تم بتاؤ کہ تم یہ عمل حدیث کی وجہ سے کرتے ہو یا تقلیداً کرتے ہو وہ بیچارے ہوتے تو ان پڑھ ہیں کسی مولوی صاحب سے سن رکھا ہے کہ اس طرح اٹھنا چاہئے یہ بھی بدترین تقلید ہے علماء کو بھی چاہئے کہ کم از کم تحقیق تو کرلیں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اس کو تلخیص الحبیر میں باطل اور موضوع تک لکھ دیا ہے کم از کم مجھے بھی کچھ بتا دو کہ تم مقلد ہو یا حدیث کو ماننے والے ہو لیکن سب خاموش رہتے ہیں اور جن کتابوں سے حوالہ دیتے ہیں وہ کتابیں امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ دین کے سامنے تھیں انہوں نے اس کو رد کر دیا تم کہاں سے دور کی کوڑی لا رہے ہو۔

دوسری مثال = میں نے بلوغ ۱۹۳۶ء میں مولانا عبدالحکیم صاحب کدھو والئے ضلع فیروز پور سے پڑھی انہوں نے پڑھانے کے ساتھ ساتھ دعائیں بھی ضرور یاد کرائیں اور فرماتے تھے آج کی یاد کی ہوئی دعائیں ہی یاد رہیں گی بعد میں یاد نہیں ہوتیں۔ ان میں اقامت کے وقت اقامھا اللہ وادامھا کے الفاظ یاد کئے ہوئے ہیں یہ حدیث امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں بیان فرمائی ہے آخر وہ محدث بھی تھے محقق بھی تھے آج ہم دیکھتے ہیں کہتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے البانی صاحب نے لکھا ہے۔ میرے بھائی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ بھی محقق ہیں امام ابوداؤد رحمہ اللہ بھی محقق ہیں اگر آپ نے تقلیداً منوانا ہو تو فرما دیں کہ البانی صاحب کی تقلید کرو۔ یہ بے چارے اردو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں یا پھر ایسے سنی ہیں جو سن کر مان لیتے ہیں۔ اہلحدیث تحقیق کرتا ہے مقلد نہیں ہوتا۔

تیسری مثال = نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ حالانکہ وہ نماز کا حصہ نہیں

ہے نماز کی ابتداء اللہ اکبر اور اس کی انتہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ ہے اس کے بعد اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے کوئی آدمی نماز کے بعد جلدی اٹھ کر چلا جائے تو تمام آدمی اسے یوں دیکھنے لگتے ہیں جیسے اس نے نماز میں امام سے پہلے سر اٹھا دیا ہو کہ جس پر سخت وعید ہے نماز کے اختتام کے بعد بے شک سب نمازی چلے جائیں یا بیٹھے رہیں دعاء مانگیں یا تلاوت کریں وہ اجتماعیت میں نہیں رہتے البتہ رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دلائی ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے تو اس ارشاد کے مطابق اگر امام دعا مانگے تو اسے گردن زدنی کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ نہ مانگنے والے پر بھی کوئی طعن نہیں کرتا۔ افطار کا وقت بھی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اکثر لوگ اس تیاری میں مسجد میں بڑے خشوع کے ساتھ دعا کرتے ہیں نماز کے بعد دعا کرنے کو کیوں معاف نہ کیا جائے۔ ویسے ایسے اعمال پر اصرار نہ کرنا چاہیئے یہ ضروری نہ سمجھے کہ یہ نماز کا حصہ ہے جس طرح کہ حنفی سمجھتے ہیں بہتر ہے کہ دعا کرلو کیونکہ اس وقت نہ وہ امام کا پابند ہے نہ امام مقتدی کا پابند ہے امام نے دعا نہیں مانگی تو نہ سہی تم مانگ لو شاید اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں ڈھانپ لے۔ لیکن مخالفت کرنے والے بہت مخالفت کرتے ہیں حالانکہ آپ کا ارشاد ہے کہ یہ قبولیت کا وقت ہے پھر فتوے لگاتے ہیں میرے بھائی یہ پیغمبر کے ارشاد پر عمل کر رہے ہیں خلاف ورزی نہیں کر رہے۔ ساری زندگی میں تین دن کی نماز قیامت تک کیلئے مساجد کی زینت بن گئی شب بیداری ہوتی ہے قرآن سنے جاتے ہیں حالانکہ آپ نے اس تراویح کی جماعت کو تین دن کے بعد چھوڑ دیا تھا لیکن آپ کر رہے ہیں اس کو پیغمبر کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ جس کام کو آپ نے صرف ایک مرتبہ کیا ہو یا صرف ترغیب دی ہو اس کے کرنے والے پر کوئی فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔

حضرت البانی صاحب سے میری ملاقات غالباً ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ مدینہ منورہ میں ہوئی وہاں پر مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر بحث ہوئی شیخ صاحب کا خیال تھا کہ اگر فاتحہ رہ جائے تو رکعت ہو جائے گی اگرچہ پڑھنی چاہیئے میں نے کہا یا شیخ رسول

اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں نہیں ہوتی آپ فرماتے ہیں ہو جاتی ہے میں کس کی بات مانوں انہوں نے کہا الا حرف استثنا ہے جو وجوب کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ یہ فقہ کا اصول ہے میں نے کہا یاشیخ میں آپ کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا اور فرمان نبوی ﷺ کو قبول کرتا ہوں جبکہ لا الہ الا اللہ میں بھی حرف الا ہے اسی طرح قرآن میں بھی أَلاَّ تَعْبُدُوْا إِلاَّ إِيَّاهُ ہے یہ سب حرف استثنا ہیں لہٰذا اللہ کی عبادت کرنا فرض ہے اور شرک کرنا بھی حرام ہے فاتحہ میں کیوں یہ قانون توڑ دیا جائے میں آپ کے اصول کو نہیں مانتا کیونکہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اب یہ اہلحدیث اگر ان کے اتنے ہی سخت مقلد ہیں تو پھر سمجھ لو کہ کل کو یہ فاتحہ بھی چھوڑ سکتے ہیں۔

قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کرنا چاہئے البتہ عامی کو دو چار علماء سے پوچھ کر تحقیق کرنی چاہئے جن لوگوں نے اساتذہ سے باقاعدہ مساجد میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے وہ ارتداد میں نہیں گئے البتہ جن لوگوں نے اردو کتابوں سے علم پڑھا ہے یا مستشرقین کی انگلش کتابوں سے سیکھا ہے وہ اکثر بڑے فتنوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد عثمانی صاحب' پروفیسر مسعود الدین صاحب ' مسٹر غلام احمد پرویز صاحب یا دیگر کئی پروفیسر حضرات ہیں جو ایک چھوٹی سی "منسلی" لے کر امت میں افتراق ڈال دیتے ہیں حتیٰ کہ علیک سلیک اور نماز کی اقتداء بھی چھڑا دیتے ہیں اس کی صرف یہ وجہ ہوتی ہے کہ وہ براہ راست قرآن و حدیث سے استفادہ کرنے کی بجائے یورپ کے انگلش لٹریچر سے علم دین حاصل کرتے ہیں۔

بہرحال چھوٹے چھوٹے مسائل میں نہ الجھنا چاہئے اور تقلیداً کوئی مسئلہ قبول نہ کرنا چاہئے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق تحقیق ضرور کرنی چاہئے عالم ہو تو بھی مجتہدین کے خیالات سے استفادہ کر کے کوئی فیصلہ کرے۔

خواجہ محمد قاسم صاحب بھی ہمارے برخوردار ہیں جو کہ تحقیقی ذہن رکھتے ہیں انہوں نے نماز کے موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے الحمدللہ مجھے بہت پسند آئی

ہے اگرچہ میں تمام مسائل سے اتفاق نہ کر سکوں لیکن ان کی اجتہادی کوششوں کا اعتراف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور بھی دین کی خدمت کا جذبہ عنایت فرمائے۔

خالد گرجاکھی

15 - 12 - 92

❋❋❋

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قد قامت الصلوۃ

اللہ تعالیٰ نے خاکسار کی کتاب حی علی الصلوٰۃ کو مقبولیت عطا فرمائی۔ الحمد اللہ علی ذلک - حی علی الصلوۃ نماز کے متفرق اور چیدہ چیدہ مسائل پر مشتمل ہے۔ کچھ اہل علم نے فرمائش کی کہ اسی انداز سے ایک مجموعہ ترتیب وار مسائل نماز کے بارے میں بھی شائع ہونا چاہیئے۔ بندہ نے ابتداء کر دی خیال تھا کہ اس کتاب کی ضخامت بھی حی علی الصلوٰۃ کے برابر ہوگی۔ لیکن میں جس مضمون کو قطرہ سمجھا تھا وہ سمندر نکلا۔ باوجود اختصار مدنظر رکھنے کے کتاب طویل ہوتی گئی اور حجم بڑھتا گیا۔ حجم میں اضافہ کی وجہ ایک تو مسائل کی کثرت ہے دوسرے ہمارے حنفی بھائیوں نے نماز کے موضوع پر مارکیٹ میں جو بکثرت لٹریچر پھیلا رکھا ہے اس میں مغالطات کی بھرما کی گئی ہے۔ اختلافی مسائل میں داؤ پیچ کے حیرت انگیز کمالات دکھلائے گئے ہیں۔ ان کتابوں کو دھوکوں کا شاہکار کہنا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ ایک خاص منصوبے کے تحت ٹیم ورک کے طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔ ان کی طرف بھی توجہ دینا لازمی تھا تاکہ اہل سنت گمراہی سے بچ سکیں اور ان کے پھیلائے ہوئے جال سے محفوظ رہ سکیں۔ یہ کتاب انشاء اللہ عصائے موسیٰ (علیہ السلام) بن کر ان کے جادو کو باطل کریگی۔

مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ

(یونس ۸۱)

بعض دوستوں نے ناچیز کو مشورہ دیا کہ مثبت رنگ میں لکھنا چاہیئے۔ مجھے

ان کے خلوص پر شبہ نہیں۔ لیکن اس سے پھر یہ ہوتا ہے قارئین کہتے ہیں آپ بھی دلیلیں دیتے ہیں وہ بھی دلیلیں دیتے ہیں۔ ہم کس کو سچا جانیں۔ اس طرح کوشش بے فائدہ چلی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے مجھے یہاں تک کہا کہ تمہاری کتابوں میں جارحیت ہوتی ہے۔ حالانکہ میں نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی بلکہ الحمدللہ کبھی گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا کیونکہ اساتذہ کرام نے ایسی تعلیم نہیں دی ہے۔ ہمیشہ دلائل سے بات کرنے کا عادی ہوں۔ اگر کوئی بھائی کتاب و سنت سے دیئے گئے محکم دلائل کو جارحیت سے تعبیر کرتا ہے تو اس میں بندہ کی کیا خطا ہے۔

نماز مسنون کے حنفی مصنف اپنی کتاب کی تمہید کے آخر میں لکھتے ہیں اگر کوئی شخص واضح طور پر نشاندہی کرے گا تو اس کی اصلاح کی جائے گی لیکن مسلکی تعصب اور مشاغبت (شور و شر) کے طور پر اور مناظرہ بازی کے طریق پر جو شخص بات کرے گا اس کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی (ص ۲۴) لیکن عملاً یہ ہوا کہ بندہ نے حی علی الصلوٰۃ میں نماز مسنون کے صرف چند مسائل پر گرفت کی تو حضرت صاحب نے اس کے خلاف اپنے ہونہار بھتیجے صاحب سے پوری ایک کتاب لکھوا دی جس میں زبان بھی نہایت ناشائستہ استعمال کی گئی۔ حالانکہ ان کی اپنی تمہید کے مطابق اگر وہ باتیں صحیح تھیں تو انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہئے تھی اور اگر وہ مسلکی تعصب پر مبنی تھیں تو ان کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے تھی۔ تمہید کتاب کی بنیاد ہوتی ہے۔ تو جس کتاب کی بنیاد ہی ہل جائے اس کتاب کا کیا اعتبار۔

اصل بات یہ ہے حنفیہ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ نماز کا جو طریقہ حضرت امام ابوحنیفہ غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے بس وہی صحیح اور راجح ہے۔ باقی سب کچھ غلط اور مرجوح ہے۔ ان سب کی کوششوں کا ماحصل یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی حفاظت کی جائے۔ انہیں دن رات بس یہی فکر کھائے جا رہا ہے۔ یہ اپنی کتابیں بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں

لیکن نام روشن ہمارے امام حضرت ابو حنیفہ غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ کا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک حنفی کتاب کا نام نماز پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اصولا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بیان ہونی چاہیے لیکن اس کے پیش لفظ میں بیس صفحات امام ابو حنیفہ غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ کے مبالغہ آمیز علمی مقام بیان کرنے میں اور ان کی تقلید کو ثابت کرنے میں صرف فرما دیئے ہیں آخر اس کا کیا تک ہے۔ ص ۱۱ پر غالباً اہلحدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ہر اس کام کو خلاف سنت گردانتے ہیں جس پر جمہور اہل اسلام عمل پیرا ہوں۔ گویا ان کے نزدیک سنت اور خلافت سنت کو پرکھنے کا معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا تبار نہیں بلکہ جمہور اہل اسلام یعنی خود احناف ہیں۔ تو پھر اس مصنف کو اپنی کتاب کا نام نماز پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم رکھنے کی بجائے نماز جمہور اہل اسلام یا نماز سواد اعظم یا صاف لفظوں میں نماز احناف رکھنا چاہیئے تھا تاکہ کوئی مسلمان مغالطہ کا شکار نہ ہوتا۔

مصنف نماز مسنون حنفی تمہید میں فرماتے ہیں اصل مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے۔ اور یوں جملہ افراد ملت کی بہتری اور بالخصوص حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار اور احناف کرام کے طریق کی ترجیح بھی کسی قدر نمایاں ہوگی (ص ۲۰) نیز لکھتے ہیں اگر انصاف سے کام لیا جائے تو احناف کرام کا طریق صلوٰۃ دوسروں کی تغلیط کئے بغیر سب سے افضل و اعلیٰ نظر آئے گا (ص ۲۰) ایک کتاب جس کے متعلق مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں "حضرت مولینا ابوالقاسم دلاوری تلمیذ حضرت مولینا شیخ الہند (محمود الحسن) کی کتاب عماد الدین بڑی اہم کتاب ہے" (ص ۲۲) اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے پاکستان کا سواد اعظم حنفی فقہ کا پیرو ہے اور سواد اعظم کے دیندار طبقہ کی سب سے اہم ضرورت حنفی فقہ کے مطابق مسائل کا جاننا ہے (عماد الدین ص ۹)

سوال یہ ہے کہ پھر دوسرے ملکوں کی سب سے اہم ضرورت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کتنی قسم کا اسلام دے کر گئے ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ملک کے لئے الگ الگ اسلام دیا ہے؟

مصنف نماز حنفی مدلل کے صاحبزادے اپنے باپ کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں "حضرت موصوف نے مذہب حنفی کی تائید و تبلیغ کے جذبہ کے تحت نماز کے متعلق یہ تصنیف فرمائی تھی (ص ۳) خود مصنف فرماتے ہیں وہابی' مرزائی' شیعی' چکڑالوی وغیرہ سب کے سب ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا سے حنفیت کا نام و نشان مٹ جائے (ص ۵) اس کتاب میں تعارف کے تحت لکھا ہے مسائل مختلفہ میں نہایت تحقیق کے ساتھ مذہب حنفی کو ترجیح دی گئی ہے (ص ۲) امام ابو حنیفہ غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ کی امت کے جن لوگوں میں اس قدر جانبداری پائی جاتی ہو ان سے انصاف کی توقع کیسے رکھی جا سکتی ہے کتابوں کا نام نماز مدلل یا نماز پیغمبر ﷺ رکھ دینے سے نمازیں مدلل یا مسنون نہیں بن سکتیں جبکہ ان کی اصل سر درد فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت ہے۔ یہ "دلائل" اور حدیثیں تو صرف ضابطہ کی کارروائی "FORMALITY" پورا کرنے کیلئے ہیں۔

حنفیہ عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ ان کی حدیثی خدمات بہت زیادہ ہیں اور اہلحدیث سے بڑھ کر ہیں۔ انہوں نے فلاں شرح لکھی اور فلاں حاشیہ لکھا۔ حالانکہ یہ تمام شروح و حواشی بھی دراصل فقہ حنفی کی برتری ثابت کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ فقہ حنفی کے مقابلے میں صحیح احادیث کو مؤول منسوخ یا خبر واحد قرار دے کر رد کر دینا ہی ان کا اصل کارنامہ ہے۔ حقیقت یہ ہے ان پارساؤں نے حدیث کی خدمت نہیں کی فقہ حنفی کی خدمت کی ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو تخریب کاری کی ہے۔ ان کی حدیثی خدمات ایسے ہی ہیں جیسے "سی ۔ آئی اے" یا "را" کی خدمات پاکستان کیلئے ہیں یا مستشرقین کی خدمات اسلام کیلئے ہیں۔

اصل چیز یہ نہیں کہ کس نے حدیث پر کتنا کام کیا بلکہ یہ ہے کہ کون اس پر ایمان لایا۔ بلکہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلے پر فقط اس لئے عمل کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے تو وہ یقیناً ثواب کا حقدار ہے اور اگر کوئی کسی صحیح مسئلہ پر بھی اس لئے عمل کرتا ہے کہ یہ اس کے مرشد کا یا اس کے امام کا حکم ہے تو وہ

اجر کا مستحق نہیں ہے۔

ہمارا کلمہ لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے ہم لوگ ہرگز اللہ تعالٰی اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہمارے نزدیک ہر امتی سے خطا کا امکان ہے۔ جب ہم حنفیہ کی تقلیدی کمزوریاں بیان کرتے ہیں تو احناف اپنے مریدوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں اطمینان دلانے کیلئے اور ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے ہمارے خلاف کچھ اس قسم کی تحریریں شائع کر دیتے ہیں کہ تمہارے فلاں وہابی نے یہ لکھا اور تمہارے فلاں غیر مقلد نے یوں لکھا۔ عورتوں کی طرح طعنے دیکر وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جوابی کارروائی عمل میں آگئی اور میدان مار لیا۔ حالانکہ درحقیقت اس طرح وہ ہمارے ہی مذہب کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بریلوی یا دیوبندی تو کجا وہابی بھی غلطی سے مبرا نہیں ہیں۔ اسی لئے ہم نے کبھی کسی بڑے سے بڑے امتی کا نام بھی نہیں لیا کہ اس کی تقلید کی جائے اور اس کی فقہ پر عمل کیا جائے۔ یہ طعنے ہمیں تب دیئے جائیں اگر ہم کہتے ہوں کہ فلاں کی تقلید کرو یا ہمارا دعویٰ ہو کہ فلاں نے جو لکھا ہے بالکل صحیح لکھا ہے ہم تو صرف کتاب و سنت کی دعوت دیتے ہیں۔ انہی کی تبلیغ ہمارا مشن ہے اور یہی اہلحدیث کا مسلک ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لفظ کلالہ کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا میں اپنی سمجھ سے بیان کروں گا اگر صحیح ہوئی تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے غلط ہوئی تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ کلالہ وہ ہے جس کے نہ والدین ہوں نہ اولاد ہو یعنی جو لاوارث مرجائے (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع کے قائل نہیں تھے تو جب کائنات کے سب سے عظیم امتیوں سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے تو اور کسی کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ معصوم عن الخطاء ہے اور واجب التقلید ہے نہایت ہی غیر معصومانہ عقیدہ ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ جن علمائے کرام کے بارے میں ہمیں طعنہ دیا

جاتا ہے کہ تمہارے فلاں غیر مقلد عالم نے یہ گندے مسئلے لکھے ان میں وہ بھی شامل ہیں جو سابق حنفی ہیں (مثلاً مولینا وحید الزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اور بحیثیت حنفی انہوں نے وہ گندے مسئلے لکھے اور وہ گندے مسئلے پوری آب و تاب کے ساتھ فقہ حنفی کی کتابوں کی زینت ہیں۔ لیکن نہایت چالاکی کے ساتھ انہیں ہمارے ماتھے مڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں جو مسئلہ بھی قرآن و حدیث کی برخلاف ہو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے مطابق شیطانی ہے۔ اسے چولہے میں ڈالنا چاہئے۔ خواہ کسی بریلوی نے لکھا ہو یا دیوبندی نے لکھا ہو یا وہابی نے لکھا ہو۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کریں تو قبول کر لو اور اگر اپنی رائے سے بات کریں (یعنی جو قرآن و حدیث کے برخلاف ہو) تو اسے ٹٹی میں پھینک دو (حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۸)

یاد رہے بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق قرآن و حدیث سے واضح ہدایت نہیں ملتی۔ اس موقع پر اجتہاد سے کام لیا جاتا ہے۔ اسے آپ رائے کا نام بھی دے سکتے ہیں قیاس بھی کہہ سکتے ہیں اس سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں بشرطیکہ وہ قیاس قرآن و حدیث سے کسی طرح بھی ٹکراتا نہ ہو۔ لیکن اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہو اور اس کے مقابلے میں قیاس کیا جائے یا امام کی رائے کو قبول کیا جائے تو یہ یقیناً وہی بات ہے جس کے متعلق اہل علم نے کہا ہے اول من قاس ابلیس یعنی حکم خدا کے مقابلے میں سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ افسوس کہ حنفیہ یہی کام کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ حنفیہ احادیث صحیحہ کو شکست دینے کیلئے اور انہیں سبوتاژ کرنے کے لئے کیسے کیسے حربے آزماتے ہیں اور ضعیف روایات اور قیل و قال سے چاند ماری کر کر کے سنت صحیحہ و ثابتہ کو زخمی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حنفیہ کو حدیث شریف سے اتنی چڑ ہے کہ یہ ہمارا نام بھی صحیح طریقہ سے لینے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ یہ ازراہ تمسخر ہمیں غیر مقلد کہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے برے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (حجرات ۱۱)

بھائیو! حنفی کہلانا بھی تو کوئی قابل فخربات نہیں ہے مسلیمہ کذاب بھی حنفی تھا (سیرت ابن ھشام ج ۴ ص ۲۴۶) اور مرزا قادیان بھی حنفی تھا۔ (ملفوظات نور حصہ اول ص ۵۴)

دیوبندی بھی دیوی کے مندر کی طرف منسوب ہے مقلد کے معنی جانور کی طرح گلے میں پٹہ ڈالنے والے کے ہیں اگر حدیث شریف پر ایمان رکھنے کا نام غیر مقلدیت ہے تو پھر صحابہ کرام بھی غیر مقلد تھے' تابعین بھی غیر مقلد تھے' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت سب ائمہ کرام بھی غیر مقلد تھے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی غیر مقلد تھے لہٰذا یہ سب ہمارے تھے۔ ہم اور وہ سب ایک ہی رشتہ میں منسلک ہیں۔ ہمارا اور ان کا مذہب ایک ہے۔ ہم ان غیر اہلحدیث مقلدوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ یہ ہمارے اہلحدیث اور غیر مقلد امتی بزرگوں کی تقلید کریں۔

غیر مقلد غیر مقلد کا وظیفہ رٹنے والوں کی زبان نہیں تھکتی۔ میرا ان مقلدوں سے ایک سوال ہے۔ تاریخ اسلام میں ائمہ کرام کی تعداد یوں تو بہت زیادہ ہے۔ بالفرض سو امام بھی تصور کئے جائیں جن میں سے یہ صرف ایک امام کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر ۹۹ اماموں کی تقلید نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوا ہم سو فیصد غیر مقلد ہوئے اور یہ ننانویں فیصد غیر مقلد ہوئے۔ تو یہ کوئی لمبا چوڑا فرق نہیں۔ اسی طرح تقلید نہ کرنے کی وجہ سے یہ ہمیں بے ادب بھی کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر کسی کی تقلید نہ کرنا اس کی بے ادبی ہے اور تقلید اور ادب آپس میں لازم و ملزوم ہیں تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی سب ائمہ کرام کے یہ بھی بے ادب ہوئے کیونکہ یہ ان کی تقلید نہیں کرتے۔ یعنی ہم سو فیصد بے ادب ہوئے اور یہ ننانویں فیصد بے ادب ہوئے۔ ہم پر جو بے ادبی کا فتویٰ لگایا جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی خدا سمجھتے ہیں اور مسلمان انہیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول مانتے ہیں تو عیسائیوں کے نزدیک یہ بے ادبی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب الاحترام ضرور ہیں مگر واجب التقلید ہرگز نہیں۔

مصنف نماز پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو ثابت کرتے ہیں کہ دعویٰ عدم تقلید کے باوجود

ہر شخص مقلد ہے (ص ۴۶) دوسری جانب اپنی اسی کتاب میں اہل حدیث کو جابجا غیر مقلد' غیر مقلد لکھا ہوا ہے۔ اب ان کی کس بات کا اعتبار کیا جائے۔

چونکہ حنفیہ کے نزدیک صرف امام ابوحنیفہ ہی واجب التقلید ہیں اس لئے یہ ادب بھی صرف انہی کا یا ان پر ایمان لانے والوں کا کرتے ہیں دوسروں کا ادب ان کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف یہ حدیث بنائی کہ وہ امت کیلئے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہوں گے۔ علامہ کوثری مصری حنفی نے کہا کہ امام احمد بن حنبل صرف محدث تھے فقیہ نہیں تھے۔ (التنکیل ج ۱ ص ۱۶۷)

مولینا محمد حسن سنبھلی حنفی نے اہل حدیث کو بے شمار غلیظ اور بازاری گالیوں سے نواز ہے اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ' حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ' علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ ' حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر انہیں کتے کہا ہے (نظم الفرائد ص ۱۰۲ طبع لکھنؤ) استغفر اللہ۔ انہوں نے اہل حدیث کے خلاف اپنی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہوا ہے بڑی تبرا بازی اور ہرزہ سرائی کر رکھی ہے۔ ابھی تازہ قصہ سنئے۔ میرے پاس گواہ موجود ہے جس نے اکتوبر ۱۹۹۲ء کا ایک جمعہ ملتان کے ایک نابینا حنفی مولوی صاحب کے پیچھے پڑھا جو کبھی کبھی گوجرانوالہ میں بھی وعظ کیلئے تشریف لایا کرتے ہیں۔ انہوں نے جمعہ کے وعظ میں انکشاف فرمایا کہ غیر مقلد انگریزوں کی پیداوار ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہ عقیدہ توحید یہ جذبہ اتباع سنت' فاتحہ خلف الامام' رفع یدین آمین بالجہر' آٹھ تراویح وغیرہ انگریزوں نے ہمیں سکھلائی ہیں؟ اس قسم کا الزام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی لگا تھا جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ (نحل ۱۰۳)

مولوی صاحب موصوف نے اپنے جمعہ کے وعظ میں مزید یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی تھوڑی سی تعداد ہے ہم حنفی پیشاب کریں تو ان کو بہا دیں۔

اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ یہ کام بھی ضرور کر گزرتے مگر میرا خیال ہے

ان کے پیشاب میں کوئی رکاوٹ پڑ گئی ہے اور وہ بیماری اندر ہی اندر انہیں تڑپا رہی ہے اور بے چین کر رہی ہے۔ ہمیں ان مریضوں سے ہمدردی ہے۔ شاید انہیں قرآن پاک کی یہ آیت یاد نہیں وقلیل من عبادی الشکور (سباء ۱۳) میری شنید کے مطابق ان مولوی صاحب نے اپنے جمعہ کے وعظ شریف میں اور بھی بہت غلیظ گند بولا یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہیں۔

احادیث صحیحہ کی بناء پر ہم جن مسائل میں ان سے اختلاف کرتے ہیں احناف جھٹ کہہ دیتے ہیں یہ غیر مقلدوں کا مذہب ہے اور اس سے ان کی مراد ہم اہل حدیث لوگ ہوتے ہیں اور نہایت حقارت کے ساتھ ہمارا اور ہمارے مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نبی ﷺ کا مذہب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کا مذہب ہوتا ہے تابعین کا مذہب ہوتا ہے ان کے اپنے کئی انصاف پسند احناف کا مذہب ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سے تو اکثر کا مذہب ہوتا ہے جو ائمہ ثلاثہ کی تقلید کرتے ہیں اور جن کی تقلید کو یہ مقلد برحق جانتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین کو بھی غیر مقلد ہی سمجھتے ہیں۔ شاید یہ ٹھیک ہی کہتے ہوں کیونکہ ان جیسی بری تقلید واقعی کوئی نہیں کرتا۔ غالباً قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی نے انہی کے بارے میں فرمایا ہے جو آدمی کسی شخص متعین کی تقلید کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس اسی کی بات صحیح ہے اور اسی کی پیروی کرتا ہے دوسرے ائمہ کی نہیں وہ بالکل گمراہ اور جاہل ہے۔ (تفسیر مظہری)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی حجۃ اللہ البالغۃ اور عقد الجید میں تقلید جامد کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مذہب شافعی اور مذہب حنفی کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فقہاء و محدثین، مفسرین، متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے متبع ہیں۔ (تفہیمات الہیہ ج ا ص ۲۱۱ منقول از تجدید واحیائے دین ص ۱۰۷ از سید ابو الاعلی مودودی) یعنی حنفی مذہب حکومتوں کے زور سے پھیلا اور بمصداق الناس علی دین ملوکھم عوام نے اسے قبول کیا۔ علم کے ساتھ اس کا کوئی

تعلق نہیں۔ بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث جاننے والوں اور قرآن پاک کی تفسیر سمجھنے والوں نے اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ جہالت کا مذہب ہے تبھی جہاں جہالت زیادہ ہو وہاں حنفیت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ أعاذنا اللہ من ذلك شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام صاحب کے سب سے مشہور شاگرد ابویوسف ہیں۔ ہارون الرشید کے زمانے میں یہ عہدہ قضا پر مامور ہوئے تو اس سبب سے ان کا مذہب عراق خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گیا (حجتہ اللہ ج ا ص ۱۴۶) ابن خلکان نے لکھا ہے

لو لا ابویوسف ما عرف ابوحنیفۃ اگر ابویوسف (قاضی) نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ کو کوئی بھی نہ جانتا۔

سواد اعظم احناف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا غوث اعظم مانتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بے شمار مسائل میں ہمارے ساتھ متفق ہیں مثلاً رفع یدین' آمین بالجہر' جلسہ استراحت اور تورک وغیرہ (غنیۃ الطالبین) تو کیا ان کی شریعت غلط تھی اگر ان کی شریعت غلط تھی تو پھر ان کی طریقت کیسے صحیح ہو گئی۔ جبکہ شریعت اصل ہے اور بقول صوفیاء شریعت پر طریقت کی بنیاد ہے۔ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے۔ حنبلی مذہب کے سوا کسی مذہب میں نہ کبھی کوئی ولی ہوا ہے نہ ہو گا۔ (طبقات ابن رجب)

مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں فقہاء کرام نے دلائل کے احادیث سے استدلال کی طرف کم توجہ کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک عوام کے لئے تسہیل و تیسیر ہمیشہ پیش نظر رہی ہے .... عوام کو تو اصل مسائل ہی معلوم ہونے ضروری ہیں (ص ۲۲) معاف رکھنا ان حضرت صاحب نے حق گوئی سے کام نہیں لیا فقہائے کرام کا احادیث سے استدلال نہ کرنا عوام کی سہولت کیلئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ مقلدین کیلئے احادیث سے استدلال شجرہ ممنوعہ ہے۔ فقہ کی کتابوں میں تقلید کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے۔

العمل بقول الغير من غير حجة	دوسرے کی بات پر بغیر دلیل کے عمل کرنا

مسلم الثبوت میں ہے۔

اما المقلد فمسنده قول مجتهده لا ظنه ولا ظنه (مسلم الثبوت ص ۵)	مقلد کی دلیل فقط امام کا قول ہے اپنی یا اپنے امام کی تحقیق نہیں

یعنی دلیل اور تقلید میں آگ پانی کا بیر ہے دلیل آئی تقلید گئی۔ اصل جس وجہ سے اب حنفیہ اپنی کتابوں کو مدلل اور مسنون بنانے پر مجبور ہوئے ہیں وہ احادیث صحیحہ کے مقابلے میں فقہ حنفی کا نہ ٹھہر سکنا ہے۔ یہ دل کی بات آگے چل کر خود مصنف نماز مسنون یوں لکھتے ہیں۔ "پھر ناقص العلم اور متعصب لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ کوئی کتاب لکھتے ہیں تو عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہمارا مسلک ہی حق ہے دیگر مسلک سب غلط ہیں۔ جس سے عوام مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ جو بغیر دلیل کے بات کرتے تھے وہ فقہائے کرام تھے اور جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں بات کرتے ہیں وہ ناقص العلم اور متعصب ہیں۔ گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث کا علم ناقص بھی ہے اور تعصب پیدا کرنے والا بھی ہے۔

ان سطور سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ دلائل کا رواج ڈال کر احناف نے غیر مقلدین کو مقلد اور مقلدین کو غیر مقلد بنانا شروع کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے جس طرح اپنی کتابوں کو مدلل اور مسنون کرنے کی کوشش کی ہے اس کا کچھ حال آپ اس کتاب میں معلوم کریں گے۔ انشاء اللہ

محترم قارئین نماز بے شک افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن یہ صحیح معنوں میں افضل اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسے سنت مصطفےٰ ﷺ کے مطابق ادا کیا جائے اور یہ مت خیال کیا جائے کہ ہمارے مولوی صاحب' مرشد صاحب' پیر صاحب' حضرت صاحب یا امام صاحب کا کیا مسلک ہے۔ صرف اور صرف یہ دیکھا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیسے پڑھتے تھے۔ آپ کا مشہور ارشاد ہے۔

صلوا کما رایتمونی اصلی (عن مالك بن حويرث- بخاری ص ۸۸) نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔

یہ مقام صرف نبی ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسوۂ حسنہ فرمایا ہے۔ (احزاب ۲۱)

حنفی علماء اپنے مقتدیوں کو ہم سے بہت بدظن رکھتے ہیں اور یہ تاثر دیتے رہتے ہیں کہ ہم شاید ویسے ہی پیدا ہوگئے ہیں۔ ہماری کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم خواہ مخواہ ان کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ ہمارا مسلک کوئی شی نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اتباع نبوی ﷺ ہی اصل مسلک ہے اور اس کے مقابلے میں جو کچھ ہے وہ فالتو ہے اور بیکار ہے اور چھپڑ میں پھینکے جانے کے قابل ہے۔

رب کعبہ کی قسم بندہ نے حتی الامکان یہی کوشش کی ہے کہ قوم کے سامنے آنحضرت ﷺ کی نماز کا صحیح صحیح نقشہ پیش کر دیا جائے۔ میں نے اسوۂ حسنہ بیان کیا ہے۔ میں نے سراجًا منیرًا (ﷺ) سے اخذ کردہ شمع جلائی ہے۔ آیئے بلا امتیاز ملل و نحل ہم سب مل کر اس کی روشنی میں اپنی نماز کی اصلاح کر لیں۔

تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ (آل عمران : ٦٤)

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

میں نے اس کتاب میں اپنے کسی عالم کا یا کسی امتی کا نہیں بلکہ فقط رسول اللہ ﷺ کا علم بلند کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کوئی بھی غلطی سے پاک نہیں ہے۔

یاد رہے کہ نماز کی بابت جو مسئلہ اس کتاب میں نہ ملے اسے میری کتاب حی علی الصلوۃ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آخر میں میں جناب شیخ محمد یونس صاحب رحمہ اللہ (کلاتھ مرچنٹ مسلم بازار۔ گلہ کھجور منڈی گوجرانوالہ) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس

کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں اس بندہ ناچیز کی بھرپور مدد فرمائی۔ میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے بھائی محترم شیخ خالد صاحب اور صاحبزادوں کے کاروبار میں اور دین ودنیا میں برکت نازل فرمائے۔ اور میری محنت کو اور ان کے تعاون کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

محمد قاسم خواجہ

خطیب جامع مسجد اقصیٰ اہلحدیث

سیٹلائٹ ٹاؤن

گوجرانوالہ

رہائش = B - 199 ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

فون نمبر= 250822

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب استنجاء

احترام قبلہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ببول ولا غائط ولكن شرقوا أو غربوا قال ابو ايوب فقدمنا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت قبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله (بخاری ص ۷۵، مسلم ص ۱۰۳)

ٹٹی یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف آگا پیچھا نہ کیا کرو بلکہ شرقا" یا غربا" رخ کیا کرو۔ ابوایوب کہتے ہیں ہم شام میں آئے تو ہم نے ٹٹیوں کو قبلہ رخ پایا۔ ہم رخ بدل کر بیٹھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے تھے۔

یہ صحیح ترین حدیث ہے جو اس باب میں بیان ہوئی ہے۔ عجیب بات ہے اس مسئلے کی جتنی ممکن صورتیں ہو سکتی ہیں اتنے ہی مسلک پائے جاتے ہیں۔ ایک مسلک تو اس حدیث کے عین مطابق ہے یعنی کہ کہیں بھی استقبال و استدبار نہ کیا جائے۔ دوسرا مسلک اس کے عین برخلاف ہے۔ یعنی کہ ہر جگہ استقبال و استدبار جائز ہے۔ اس کے قائل داؤد ظاھری وغیرہ ہیں۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ استقبال و استدبار صحراء (کھلی جگہ) میں منع ہے چار دیواری میں منع نہیں۔ یہ مسلک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت کے مطابق احمد بن حنبل وغیرہم کا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اس طرف ہے۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ استقبال کہیں بھی جائز نہیں اور استدبار ہر جگہ جائز ہے۔

ایک ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ قول ہے۔
ظاہریہ کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے۔

رقیت علی بیت اختی حفصة فرایت رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قاعدا لحاجته مستقبل الشام مستدبر القبلة (مسلم ص ۱۳۱)

کہ میں اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کی گھر کی چھت پر گیا تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شام کی طرف رخ کئے اور قبلہ کی طرف پیچھا کئے رفع حاجت فرما رہے تھے۔

اور حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ لوگ رفع حاجت کے وقت استقبال قبلہ کو مکروہ جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أوقد فعلوها فولوا مقعدی الی القبلة (مسند أحمد، ابن ماجه)

کیا لوگ ایسا کرتے ہیں تم میرے بیت الخلاء کا رخ قبلہ کی جانب کر دو۔

چار دیواری میں استقبال و استدبار جائز رکھنے والوں کا استدلال ان دو احادیث کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے۔

نهی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ان نستقبل القبلة ببول فرأیته قبل أن یقبض بعام یستقبلها (أبوداؤد ص ۷، ترمذی ص۲۱۰ وغیرہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبلہ رخ پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ مگر آپ کی وفات سے ایک سال قبل میں نے آپ کو قبلہ رخ پیشاب کرتے دیکھا۔

اور مروان الاصفر کی اس روایت سے ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی قبلہ رخ بٹھا کر ادھر پیشاب کرتے دیکھا میں نے عرض کیا یہ تو منع ہے فرمایا منع کھلی جگہ میں ہے اگر کوئی شی حائل ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداؤد ص ۷)

استدبار کو ہر جگہ جائز رکھنے والوں کا استدلال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔

لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول (مسلم ص ۱۳۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبلہ رخ ٹٹی پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

گزارش ہے کہ صحیح اور صریح حکم کے مقابلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایتوں کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو عذر پر معمول کیا جا سکتا ہے تخصیص پر نہیں جیسا کہ مروان الاصفر کی روایت کے مطابق حضرت ابن عمر نے خیال کیا۔ باقی حضرت عائشہؓ کی روایت ضعیف ہے اور سلمان رضی اللہ عنہ والی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استدبار کی اجازت دی تھی۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ استقبال و استدبار مطلقاً منع ہے (نیل الاوطار ج ا ص ۹٦)

ابن العربی فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ استقبال و استدبار کہیں بھی جائز نہیں قبلہ کی حرمت بلا امتیاز ہر مقام پر ہے۔ (شرح الترمذی بحوالہ تحفتہ الاحوذی ص ۳۰)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ' ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ' ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ اور مشہور روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

میں حیران ہوں مسلمان قبلہ کی طرف پاؤں کر کے نہیں لیٹتے نہ کھلے میدان میں نہ دیوار کی اوٹ میں صرف اس لئے کہ قبلہ کا احترام مقصود ہوتا ہے حالانکہ شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں آئی۔ رفع حاجت کے وقت قبلے کی طرف آگا پیچھا کرنا اس کی طرف پاؤں کرنے سے زیادہ سنگین ہے اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔ کئی گھروں بلکہ مسجدوں میں بھی بیت الخلاء اس انداز سے بنے ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ قبلہ کی طرف رخ یا پشت ہو جاتی

ہے۔ شعائر اللہ کا احترام اگر لازمی ہے تو پھر اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (حج : ٣٢)

اور جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

یاد رہے کہ حنفیہ کے نزدیک سورج یا چاند کی طرف رخ کر کے بھی بول و براز کرنا مکروہ ہے۔ (در مختار ج ا ص ۵۷ نماز مسنون ص ۹۴)

بلکہ ان کے علاوہ ہوا کے رخ کی طرف بھی منع ہے (عماد الدین ص ۵۰)

بیٹھ کر پیشاب کرنا آنحضرت ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

من حدثکم ان النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدا (ترمذی ص ۲۲)

جو تمہیں یہ بتلائے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق مت کرو آپ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔

کھڑے ہو کر پیشاب سے منع کے متعلق ایک حدیث حضرت عمرؓ سے ابن ماجہ ص ۲۶ اور ترمذی ص ۲۲ میں ایک حدیث حضرت بریدہؓ سے بزار میں اور ایک حدیث حضرت جابرؓ سے ابن ماجہ ص ۲۷ میں آتی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ادبا منع ہے، تحریما نہیں۔ بخاری شریف میں باب البول قائما و قاعدا کے تحت حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے۔

اتی النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مباطة قوم فبال قائما (ص ۳۵)

نبی ﷺ نے کوڑا کرکٹ والی جگہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے گھٹنے میں تکلیف کی

وجہ سے ایسا کیا تھا۔ (حاکم ج ا ص ۱۸۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو دار قطنی اور بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں ظاہر بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کیلئے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا ویسے اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے (فتح الباری ج ا ص ۳۳۰) نیز فرماتے ہیں کھڑے ہو کر پیشاب سے منع کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔ بلکہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ' حضرت علی رضی اللہ عنہ ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم سے ثابت ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ چھینٹے پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ (ایضا)

ابن ماجہ میں ہے عرب میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا معمول تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھ کر کسی (یہودی) نے کہا دیکھو یہ عورت کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ (ص ۲۶) معلوم ہوا آپ کی عام عادت مبارک بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی البتہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع کی کوئی صحیح اور تسلی بخش دلیل نہیں ہے۔

ڈھیلے کا استعمال صحیح اور قابل اطمینان طہارت تو پانی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

کان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خرج لحاجتہ اجئ انا وغلام معنا ادواۃ من ماء یستنجی بہ (بخاری ص ۲۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کیلئے تشریف لے جاتے میں اور ایک اور لڑکا بھی آجاتے ہمارے ساتھ پانی کا برتن ہوتا جس سے آپ استنجا فرماتے۔

چونکہ پانی کا بندوبست ہر وقت نہیں ہوتا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پتھروں کا استعمال بھی ثابت ہے۔ (عن ابی ھریرہ و ابن مسعود بخاری ص ۲۷)

پتھروں یعنی ڈھیلوں کے بعد پانی بھی استعمال کر لیا جائے تو بہت خوب ہے۔

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (توبہ : ۱۰۸) اور اللہ تعالیٰ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

احناف کے ہاں پیشاب کے بعد ڈھیلے کے استعمال کی بہت اہمیت ہے۔ پختہ قسم کے فقیہہ بڑی بڑی دیر تک بر سر عام "وٹوانی پکانے" میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مصنف عماد الدین نے اس کے فضائل و مناقب پر طویل بحث فرمائی ہے۔ حالانکہ فتاویٰ عبدالحی لکھنوی ج ۳ ص ۳۴ کے حوالے سے خود اعتراف بھی کیا ہے کہ صراحتہ ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بول کے بعد کبھی ڈھیلا یا پتھر لیا ہو (ص ۴۴) نیز لکھا ہے ڈھیلا لینا سنت فاروقی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے۔

کان عمر إذا بال مسح ذکره بحائط او حجر ولم یمسه ماء (عن ابی بکر عن یسار بن نمیر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیشاب کرنے کے بعد اپنا ستر دیوار یا پتھر پر پھیرتے اور اس کو پانی نہ لگاتے۔

چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے ہم پر ان کی پیروی لازم ہے (ص ۴۲)

یاد رہے تلاش کے باوجود یہ اثر مجھے نہیں مل سکا۔

میں حیران ہوں یوں یہ لوگ ڈھیلوں کے استعمال پر وہم کی حد تک زور دیتے ہیں لیکن اصل مذہب ان کا یہ ہے کہ استنجاء ان کے نزدیک سرے سے واجب ہی نہیں۔ صرف سنت ہے۔ یعنی نہ بھی کیا جائے تو نماز بہرحال ہو جائے گی۔ واجب صرف اس صورت میں ہے جب ٹٹی پیشاب کی مقدار وزن میں ایک درہم یعنی بیس قیراط یا پھیلاؤ میں ہتھیلی سے متجاوز تک لگ جائے۔ بلکہ اتنی نجاست بدن کے کسی اور حصے یا کپڑے پر بھی لگ جائے تو اس سے نماز جائز ہے

(ملخص از ہدایہ ص ۴۶، ۴۷۔ فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۴۵۔ نماز مسنون ص ۸۸۔ عماد الدین ص ۲۸)

کم از کم تین نبی ﷺ نے طہارت کیلئے تین سے کم پتھر استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے (عن سلمان مسلم ص ۱۳۰)

عادت سے مجبور ہمارے حنفی بھائی اس کی مخالفت میں اپنا فرض منصبی یوں ادا فرماتے ہیں۔

لیس فیہ عدو مسنون . . . . لنا قولہ علیہ السلام من استجمر فلیوتر فمن فعل فحسن ومن لا فلا حرج (عن ابی ھریرۃ ، أبوداؤد ج۱ ص ۱۳، ھدایۃ ص ۵۰)

استنجا میں کوئی تعداد مسنون نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے استنجاء کیلئے طاق پتھر استعمال کرنے چاہئیں۔ جو اس پر عمل کرے اچھا ہے جو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث سے تین سے کم پر استدلال درست نہیں صحیح مسلم کی روایت اس سے زیادہ صحیح ہے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تین سے کم کا استعمال جائز نہیں۔ اس دوسری حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر تین سے زیادہ پتھر استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو طاق تعداد بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے نبی ﷺ نے تین پتھر لانے کا حکم دیا۔ میں دو پتھر اور ایک لید کا ٹکڑا لے آیا۔ آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا یہ ناپاک ہے۔ (بخاری ص ۲۷)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تین پتھر ہونے چاہئیں مگر حنفیہ کہتے ہیں چونکہ حضور ﷺ نے دو رکھ لئے تھے اور ایک پھینک دیا تھا لہٰذا ثابت ہوا تین کی شرط نہیں حالانکہ یہی روایت مسند احمد (ج ۱ ص ۴۴۷) میں بھی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ائتنی بحجر (ایک پتھر اور لے آؤ) نیز نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۷ میں ابن الجوزی کے حوالہ سے لکھا ہے یہ روایت دلیل نہیں

بن سکتی کیونکہ ہو سکتا ہے نبی ﷺ نے تیسرا پتھر خود حاصل کر لیا ہو۔

(بحوالہ تحفہ الاحوذی ص ۲۸)

اب حنفیہ بھی آہستہ آہستہ تین ڈھیلوں کی طرف رجوع فرما رہے ہیں (نماز پیمبر ص ۶۰۔ نماز مسنون ص ۸۹)

کاغذ کا استعمال آج کل استنجاء بھی ماڈرن فیشن اختیار کر گیا ہے۔ نہ پانی نہ پتھر۔ بلکہ کاغذ کے ساتھ آلائش کو پونچھا جا رہا ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے تو اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دعوت ولیمہ میں کاغذ کے ساتھ انگلیاں صاف کرنے کو سخت مکروہ جانتے تھے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۲) استنجاء تو اس سے کہیں زیادہ توہین آمیز بات ہے چنانچہ مصنف عماد الدین نے کاغذ ہر قسم اور ردی وغیرہ سے استنجاء کرنا نادرست قرار دیا ہے (ص ۵۱) البتہ مصنف نماز مسنون اجازت دیتے ہیں (ص ۶۹)

نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان سے استنجاء نہ کیا جائے لید اور ہڈی (عن سلمان مسلم (ج ۱ ص ۱۳۰) ایک روایت میں کوئلے کا ذکر بھی ہے۔ (عن ابن مسعود ابوداؤد ص ۱۵) مگر یہ ضعیف ہے۔ بہرحال کاغذ کے استثناء کا کہیں ذکر نہیں۔ حنفیہ پکی اینٹ سے بھی استنجاء جائز نہیں سمجھتے (در مختار ج ۱ ص ۵۶۔ نماز مسنون ص ۹۰)

بیت الخلاء کی دعائیں نبی ﷺ رفع حاجت سے قبل یہ دعاء پڑھتے۔

اللھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث (عن انس بخاری ص ۲۶، مسلم ج۱ ص ۱۶۳)	یا اللہ میں تیرے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں نر اور مادہ شیاطین سے

فارغ ہو کر یہ پڑھتے۔

غفرانك (عن عائشة ترمذی ص ۱۶، أبوداؤد ص ۱۱۶)	یا اللہ میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں

اور یہ بھی ثابت ہے

الحمد لله الذی أذهب عنی الا ذی وعا فانی (عن انس بن مالك ابن ماجه ص ٢٦)

سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے مجھ سے گندگی کو دور کیا اور مجھے تندرستی عطا فرمائی۔

❄❄❄

وضوء

نماز کیلئے پاکیزگی ضروری ہے۔ بدن بھی پاک ہونا چاہیئے' کپڑے بھی پاک ہونے چاہئیں' جگہ بھی پاک ہونی چاہیئے اور باوضو ہونا چاہیئے۔ وضو نماز کیلئے شرط ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ (مائدہ ٦)

نیز نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لا تقبل صلاة من احدث حتى يتوضأ (عن ابی هريرة بخاری ص ۵ ۲) — وضو کے بغیر نماز قبول نہیں

پانی وضو کیلئے پانی بھی پاک ہونا چاہیئے پانی کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث — جب پانی دو مٹکے ہو تو پلید نہیں ہوتا۔
(عن ابن عمر ترمذی ص ۱۷۰، ابن ماجه ص ۳۹)

نیز فرمایا۔

ان الماء لا ينجسه شئ الا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه (عن ابی امامه ابن ماجه ص ۳۹، تحفه ص ٦٧) — بشرطیکہ نجاست پانی کی بو' مزے اور رنگ پر غالب نہ آئے تو پانی کو کوئی شئے ناپاک نہیں کرتی۔

معلوم ہوا جب پانی کم از کم دو بڑے مٹکوں کے برابر ہو اور کسی نجس شئے نے اس کا رنگ' بو' مزا تبدیل نہ کر دیا ہو تو وہ پاک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ (ترمذی ص ۷۰) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مٹکوں کی شرط نہیں۔ ان کے ہاں معیار صرف رنگ' بو اور مزے کا ہے۔ پانی کی کتنی مقدار ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے اس بارے میں حنفیہ کے بارہ مذہب گنوائے ہیں (التعليق الممجد ص ٦٧ تحفه

ص ٦٧) رنگ بو مزے کی شرط پر سب مذاہب متفق ہیں۔ سوائے ظاھریہ کے ان کے نزدیک ہرپانی پاک ہے۔ قلتین والی حدیث کے متعلق صاحب ہدایہ لکھتے ہیں ضعفه ابوداؤد (ص ١٦) اسے ابواؤد نے ضعیف کہا ہے۔ حالانکہ یہ بات خلاف واقع ہے۔ خود محشی نے اس کی تردید کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے درایہ میں اس کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔

مستعمل پانی جو پانی وضو یا غسل واجب کیلئے استعمال میں آچکا ہو وہ طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں ہے۔ یعنی پاک ہونے کے باوجود وضو کے قابل نہیں رہتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مستعمل پانی کو مطہر اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نجس خیال کرتے ہیں۔ یہ دونوں انتہائیں صحیح نہیں معلوم ہوتیں۔ حنفیہ کے نزدیک مستعمل پانی صرف وہ ہی نہیں جس سے غسل یا وضو کیا گیا ہو بلکہ لکھا ہے۔

وباد خال الكف يصير مستعملا ہاتھ ڈالتے ہی پانی مستعمل ہو جاتا ہے

(فتاوی عالمگیری ج١ ص ٢٢)

مطلق پانی یاد رہے قرآن مجید میں مطلق پانی (یعنی ماء) سے وضو کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو پانی خواہ کسی طاہر شی کے ملنے سے ہی پانی کے حکم میں نہ رہے۔ بلکہ کچھ اور صورت اختیار کر جائے تو اس سے بھی وضو جائز نہ ہوگا۔ جیسے دودھ' شربت وغیرہ۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لا يجوز الوضوء بالنبيذ ولا بالمسكر وكرهه الحسن وابو العالية وقال عطاء التيمم احب الى من الوضوء بالنبيذ واللبن (ص ١٣١)

نبیذ یا نشہ آور چیز سے وضو جائز نہیں۔ حسن اور ابوالعالیہ نے اسے مکروہ جانا ہے۔ عطاء کہتے ہیں دودھ یا نبیذ سے وضو کرنے کی بجائے مجھے تیمم کرنا زیادہ پسند ہے۔

نبیذ جن مائع چیزوں سے وضو جائز نہیں حنفیہ نے ان میں شربت اور عرق گلاب کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ یہ بقول ان کے مطلق پانی نہیں (ہدایہ ص ۱۴) مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مطلق پانی نہ ملنے کی صورت میں کھجور کی نبیذ سے وضو جائز رکھتے ہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن کو نبیذ سے وضو کیا تھا۔ (ہدایہ ص ۲۵، عن ابن مسعود ابن ماجہ ص ۳۱) حالانکہ یہ بالکل ضعیف روایت ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نبیذ سے وضو کے قائل نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ احتیاطاً نبیذ سے وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرنے کے قائل ہیں۔ صاحب ہدایہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں لکھتے ہیں۔

والحدیث مشهور عملت به الصحابة وبمثله یزاد علی الکتاب (ص ۲٦)	حدیث مشہور ہے اس پر صحابہ نے عمل کیا ہے اور ایسی مشہور حدیث سے زیادتی علی کتاب اللہ جائز ہے

حاشیہ میں لکھا ہے اس آیت کا مطلب یہ ہوگا اگر تمہیں پانی یا کھجور کی نبیذ نہ ملے تو پھر تیمم کر لو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث کی یہ شہرت اصطلاحی نہیں بلکہ عوامی ہے اور کسی صحابی سے اس پر عمل ثابت نہیں۔ (درایہ) نبیذ میں شدت (یعنی نشہ) پیدا ہو جائے تب بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سے وضو جائز رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حرام ہونے کی وجہ سے اس سے وضو جائز نہیں رکھتے (ہدایہ ص ۲٦) تقلید کی مجبوری سے موجودہ احناف نے بھی نبیذ سے وضو کو جائز قرار دیا ہے۔ (نماز مسنون ص ۱۴۸)

حقے کا پانی سواد اعظم احناف کے رہبر و راہنما اور امام ”اہل سنت“ احمد رضا خاں صاحب چونکہ حقہ کے بہت عاشق تھے اس لئے انہوں نے احکام شریعت کے تقریباً ۱۲ صفحات اسے مباح ثابت کرنے پر صرف فرمائے ہیں۔ (ص ۲۵٦ تا ۲٦۸)

حقہ کے پانی سے وضو جائز ہونے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے جب آب مطلق اصلاً نہ ملے تو یہ (حقے کا پانی) بھی آب مطلق ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تیمم ہرگز صحیح نہیں اور اس تیمم سے نماز باطل ہے (ص ۲۴۴)

بات یہ ہے اگر حقے کا پانی آب مطلق ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آب مطلق اصلاً نہ ملے۔ یہ تو خاں صاحب کا تکلف ہی معلوم ہوتا ہے۔ فتویٰ کے مطابق اس رضا خانی تبرک سے وضو بہر صورت جائز ہونا چاہئے۔ اپنے مسلک کے مطابق سواد اعظم احناف کو چاہئے عام پانی نہ ملنے کی صورت میں تلاش کر لیا کریں شاید کسی ساتھی کی ہانڈی میں نبیذ پڑی ہو یا کسی مسافر کا حقہ گڑگڑا رہا ہو کیونکہ ان کے بغیر ان کی نماز باطل ہے۔

وضو سے پہلے بسم اللہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ قرآن اور حدیث کی یہی تعلیم ہے۔ وضو کے بارے میں خاص طور پر کوئی صحیح حدیث مروی نہیں مثلاً ایک مرفوع روایت آتی ہے۔

لا وضو لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ بسم اللہ پڑھے بغیر وضو درست نہیں (عن سعید بن زید ترمذی ص ۸۳)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ (ترمذی ص ۳۹)

ایک مرفوع روایت میں ہے جس نے اللہ کا نام لے کر وضو کیا اس کا سارا جسم پاک ہو جاتا ہے نہیں تو صرف اعضائے وضو ہی پاک ہوتے ہیں۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ دار قطنی ج ۱ ص ۷۳، ۷۴۔ سنن بیہقی ج ۱ ص ۴۴۔ نماز مسنون ص ۷۴) اس کی بھی کوئی سند صحیح نہیں۔

وضو سے پہلے بسم اللہ کو متن ہدایہ میں سنت لکھا ہے صحیح بات بھی یہی ہے مگر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اگرچہ کتاب (قدوری) میں سنت کہا ہے۔

وضو کا طریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین بار اپنے ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالا

پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا پھر تین بار اپنے چہرہ کو دھویا اور تین بار اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر سر کا مسح کیا پھر اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا پھر کہا نبی ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو کی طرح وضو کر کے توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (بخاری ص ۲۸)

ہاتھ دھونا اگر ہاتھ صاف نہ ہوں یا بالخصوص انسان سو کر اٹھے تو اسے ایک دم وضو والے برتن میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہئے ہیں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

إذا استیقظ احدکم من نومه فلیغسل یده قبل أن یدخلها فی وضوئه فان احدکم لا یدری این باتت یده (عن ابی هریرة بخاری ص ۲۸، مسلم ص ۱۳۶)

نیند سے جاگو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھو لیا کرو نہ جانے اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔

عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی طرح وضو کر کے دکھلایا تو اس میں یہ الفاظ ہیں۔

فاکفا منها علی یدیه فغسلهما ثلاثاثم ادخل یده (مسلم ص ۱۲۳، بخاری ص ۲۳)

برتن سے اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیل کرانہیں تین بار دھویا پھر برتن میں ہاتھ ڈالا

اگر ہاتھ صاف ہوں تو پھر ایسا کرنا ضروری نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے (ترجمہ) کیا جنبی اپنے ہاتھ کو دھوئے بغیر برتن میں ڈال سکتا ہے جبکہ سوائے جنابت کے اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست نہ لگی ہو؟ پھر لکھا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور براء بن عازب نے اپنے ہاتھ کو دھوئے بغیر برتن میں ڈال دیا اور وضو کیا۔ (ص ۴۰)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر جنبی کا ہاتھ صاف ہو تو اسے بغیر دھوئے برتن میں ڈالنا جائز ہے۔ اس لئے کہ محض جنبی ہونے

کی وجہ سے اس کا کوئی عضو نجس نہیں ہو جاتا (فتح الباری ج ۱ ص ۳۷۳)

مضمضہ و استنثاق میں وصل عبداللہ بن زید والی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

مضمض واستنشق من کف واحدة ففعل ذلك ثلاثا (بخاری ص ۳۲، مسلم ص ۱۲۳)

ایک ہی ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ عمل تین بار دہرایا۔

اس سے معلوم ہوا مضمضہ و استنثاق کیلئے الگ الگ پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ پانی لے کر کچھ منہ میں اور بقایا ناک میں ڈال لینا چاہئے۔ اسے محدثین کی اصطلاح میں وصل کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے وصل ہی کو سنت قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وصل ہی صحیح حدیث سے ثابت ہے فصل کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(زاد المعاد ج ۱ ص ۴۹' تحفہ ص ۴۱)

حنفیہ فصل کے قائل ہیں یعنی کہ کلی اور ناک کیلئے الگ الگ پانی لیا جائے (ہدایہ ص ۵) ان کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی یہی رواج ہے۔

حنفیہ کے دلائل یہ ہیں۔

فرائیتہ یفصل بین المضمضة والاستنشاق (عن طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کعب بن عمرو، ابوداؤد ص ۵۳)

میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مضمضہ و استنثاق الگ الگ فرماتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے (درایہ) ابووائل شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو میں مضمضہ و استنثاق کیلئے جدا جدا پانی لیتے دیکھا پھر انہوں نے فرمایا ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔

(تلخیص الحبیر ۔ تحفہ ص ۴۲ عون ص ۵۳)

یہ حدیث بلا سند مذکور ہوئی ہے اس لئے استدلال کے قابل نہیں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فصل اور وصل دونوں جائز ہیں۔ (تحفہ ص ۴۲)
صاحب سبل السلام لکھتے ہیں دونوں طرح سنت ہے اگرچہ وصل کی روایات اکثر اور صحیح ہیں (تحفہ ص ۴۲) صاحب تحفہ الاحوذی فرماتے ہیں یہ اختلاف افضلیت میں ہے جواز یا عدم جواز میں نہیں (ص ۴۲) صاحب عون المعبود فرماتے ہیں دونوں طرح ثابت ہے گو وصل کی احادیث من حیث الاسناد قوی ہیں (ص ۵۳) فتاویٰ ظہیریہ (حنفیہ) کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی وصل جائز ہے (بحوالہ تحفہ ص ۴۲)

استنثار ہماری عادت عام طور پر یہ ہے کہ تین بار ناک میں پانی ڈال کر آخر میں ایک بار ناک جھاڑ لیتے ہیں مگر عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت دوسری سند کے ساتھ یوں مروی ہے۔

فمضمض واستنشق واستنثر ثلاثا بثلاث غرفات من ماء (بخاری ص ۳۲، مسلم ص ۱۲۳)	انہوں نے تین بار پانی کے چلو لے کر تین بار ہی مضمضۃ استنشاق اور استنثار کیا

معلوم ہوا ہر بار ناک جھاڑنا چاہئے۔

مضمضہ و استنشاق کی فرضیت مضمضہ و استنشاق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو اور غسل جنابت دونوں میں فرض ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر دو میں سنت اور حنفیہ کے نزدیک غسل جنابت میں فرض اور وضو میں سنت ہے۔ (ترمذی ص ۴۰) یعنی حنفیہ کے نزدیک مضمضہ و استنشاق وضو میں ضروری نہیں (ہدایہ ص ۵) نہ بھی کرے تو وضو ہو جائے گا۔ حالانکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

إذا توضا احدكم فليجعل فى انفه وضو کرو تو ناک میں پانی ڈال کر اسے

ماؤ ثم يتنثر (عن ابی هريرة بخاری ص ۲۸، مسلم ص ۱۲٤) جھاڑو

آپ ﷺ نے لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا

وبالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما (أبوداؤد ص ٥٥) ناک میں خوب پانی ڈالو الا یہ کہ تمہارا روزہ ہو

اور ایک روایت کے مطابق ان سے فرمایا۔

إذا توضات فمضمض (أيضًا) وضو کرتے وقت کلی بھی کیا کرو۔

اور خود ہدایہ میں لکھا ہے۔

فعلهما على المواظبة (ص ٥) نبی ﷺ نے ان پر ہمیشگی فرمائی۔

یعنی جس چیز کا نبی ﷺ نے حکم بھی دیا اور بقول ان کے ان پر مواظبت بھی فرمائی وہ ان کے نزدیک ضروری نہیں۔

مسواک ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

تفضل الصلوة التی یستاك لها على الصلوة التی لا یستاك لها سبعين ضعفا (عن عائشة شعب الايمان بيهقی و مشكوة ص ٧٤) مسواک کر کے نماز پڑھنے سے ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مسواک چھوٹی انگلی کے برابر موٹی اور تقریباً ایک بالشت لمبی ہونی چاہئے۔ (شرح نقایہ ج ۱ ص ٦ ۔ نماز مسنون ص ٧٦)

بطور مسئلہ اس سائز کا ثبوت انہی کے ذمہ ہے۔

چہرہ مضمضہ و استنشاق کے بعد تین بار چہرہ دھونا چاہئے اور ڈاڑھی کے بالوں کی جڑوں کو بھی تر کرنا چاہئے۔

أن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا توضأ اخذ كفا من ماء فادخله تحت حنكه فخلل به لحيته (عن انس بن مالك ابوداؤد ص٥٦)

وضو کرتے وقت نبی ﷺ ہتھیلی میں پانی لے کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے اپنی ریش مبارک کا خلال فرماتے۔

اس کی سند صحیح نہیں۔ چنانچہ اکثر اہل علم خلال کو واجب نہیں سمجھتے۔

بازو پھر تین بار بازوؤں کو کہنیوں تک دھونا چاہئے۔

فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق

پس دھوؤ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک۔

اپنی سہولت کے مطابق انسان جس طرح چاہے دھولے پانی کے چلو بھر کر بازوؤں کو لہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

سر کا مسح عبداللہ بن زید بن عاصم سے مروی ہے۔

فاقبل بهما وادبر بمقدم راسه ثم ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذى بدأ منه (مسلم ص١٢٣، بخارى ص ٣١)

کہ وہ ہاتھوں کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے لائے۔ سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا اور ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر انہیں لوٹا کر اسی مقام پر لائے جہاں سے شروع کیا تھا

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا۔

مسح براسه بماء غير فضل يده (مسلم ص ١٢٣، ترمذى ص ٤٦)

کہ آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کا مسح نیا پانی لے کر کیا۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھ کی باقی ماندہ تری

سے مسح کرلیں تو وہ بھی کافی ہے (عماد الدین ص ۵٦) کیونکہ ایک روایت میں بما غبر من فضل یدیہ یعنی ہاتھوں کے باقی ماندہ پانی سے کے الفاظ ہیں (ترمذی ص ۴٦) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اول الذکر حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔ بما غبر والی حدیث میں ابن لھیعہ متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ اس مضمون کی ایک روایت عن ربیع بنت معوذ ابوداؤد ص ۴۹ میں بھی ہے مگروہ بھی صحیح نہیں۔

کانوں کا مسح کان چونکہ سر کا حصہ ہیں۔ اس لئے ان کا مسح بھی سر کے ساتھ ہی کرلینا چاہئے۔ کانوں کے مسح کیلئے الگ پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ نبی ﷺ کے متعلق آتا ہے۔

مسح براسہ واذنیہ مسحۃ واحدۃ (عن ابن عباس ابوداؤد ص ۵۰) آپ ﷺ نے اپنے سر اور کانوں کا مسح ایک ہی بار کیا۔

اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے معلول اور ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح یا حسن کے درجے کی قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار ج ا ص ۱۷۷) نیز مروی ہے۔

مسح براسہ وقال الاذنان من الراس (عن ابی امامہ ترمذی ص ۴۷) آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح کیا اور فرمایا کان سر کا حصہ ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو قوی نہیں قرار دیا۔ بعض علماء کے نزدیک یہ حسن کے درجے کی ہے۔ کانوں کے سر کا حصہ ہونے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

فإذا مسح براسہ خرجت الخطایا من راسہ حتی تخرج من اذنیہ (عن عبد اللہ الصنابحی موطا ص ۱۰، ابن ماجہ ص ۲٤) جب انسان اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے تمام گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے کانوں سے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کان چونکہ سر میں داخل ہیں اس لئے ان کا مسح سر کے پانی کے ساتھ ہی کیا جائے (منتقٰی مع نیل الاوطار ج ا ص ۱۷۷) اکثر اہل علم صحابہ کرام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ' ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کانوں کو سر کا حصہ سمجھتے ہیں۔ (ترمذی ص ۴۸) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کانوں کیلئے الگ پانی لینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں (زاد المعاد ص ۴۹ و تحفہ ص ۴۹) صاحب تحفہ الاحوذی فرماتے ہیں کانوں کے مسح کیلئے نیا پانی لینے کی کوئی صحیح مرفوع حدیث میرے علم میں نہیں آئی' البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے۔

کان یاخذ الماء باصبعیہ لاذنیہ (موطا ص ۱۱، تحفہ ص ۴۹)

کہ وہ اپنے کانوں کیلئے اپنی انگلیوں کے ساتھ پانی لیتے تھے۔

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ کانوں کے مسح کا طریقہ ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ثم مسح براسہ واذنیہ باطنھما بالسباحتین وظاھرھما بابھامیہ (عن ابن عباس نسائی ص ۱۶، تحفہ ص ۴۷)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ کانوں کے اندرونی حصہ کا شہادت کی انگلیوں کے ساتھ اور بیرونی حصہ کا انگوٹھوں کے ساتھ۔

گردن کا مسح حنفیہ کانوں کے بعد الٹے ہاتھوں سے گردن کا مسح کرتے ہیں۔ الٹے ہاتھوں سے مسح کرنے میں شاید یہ حکمت ہے کہ یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل الٹ ہے۔ اس کا ذکر ان کی کتاب قدوری ص ۴ یا فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۸ وغیرہ میں تو ہے مگر ان کی سب سے زیادہ مستند اور نصابی کتاب ہدایہ میں نہیں ہے۔ البتہ محشی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دلیل میں کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ صرف اپنے کسی استاد کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے ہمیں اس طرح سکھلایا تھا (ص ۶) جدید

احناف چونکہ دلائل تیار کرنے میں بڑے مشاق ہیں' اس لئے یہ کہیں نہ کہیں سے دور کی کوڑی لے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

من توضا ومسح بيديه على عنقه وقي الغل يوم القيامة (عن ابن عمر تلخيص الحبير ج١ ص ٩٢)

جس نے وضو کے دوران میں اپنی گردن کا مسح کیا وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رہے گا۔

اس مضون کا ایک قول حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (تلخیص الحبیر ج۱ص ۹۲)

علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں اگرچہ اس مسئلہ کی احادیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن فضائل و مستحبات میں ضعیف حدیث قابل عمل ہوتی ہے (السعایہ ج ۱ص ۱۷۹)

مگر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هذا موضوع ليس من كلام النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (شرح المذهب ج١ ص ٤٦٥)

گردن کے مسح والی حدیث موضوع ہے۔ یہ نبی ﷺ کا کلام نہیں ہے۔

ان روایات کے مطابق گردن کے مسح کی اگر کوئی حقیقت ہے تو وہ سر کے مسح میں ہی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ قفا یعنی گدی تک ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ احناف گردن کے مسح کیلئے اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

عن مجاهد عن ابن عمر انه كان اذا مسح راسه مسح قفاه مع راسه

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سر کے ساتھ اپنی گدی کا مسح بھی کرتے

(بیہقی ج١ ص ٦٠ نماز مسنون ص ٨٠)

حالانکہ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ سر کا مسح گدی تک ہونا چاہئے اور بحمد اللہ ہمارا مسلک یہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ گردن کا الگ مسح کرنا اور پھر الٹے ہاتھوں سے کرنا جیسا کہ حنفیہ کا معمول ہے کیا اس کے لئے بھی کوئی ثبوت ہے؟

ہرگز نہیں۔ نہ ہی احناف کی موجودہ کتابوں میں اس کی کوئی وضاحت کی گئی ہے۔ بس بھیڑ چال کی طرح بزرگوں کی دیکھا دیکھی یہ مہمل رسم جاری ہے۔ استاذ العلماء حضرت مولینا محمد چراغ صاحب رحمتہ اللہ علیہ (حنفی دیوبندی) سے ایک مسجد میں خود میں نے سنا آپ نے تین بار ارشاد فرمایا گردن کے مسح کا ثبوت نہیں ہے۔ اور تو اور مولینا احمد رضا خاں صاحب بھی فرماتے ہیں اور پشت دست سے گردن کے پچھلے حصہ کا گلے پر ہاتھ نہ لائے کہ بدعت ہے (ملفوظات ص ۲۱۷)

پگڑی پر مسح پیچھے عبداللہ بن زید والی روایت گزری ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے مکمل سر کا مسح فرمایا (مسلم ص ۱۲۳)

صحیح مسلم ہی میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ توضا فمسح بناصیته وعلی العمامة وعلی الخفین (ص ۱۳٤)

نبی ﷺ نے بوقت وضو اپنے سر کے اگلے حصہ اور پگڑی پر اور موزوں پر مسح فرمایا

اور عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رایت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یمسح علی عمامة وخفیه (بخاری ص ۳۳)

میں نے نبی ﷺ کو پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا

ان احادیث سے معلوم ہوا اگر سر ننگا ہو تو پورے سر کا مسح کرنا چاہیے۔ عمامہ وغیرہ پہنا ہوا ہو تو سر کے اگلے حصہ کا مسح کر کے باقی پگڑی کے اوپر کر لینا چاہیے اور صرف پگڑی پر اکتفا کر لینا بھی جائز ہے۔ یعنی جیسے حالات ہوں ازروئے شریعت ہر طرح سے آسانی ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الحاصل انه قد ثبت المسح علی الراس فقط وعلی العمامة فقط وعلی الراس والعمامة فکل صحیح

حاصل یہ کہ مسح صرف سر پر یا صرف پگڑی پر یا سر اور پگڑی دونوں پر ہر

ثابت (نیل الاوطار ج۱ ص ۱۸۳) طرح سے بالصحت ثابت ہے۔

یہی بات حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد ج ۱ ص ۴۸ میں اور حضرت شمس الحق ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عون المعبود ج ۱ ص ۵۶ میں فرمائی ہے۔

گردن کے مسح پر اصرار کرنے والے احناف صرف سر کے چوتھائی حصے اور بعض روایات کے مطابق تین انگلی یعنی دو انچ کے برابر مسح کی فرضیت کے قائل ہیں (ہدایہ ص ۴، ۵) سیدھی سادھی احادیث سے چونکہ ان کا کام نہیں بنتا تھا اس لئے انہوں نے احادیث میں گڈ مڈ کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً صاحب ہدایہ نے اپنی تائید کیلئے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

ان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتی سباطة قوم فبال قائما وتوضا ومسح علی ناصیته وخفیه (ص ٤)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے کوڑا کرکٹ ڈالنے والی جگہ پر تشریف لائے پس کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر وضو کیا اور سر کے اگلے حصے پر اور موزوں پر مسح کیا۔

حالانکہ ان الفاظ میں مغیرہ بن شعبہ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ خود محشی نے تسلیم کیا ہے کہ یہ دراصل دو احادیث کا مرکب ہے۔ بقول ان کے روایت کا پہلا حصہ ابن ماجہ میں ہے اور دوسرا حصہ مسلم میں ہے۔ مگر یاد رہے اس دوسرے حصے میں بھی مصنف ہدایہ اور محشی دونوں نے خیانت سے کام لیا ہے۔ مسلم شریف میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں صرف پیشانی کے مسح کا ذکر ہو یا تو سر کے مسح کا ذکر ہے یا پھر پیشانی یا سر کے اگلے حصے (مقدم راس) کے ساتھ عمامہ کا ذکر ہے۔ خالی ناصیہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مصنف نماز مسنون نے مسلم اور ابوداؤد کا حوالہ دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت مغیرہ بن شعبہ صرف و مسح بنا صیتہ اور بروایت انس بن مالک صرف فمسح مقدم راسہ کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۷۲) حالانکہ صحیح مسلم ص ۱۳۴ میں بھی

اور ابوداؤد ص ۵۸ میں بھی آگے وعلی عمامته بھی موجود ہے جس کا ذکر حضرت صاحب نے جان بوجھ کر نہیں کیا کیونکہ اس کا ذکر کر دینے سے ان کا مسلک ڈوب جاتا تھا۔

اپنے اکابر کی تقلید میں خیانت کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

نیز معلوم ہونا چاہئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی محولہ بالا روایت سرے سے مسلم شریف میں ہے ہی نہیں البتہ ابوداؤد میں ان سے یوں مروی ہے۔

رایت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يتوضا وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم ينقض العمامة (ص ٥٦)

میں نے آپ کو وضو کرتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطری عمامہ پہن رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ کے نیچے ہاتھ ڈال کر اپنے سر مبارک کے اگلے حصے کا مسح فرمایا اور عمامہ نہیں کھولا۔

اول تو اس کی سند میں ابو معقل راوی مجہول ہے (تقریب) دوسری بات یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو باب المسح علی العمامة کے تحت بیان فرمایا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک باقی مسح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ کے اوپر فرمایا۔ جیسا کہ دیگر صحیح اور مفصل احادیث سے ثابت ہے۔ تبھی اس حدیث میں اور باب میں مطابقت بھی پیدا ہوتی ہے۔ صاحب عون المعبود اس ضمن میں فرماتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ کھول کر سر کا مسح مکمل نہیں فرمایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی مسح عمامہ کے اوپر نہیں فرمایا۔

احناف سے زیادہ شوافع پر تعجب ہے۔ بقول صاحب ہدایہ وہ صرف تین بالوں اور بقول محشی ہدایہ صرف ایک بال کا مسح کافی سمجھتے ہیں۔ ان سب کو مغالطہ اس بات سے لگا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی پر مسح فرما لیتے تھے۔ حالانکہ جیسا کہ

پہلے بیان ہو چکا ہے صحیح احادیث میں صرف پیشانی پر مسح کا کہیں ذکر نہیں۔ جہاں بھی ذکر ہے یا تو سر کا ذکر ہے یا عمامے کا ذکر ہے یا پیشانی کے ساتھ عمامے کا ذکر ہے۔ اگر نبی ﷺ نے عمامہ کے ہوتے ہوئے مکمل سر کا مسح نہیں فرمایا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اتنے حصے کا مسح ہی منسوخ ہو گیا یا بجائے فرض کے سنت رہ گیا۔ ورنہ تو پھر پاؤں کا دھونا بھی فرض نہیں رہنا چاہئے کیونکہ نبی ﷺ موزوں پر مسح فرمالیتے تھے۔

یاد رہے کہ پگڑی پر مسح کیلئے موزوں یا جرابوں پر مسح جیسی کوئی شرائط نہیں ہیں۔ یعنی نہ تو یہ شرط ہے کہ باوضو ہو کر پگڑی باندھی ہوئی ہو اور نہ ہی اس کے لئے ایک دن یا تین دن کی مدت متعین ہے۔

نیز معلوم ہونا چاہئے اگر سر پر ٹوپی پہنی ہوئی ہو یا رومال وغیرہ باندھا ہوا ہو اور اسے اتارنے کا پروگرام نہ ہو تو مسح کے حق میں وہ بھی عمامہ ہی کے قائم مقام ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مسح علی الخفین والخمار (مسلم ص ۱۳۴)

نبی ﷺ نے موزوں اور اوڑھنی پر مسح فرمایا

محلی ابن حزم کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے نزدیک ٹوپی بمنزلہ عمامہ کے ہے اور اس پر مسح جائز ہے۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اوڑھنی پر بھی مسح جائز ہے (ج ۱ ص ۳۰۶) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پگڑی وغیرہ پر مسح جائز نہیں سمجھتے (ایضاً)

پاؤں　قرآن پاک میں ہے

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (مائدہ : ٦)

اور مسح کرو اپنے سروں کا اور دھوؤ اپنے پاؤں ٹخنوں تک

مشہور قرات کے مطابق لام پر زبر ہے تب ار جلکم کا تعلق فاغسلوا سے ہے۔ یعنی چہرے ہاتھ اور پاؤں کو دھونا چاہئے۔ ایک قرات لام کی زیر کے ساتھ ہے تب اس کا تعلق وامسحوا سے ہے۔ اس صورت میں سر کی طرح پاؤں پر بھی مسح کا حکم ہے۔ شیعہ کا مسلک یہی ہے۔ بعض صحابہ و تابعین بھی اس کے قائل رہے ہیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان سے رجوع ثابت ہے (فتح الباری ج ۱ ص ۲۶۶) صحیح قرات پہلی ہے معلوم ہوتا ہے الفاظ کو آگے پیچھے ترتیب قائم رکھنے کیلئے کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ قرآن مجید میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق وضو فرمایا اور ہمیشہ پاؤں دھوئے بلکہ آپ نے کچھ نمازیوں کی خشک ایڑیوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

ویل للاعقاب من النار (عن ابی هريرة مسلم ص ۱۲۵، بخاری ص ۲۸) افسوس ہے ان ایڑیوں کیلئے جو آگ میں ہیں

زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے جب پاؤں میں موزے یا جرابیں پہنی ہوں تو اس وقت ان پر مسح کر لینا چاہئے۔

اعضائے وضو کو کتنی دفعہ دھونا چاہئے؟ نبی ﷺ سے تین تین بار دھونا ثابت ہے (عن عثمان بخاری ص ۲۷) دو دو بار بھی ثابت ہے (عن عبداللہ بن زید ایضاً) ایک ایک بار بھی ثابت ہے (عن ابن عباس ایضاً) اور اس طرح بھی جائز ہے کہ کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو کم بار دھو لیا جائے (عن عبداللہ بن زید بخاری ص ۳۱)

تین دفعہ سے زیادہ دھونا جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے تین تین دفعہ اعضائے وضو کو دھو کر ارشاد فرمایا۔

فمن زاد علی هذا فقد اساء وتعدى وظلم (عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده نسائی ص ۲۰، ابن ماجه ص ۳٤) جس نے اس پر اضافہ کیا تحقیق اس نے برا کیا زیادتی کی اور ظلم کیا۔

اگر تین تین مرتبہ دھونے کے باوجود کوئی جگہ خشک رہ جائے تو اسے ضرور تر کرنا چاہیے جیسا کہ ابھی گزرا اور اگر وضو کرتے وقت اعضاء کو ٹھنڈا کرنا یا صاف کرنا مقصود ہو تو یہ صورت بھی مستثنیٰ ہے البتہ اسراف جائز نہیں جیسا کہ عمرو بن شعیب والی روایت میں بیان ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد یہ کیسا اسراف ہے عرض کیا کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے فرمایا۔

نعم وان كنت على نهر جار (ابن ماجه ٣٤)

ہاں اگرچہ تو جاری نہر پر بھی کیوں نہ ہو

اس کی سند میں ابن لهیعه راوی متکلم فیہ ہے۔

پہلے دایاں

كان النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يحب التيمن ما استطاع فى شانه كله فى طهوره وترجله وتنعله (عن عائشه بخارى ص ٢٩، مسلم ١٣٢)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ الامکان ہر کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے مثلاً وضو میں، کنگھی میں، جوتا پہننے میں۔

فرمایا

اذا لبستم واذا توضاتم فابدؤا بايا منكم (عن ابى هريرة ابوداؤد ج٢ ص ١١٩)

لباس پہنو یا وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وضو میں اول دائیں جانب کو ملحوظ رکھنا سنت ہے اس پر علما کا اجماع ہے۔ جو ایسا نہیں کرے گا وہ فضیلت سے محروم رہ جائے گا اور وضو مکمل ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ا ص ۲۷۰)

حنفیہ کے نزدیک دائیں طرف کے اعضائے وضو کو پہلے دھونا نہ فرض ہے' نہ سنت ہے صرف مستحب ہے (ہدایہ ص ۷)

وضو میں ترتیب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وارجلکم کو فاغسلوا کی بجائے وامسحوا کے بعد ذکر کرنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں ترتیب ضروری ہے۔ یہی نبی ﷺ کی دائمی سنت ہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک ترتیب سنت بھی نہیں صرف مستحب ہے (ہدایہ ص ۷) چنانچہ بہشتی زیور میں لکھا ہے اگر کوئی الٹا وضو کرے کہ پہلے پاؤں دھو ڈالے' پھر مسح' پھر دونوں ہاتھ دھو دے' پھر منہ دھو ڈالے یا اور کسی طرح الٹ پلٹ کر کے وضو کرے تو بھی وضو ہو جاتا ہے۔ لیکن سنت کے موافق نہیں ہوتا اور گناہ کا خوف ہے (حصہ اول ص ۴۶)

چونکہ حنفیہ کے نزدیک ترتیب کے علاوہ وضو میں نیت بھی ضروری نہیں اس لئے مندرجہ ذیل طریقے سے بھی ان کا وضو ہو جاتا ہے۔

اذا اصاب الرجل المطر او وقع فی نهر جار جاز وضوه (عالمکیری ج ۱ ص ۵)	آدمی پر بارش پڑے یا وہ نہر میں گر پڑے تو اس کا وضو ہو جائے گا

موزوں پر مسح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سفر تبوک میں نبی ﷺ کو وضو کرا رہے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے موزے اتارنے لگا تو فرمایا

دعهما فانی ادخلتهما طاهرین فمسح علیهما (بخاری ص ۳۳ ، مسلم ص ۱۳۴)	انہیں رہنے دو میں نے انہیں باوضو پہنا تھا آپ ﷺ نے ان پر مسح فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا

اذا تطهر فلبس خفیه ان یمسح علیهما (ابن خزیمه، دارقطنی، مشکوۃ ص ۹۰)	جب وضو کر کے موزے پہنے تو ان پر مسح کرے

ان احادیث سے موزوں پر مسح کا ثبوت ملا۔ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا بحالت وضو موزے پہنے ہوں تب آئندہ وضو کرتے وقت ان پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے البتہ حنفیہ کے نزدیک یوں بھی جائز ہے۔

لو غسل رجلیہ ولبس خفیہ ثم اکمل الطھارۃ ثم احدث یجزیہ المسح (ھدایہ ص ٣٣)

صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لے پھر حدث یعنی ہوا وغیرہ خارج ہونے سے پہلے مکمل وضو کر لے تو مسح جائز ہے۔

جرابوں پر مسح عن ابی قبیس عن ھزیل بن شرجبیل عن مغیرہ بن شعبہ روایت ہے۔

توضا النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ومسح علی الجوربین والنعلین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح فرمایا۔

(ترمذی ص ١٠٠، ابوداؤد ص ٦٢)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ بہت سے ائمہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ مغیرہ بن شعبہ سے دوسرے راویوں نے خفین کا ذکر کیا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ ابو قبیس اودی اور ھزیل دونوں ثقہ اور صحیح بخاری کے راوی ہیں اس لئے ان کی روایت معتبر ہے۔ ابن حبان نے اس روایت کو ثقہ قرار دیا ہے (جوھر النقی للمار دینی ص ٤٧) نیز بات یہ ہے کہ موزوں والی روایت اور جرابوں والی روایت دو الگ الگ واقعات ہیں۔ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مغیرہ کے دونوں لفظ روایت کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ جبکہ فعل صحابہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ (مرقاۃ ج ٢ ص ٨٤)

انہی الفاظ میں ایک مرفوع حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی ہے (ابن ماجہ ص ٤١) اس کا حوالہ ابوداؤد میں بھی ہے (ص ٦٢) امام ابوداؤد کے نزدیک

اس کی سند متصل اور قوی نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن سنان حنفی کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یکتب حدیثه (میزان) مزید کہا ہے بعض نے اسے قوی قرار نہیں دیا اور عجلی کہتے ہیں لا باس بہ۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کی سند میں ضحاک بن عبدالرحمٰن کا ابوموسیٰ اشعری سے سماع ثابت نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ضحاک نے ابوموسیٰ سے سماع کیا ہے۔ (تاریخ کبیر ج ۲ ص ۳۳۴)

نیز راشد بن سرمد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا لشکر روانہ فرمایا جنھوں نے واپس آکر سردی کی شدت کا ذکر کیا تو .....

فامرھم ان یمسحوا علی العصائب والتساخین (ابوداؤد ص ۵۶، مسند احمد ج۵ ص ۱۷۲)	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ پگڑیوں اور موزوں یا جرابوں پر مسح کر لیا کریں۔

اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حافظ ذھبی نے اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۹۱) کہا جاتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ بقول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ راشد کا ثوبان رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ثابت نہیں۔ (تہذیب التہذیب وغیرہ تحفہ ص ۱۰۴) حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثابت ہے (التاریخ الکبیر ج ۳ ص ۲۹۲)

حضرات علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما جرابوں پر مسح کرتے تھے (ابوداؤد ص ۶۲) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرات سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بھی مسح علی الجوربین کے قائل تھے (ترمذی ص ۱۰۰)

ابن سید الناس نے شرح ترمذی اور شرح الاقناع میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ' عمار رضی اللہ عنہ ' بلال رضی اللہ عنہ اور ابن ابی اوفی کا ذکر بھی کیا ہے۔

مصنف عبدالرزاق ص ۷۸۱ تا ۷۸۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۸۸ اور بیہقی ج ۱ ص ۲۸۵ میں مزید صحابہ کرام سے بھی مسح علی الجوربین کا ذکر موجود ہے۔

حضرات سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ ' عطاء رحمۃ اللہ علیہ ' ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ' اعمش رحمۃ اللہ علیہ ' سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ' نافع..... اور داؤد ظاھری رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم کا یہی مذھب ہے (محلی ابن حزم ج ۲ ص ۳۲۴) حافظ ابن حزم خود بھی اسی کے قائل ہیں اور اسے سنت قرار دیا ہے (ایضاً)

حنفیہ کے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی قائل ہیں (ھدایہ ص ۳۶) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے قائل نہیں تھے آخر میں وہ بھی قائل ہوگئے۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور اب اسی پر فتویٰ ہے (ص ۳۶) البتہ ان فقہا نے یہ قید لگائی ہے کہ جرابیں ثخینین یعنی موٹی اور چلنے کے قابل ہونی چاہیں تاکہ وہ موزوں کے حکم میں ہو جائیں۔ مگر یہ قید خود ساختہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موٹی اور باریک کا فرق نہیں کیا۔ یاد رہے کہ احناف نے ابھی تک اپنے مقتدیوں کو موزوں کے چکر میں ڈالا ہوا ہے۔ وہ بے چارے سردیوں میں مسح کرنے کے لئے موزے سلواتے پھرتے ہیں۔ یہ انہیں اپنا مسلک بھی کھل کر نہیں بتلاتے کہ موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے۔

جوتوں پر مسح اوپر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں جوتوں پر بھی مسح کا ذکر ہے۔ علامہ ترکمانی حنفی انکا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ابن حبان نے مسح نعلین والی حدیث اوس کو اور ابن خزیمہ نے سبتی جوتوں پر مسح والی حدیث ابن عمر کو صحیح قرار دیا ہے نیز بیہقی میں زید بن حباب سے بھی مسح نعلین کی روایت منقول ہے اس کی سند بھی جید ہے۔
(جوہر النقی ج ۱ ص ۲۸۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ کرام سے بھی جوتوں پر مسح ثابت ہے

(فتح الباری ج ا ص ۲۶۸) سلف صالحین میں سے بعض ائمہ کرام کا یہ مذہب رہا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے　باب غسل الرجلین فی النعلیں ولا یمسح علی النعلین۔ اس کے تحت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت لائے ہیں جس میں یہ ذکر ہے۔

فـانی رایـت رَسُولَ اللهِ صَلَّـی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یلبس النعال التـی لیـس فیها شعر ویتوضا فیهـا (بخـاری ص ۲۸)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر بالوں کے جوتے پہنے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنے پہنے وضو کر لیا۔

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے پاؤں اگر اچھی طرح ڈھکے ہوئے ہوں تو جوتوں پر مسح کر لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ موزوں ہی کے حکم میں ہیں ورنہ انہیں دھونا چاہئے۔ چاہے تو جوتے اتار کر دھوئے اور چاہے تو جوتوں سمیت بھی دھو لے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

مسح کا طریقہ　حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبـی صَلَّـی اللهُ عَلَيْـهِ وَسَـلَّمَ مسح اعلی الخف واسـفله (ترمـذی ص ۹۸، ابوداؤد ص ٦٤)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپر بھی اور نیچے بھی مسح فرمایا۔

امام ترمذی نے بعض صحابہ و تابعین اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک بتلایا ہے۔ مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت یہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لو کان الدین بـالرای لکـان اسـفل الخف اولی بالمسـح مـن اعـلاه وقـد رایـت رَسُولَ اللهِ صَلَّـی اللهُ عَلَيْـهِ وَسَـلَّمَ

اگر دین رائے کے ساتھ ہوتا تو اوپر کی بجائے موزے کا نچلا حصہ مسح کے زیادہ لائق تھا۔ مگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

یمسح علی ظاھر خفیہ — موزوں کے اوپر مسح کرتے دیکھا ہے۔
(ابوداؤد ص ٦٣)

ایک دوسری سند کے ساتھ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے۔
رایت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یمسح علی الخفین علی ظاھرھما — میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر مسح کرتے دیکھا۔
(ترمذی ص٩٩، ابوداؤد ص ٦٣)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ یہی مسئلہ درست ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں روایتوں میں تعارض نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں دونوں طرح ثابت ہے یعنی صرف اوپر بھی اور اوپر نیچے بھی۔ صرف نیچے نہیں (نیل الاوطار ج ا ص ٢٠٤)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تقریباً یہی نظریہ ہے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ صرف اوپر کرنا چاہئے نیچے کے بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

مدت مسح — شریح بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔
جعل رَسُولُ اللّٰہِ ثلاثۃ ایام ولیالیھن للمسافر ویوما ولیلۃ للمقیم (مسلم ص ١٣٥) — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کیلئے تین دن اور مقیم کیلئے ایک دن مقرر فرمایا۔

اس مضمون کی روایت حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
(ابن خزیمہ دار قطنی)

بعض ائمہ کے نزدیک مسح کی میعاد موزہ یا جراب پہننے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ' اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' کے نزدیک مدت مسح کا آغاز بے وضو ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت مسح کی ابتداء حدث کے بعد وقت مسح سے ہوتی ہے۔ امام احمد اور داؤد سے بھی یہ مروی ہے۔ ابن منذر

نے بھی اس کی کو اختیار کیا ہے اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے (المجموع ج ۱ ص ۴۸۷) حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ان پر مسح کیا جائے ایک دن اور ایک رات اس وقت سے لے کر جس وقت ان پر مسح کیا تھا۔ (مصنف عبدلرزاق ج ۱ ص ۲۰۷ تا ۲۰۹) علامہ البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (المسح علی الجوربین مترجم ص ۹۲) ابی بن عمارہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح کی میعاد غیر معینہ مدت تک ہے (ابوداؤد ص ۶۱ ابن ماجہ ص ۴۲) مگر وہ نہایت ضعیف ہے۔ تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ (ایک روایت کے مطابق) حضرت عمر رضی اللہ عنہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب تھا۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۱) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ مسح کی میعاد معین ہے (ایضاً ص ۲۰۲)

نیز یاد رہے ایک دن یا تین دن گزرنے کے بعد وضو یا مسح کی میعاد از خود ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وضو ٹوٹنے کے بعد ختم ہوتی ہے نووی رحمۃ اللہ علیہ ' ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ' ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ' ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ ' ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ' سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔
(المسح علی الجوربین مترجم ص ۹۳)

حنفیہ کے نزدیک موزوں پر مسح کرنے والے شخص کی اگر دوران نماز میں مدت مسح ختم ہوگئی تو نماز ٹوٹ جائے گی (ہدایہ ص ۹۱ نماز مسنون ص ۴۸۹)

وضو کے بعد مقام ستر پر پانی چھڑکنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا۔

یا محمد اذا توضات فانتضح (عن ابی ھریرۃ، ترمذی ص ٥٤ باب فی النضح بعد الوضوء)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وضو کرو تو پانی چھڑک لیا کرو۔

حکم بن سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ بال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا اور وضو کیا

ثم توضأ ونضح فرجه (ابوداؤد ص　اور اپنے ستر پر پانی چھڑکا۔
٦٥، نسائی ص ١٩، ابن ماجه ص ٣٦)

اس روایت کا ذکر مصنف عماد الدین نے بھی ص ۴۴ پر مجموعہ فتاویٰ مولنا عبدالحی ج ا ص ۹۶' ۹۷ کے حوالہ سے کیا ہے۔ اس مضمون کی چند اور روایات بھی ہیں جن میں سے ایک روایت کا ذکر مصنف نماز مسنون (ص ۹۷) نے بھی کیا ہے جو کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے (دار قطنی ج ا ص ااا مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸) ان سب روایتوں میں وضو کے بعد پانی چھڑکنے کا ذکر ہے' چنانچہ امام ترمذی نے باب بھی یہی باندھا ہے۔ مگر مصنف نماز مسنون حدیث نقل کرنے سے پہلے مسئلہ یوں بیان فرماتے ہیں' جب کوئی شخص استنجا کرتا ہے تو اسفل حصے پر پانی کے چھینٹے ڈالنا چاہئے تاکہ وسواس سے بچ جائے (بحوالہ شرح نقایہ ج ا ص ۴۹) حالانکہ زید بن حارثہ والی روایت میں سرے سے پیشاب کرنے کا ذکر ہی نہیں صرف وضو کا ذکر ہے جس کے بعد آپ ﷺ نے اسفل حصہ پر پانی چھڑکا۔ مصنف عماد الدین نے بھی حکم بن سفیان والی روایت کا ترجمہ یوں کیا ہے جب آپ ﷺ پیشاب کرتے تو اندام نہانی پر پانی چھڑکتے اور وضو کرتے تھے۔ حالانکہ یہ ترجمہ بالکل الٹ پلٹ ہے۔

مصنف نماز مسنون نے یہ جو فرمایا ہے تاکہ وسواس سے بچ جائے۔ بالکل بجا فرمایا ہے۔ عرصہ دراز تک پبلک کے سامنے ٹہل ٹہل کر ازار بند دانتوں تلے دبا کر وٹوانی پکانے والے فقیہوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

وضو کے بعد ذکر

نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد یہ کلمہ پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں　اشهدان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله (عن عقبه بن عامر مسلم ص ١٢٢) اس سے متصل اگلی روایت میں　وحده لا شريك له　کے الفاظ بھی ہیں۔ ترمذی میں

آگے یہ اضافہ بھی ہے۔

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین (عن عمر بن الخطاب ص ۵۸)	یااللہ مجھے رجوع کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں میں شامل فرما۔

مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح مسلم والی روایت نسائی ۲۱' ابن ماجہ ص ۳۶ اور ابوداوٗد ص ٦٦ میں بھی ہے مگر ابوداوٗد میں آگے یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

ثم رفع نظرہ الی السماء یعنی وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائے۔ مگر بقول منذری اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے (عون المعبود ص ٦٦) بہت سے لوگ نگاہوں کے ساتھ ساتھ شہادت کی انگلی بھی آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ اس کا ہرگز کہیں ثبوت نہیں ہے۔ نبی ﷺ سے وضو کے بعد ایک اور دعا کا ذکر ملتا ہے۔ سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک (عن ابی سعید خدری طبرانی تحفہ ص ۵۹) مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں تمام اعضائے وضو کیلئے الگ الگ دعائیں مذکور ہیں (ج ۱ ص ۹) گستاخی معاف یہ سب جعلی ہیں' حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جھوٹ اور بناوٹی قرار دیا ہے (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۹)

تاہم فتاویٰ رشیدیہ (حنفیہ) میں لکھا ہے۔

ان کی کوئی سند صحیح نہیں لیکن روایات قابل عمل ہیں (حصہ اول ص ۲۲ بحوالہ عماد الدین ص ٦۳) جیسے شریعت انہی کے ہاتھ میں ہو۔

وضو کے دوران باتیں عام طور پر مسجدوں میں تختی آویزاں ہوتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے وضو کرتے وقت باتیں کرنا منع ہے۔ مصنف عماد الدین نے بھی لکھا ہے وضو میں دنیا کی بات چیت منع ہے (ص ۵۹) اس مسئلہ کا کبھی کسی نے ثبوت

نہیں دیا۔ یہ پابندی خود ساختہ ہے۔

نواقض وضو

رفع حاجت اور ہوا کا خروج ٹٹی پیشاب کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ (مائدہ ٦) جب تم رفع حاجت سے فارغ ہو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اذا فسا احدکم فلیتوضا (عن علی بن طلق ترمذی ج٢ ص ٢٠٥) جب ہوا خارج ہو جائے تو وضو کرو۔

ابو داؤد میں یوں ہے۔

اذا فسا احدکم فی الصلوۃ فلینصرف فلیتوضا ولیعد الصلوۃ (ج١ ص ٨٣) تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو جا کر وضو کرے اور از سرنو نماز پڑھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا حدث ہو جائے تو بغیر وضو کئے نماز نہیں ہوتی۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا حدث سے کیا مراد ہے' تو فرمایا آواز یا بغیر آواز کے ہوا کا خروج (بخاری ص ٢٥)

حنفیہ نے ایک حدیث بنائی ہوئی ہے۔

قِيلَ لِرَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وما الحدث قال ما يخرج من السبيلين (ھدایہ ص ٧) آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا وضو کیسے ٹوٹتا ہے تو فرمایا قبل اور دبر سے جو نکلے۔

آگے لکھا ہے۔

کلمة ما عامة يتناول المعتاد وغيره ما عام ہے جو معتاد اور غیر متعاد دونوں کو

شامل ہے۔

یعنی ان کے نزدیک سبلین (قبل اور دبر) سے کوئی کیڑا یا سنگریزہ بھی خارج ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے (نماز مسنون ص ۸۲) صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

والدابة تخرج من الدبر ناقضة (ص ۱۰) جانور کا دبر سے نکلنا ناقض وضو ہے۔

بجائے دود (کیڑا) دابہ کا استعمال بتلایا ہے کہ شائد دبر سے ہاتھی اونٹ گھوڑے وغیرہ بھی نکل سکتے ہیں۔

حالانکہ سرے سے یہ حدیث ہی نہیں ہے۔ البتہ بخاری شریف ج ۱ ص ۲۹ میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے کہ اگر دبر یا ذکر سے کوئی کیڑا وغیرہ برآمد ہو تو وضو لوٹانا چاہیے۔ اس کے تحت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں نادر چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے الا یہ کہ اس کے ساتھ گندگی لگی ہو۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۸۰)

نیند حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كان اصحاب رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ينامون ثم يصلون ولا يتوضؤن (مسلم ص ۱۶۳)

صحابہ کرامؓ سو جاتے تھے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ثم اضطجع فنام حتى نفخ ثم اتاه المنادى فاذنه بالصلوة فقام معه الى الصلوة فصلى ولم يتوضأ (بخارى ص ۲۵)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ کر نیند میں خراٹے لینے لگے۔ پھر موذن نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ نماز کے لئے تشریف لے گئے

اور بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی۔

نیند ناقض وضو ہے یا نہیں اگر ہے تو کس صورت میں۔ علمائے کرام نے اس پر تقریباً نو مذہب نقل فرمائے ہیں (مثلاً شرح مسلم نووی ص ۱۶۳ عون المعبود ج ۱ ص ۸۲ وغیرہ) حنفیہ کا مذہب جیسا کہ ھدایہ ص ۹ میں بھی لکھا ہے لیٹ کر یا ٹیک وغیرہ لگا کر اگر سو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ قیام، قعود، رکوع اور سجود کی حالت میں نہیں ٹوٹے گا۔ دلیل یہ دی ہے۔

والاصل فیه قوله علیه السلام لا وضوء علی من نام قائمًا او قاعدًا او راكعًا او ساجدًا انما الوضو علی من نام مضطجعا فانه اذا نام مضطجعا استرخت مفاصله (عن ابن عباس بیهقی درایة)

نبی ﷺ نے فرمایا جب شخص قیام، قعود، رکوع یا سجود کی حالت میں سو جائے اس پر وضو نہیں ہے۔ وضو اس پر ہے جو لیٹ کر سو جائے۔ کیونکہ لیٹ کر سونے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

حاشیہ میں نصب الرایہ زیلعی حنفی کے حوالہ سے لکھا ہے۔
غریب بهذا اللفظ

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نبی ﷺ کو بحالت سجدہ نیند میں خراٹے لیتے دیکھا پھر اٹھ کر آپ ﷺ نماز پڑھنے چلے گئے۔ میں نے عرض کیا آپ ﷺ سو گئے تھے تو فرمایا وضو لیٹ کر سونے سے واجب ہوتا ہے کیونکہ لیٹ کر سونے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں (ترمذی ص ۸۰، ابو دؤاد ص ۸۰)

یہ راویت بھی حد درجہ ضعیف ہے۔ احناف نے اسے خواہ مخواہ صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک راویت آتی ہے نبی ﷺ نے فرمایا۔

وكاء السه العينان فمن نام فليتوضا (ابوداؤد ص ۸۱)

دبر کا پہرہ آنکھوں سے ہے۔ جو سو جائے وہ وضو کرے۔

اس مضمون کی ایک راویت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی آتی ہے (دارمی مشکوۃ ص ۶۵) یہ بھی دونوں ضعیف ہیں۔ حقیقت یہ ہے نیند کے نواقص وضو میں سے ہونے کی کوئی صحیح راویت نہیں ملتی۔ حنفیہ کا یہ کہنا کہ انسان لیٹ کر سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے نماز جیسی حالتوں میں سو جانے سے نہیں ٹوٹتا کسی صحیح حدیث پر مبنی نہیں ہے۔ یقین کیجئے لیٹنے کی بہ نسبت سجدہ کی حالت وضو ٹوتنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فتوی ہے (بحوالہ عماد الدین ص ۷۴)

صحیح بات یہ ہے کہ نیند بذات خود ناقص وضو نہیں ہے البتہ جیسا کہ ضیعف راویات میں بھی آتا ہے کہ نیند کی حالت میں استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے اور اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رہتا اس لئے احتمال ہوتا ہے کہ کہیں بے خبری میں ہوا خارج نہ ہو گئی ہو۔ لہذا از سر نو وضو کر لینا چاہیے۔ صاحب سبل السلام لکھتے ہیں۔

الاقرب القول بان النوم المستغرق الذی لا یبقی معہ ادراك ناقض (ج۱ ص ٦٠ عون ص ۸۲)

زیادہ صحیح مسلک یہ ہے کہ اتنی گہری نیند کہ ذرا بھی ہوش نہ رہے ناقض وضو ہے۔

اس قول کی رو سے وضو ٹوٹنے کے لئے نیند کا گہرا ہونا ضروری ہے' چاہے سونے والا کسی بھی حالت میں ہو لیٹا ہوا یا بیٹھا ہو ہو۔

بات یہ ہے کہ نیند کی حالت میں وضو اگر محفوظ رہ سکتا ہے تو وہ صرف اپنے بوجھ پر بیٹھنے کی حالت میں ہے اور کوئی حالت نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی بیٹھ کر نماز کے انتظار میں اونگتے تھے۔ رکوع و سجود میں بھی اس سے مستثنٰی سمجھ لینا

حقائق کے منافی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ والی اس راویت پر امام مسلم نے یوں باب باندھا ہے۔ باب الدلیل علی ان نوم الجالس لا ینقض الوضوء یعنی اس بات کی دلیل کہ بیٹھ کر سونا ناقص وضو نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں اوپر جو بیان ہوا ہے کہ آپ لیٹ کر سو گئے پھر بھی وضو نہ دہرایا تو اس کی وجہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا۔ صاحب سبل السلام نے گہری نیند کی جو بات کی ہے وہ بھی مدنظر رہنی چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی لیٹ کر سرسری نیند سو جاتا ہے تو ایسی نیند بھی ناقض وضو نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

بیہوشی بیہوشی میں چونکہ وضو ٹوٹنے کا امکان نیند سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے اس لئے یہ بھی نواقض وضو میں شمار ہوتی ہے۔

مس ذکر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

من مس ذکرہ فلا یصل حتی یتوضا (عن بسرۃ بنت صفوان ترمذی ص ۸۵، ابوداؤد ص ۷۱، نسائی ص ۲۲، موطا امام مالک ص ۴۱)

جو اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے وہ بغیر وضو کے نماز نہ پڑھے۔

فرمایا۔

اذا افضی احدکم بیدہ الی فرجہ ولیس بینھا ستر ولا حائل فلیتوضأ (عن ابی ھریرۃ مستدرک حاکم، مسند احمد ج۲ ص ۳۳۳ وغیرہ)

اگر کوئی شخص بغیر کسی حائل شی کے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے تو وضو کرے۔

بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے الفاظ اس طرح ہیں فقد وجب علیہ وضو الصلوۃ (اس پر نماز والا وضو واجب ہو جاتا ہے)

اس مضمون کی روایات ابن ماجہ، دار قطنی، بزار طبرانی، کتاب الام، ابن

خزیمہ' ابن حبان وغیرہ میں کئی ایک صحابہ سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد ہو یا عورت بغیر کسی حائل شے کے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائیں تو انہیں از سر نو وضو کرنا چاہیے۔ بے شمار صحابہ کرام اور تابعین عظام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور مشہور قول کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے (ترمذی ص ۸۵۔ کتاب الاعتبار حازمی ص ط۴ بحوالہ تحفہ ص ۸۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مس ذکر سے وضو کا ذکر مئوطا امام مالک میں بھی موجود ہے (ص ۱۵)

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔

هل هوالا مضغة منك او بضعة منك (عن طلق بن علی نسائی ص ۲۳، ابوداؤد ص ۷۲، ترمذی ص ۸۲ وہ تو تیرے جسم کا ایک حصہ ہی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کئی صحابہ کرام بعض تابعین اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے (ترمذی ص ۸۶)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی فرماتے ہیں طرفین کے دلائل پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ نقض وضو کے دلائل بہ نسبت رخصت کے زیادہ بھی ہیں اور قوی بھی نیز یہ کہ رخصت کی احادیث پہلے کی ہیں ------ نقض وضو کا مسلک زیادہ محتاط ہے۔ یہ اگرچہ خلاف قیاس ہے لیکن جب حدیث آگئی تو مجال انکار نہیں۔ گو بہت سے بزرگ صحابہ رخصت کے قائل ہیں لیکن مرفوع روایات کے بعد ان کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے ان صحابہ کرام کو صرف طلق بن علی والی حدیث پہنچی ہو یا ناسخ احادیث نہ پہنچی ہوں۔ اگر پہنچ جاتیں تو ان کا بھی یہی قول ہوتا جیسا کہ رکوع میں تطبیق کا مسئلہ بالاتفاق منسوخ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ باوجودیکہ ملازم صحبت تھے اس سے بے خبر تھے اور وہ آخر تک تطبیق پر عمل پیرا رہے (سعایہ شرح وقایہ تحفہ ص ۸۷)

یاد رہے کہ طلق بن علی رخصت کے راوی ہیں ان سے نقض وضو کی راویت بھی آتی ہے (کتاب الاعتبار حازمی ص ۴۵' ۴۶) نیز حازمی نے طلق کی پہلی

راویت کو منسوخ فرمایا ہے (بحوالہ تحفہ ص ۸۷)

جنازہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

من غسله الغسل ومن حمله الوضوء (عن ابی هريرة ترمذی ج۲ ص ۱۳۲، ابوداؤد ج۲ ص ۱۷۲)

جو میت کو غسل دے اس کے ذمے غسل اور جو اٹھائے اس کے ذمے وضو ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے مگر یہ بالکل ضعیف ہے۔ حضرت عائشہؓ سے راویت ہے۔

ان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کان یغتسل من اربع الجنابة ویوم الجمعة ومن الحجامة ومن غسل المیت (ابوداؤد ج۱ ص ۱۳۷)

آنحضرت ﷺ چار چیزوں سے غسل فرماتے تھے۔ جنابت سے اور جمعہ کے دن اور سنگی لگوانے سے اور میت نہلانے سے۔

یہ بھی ضعیف ہے۔ اس بارے میں کوئی صحیح راویت نہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ (مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اس کے قائل تھے۔

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے مروی ہے میت پاک ہوتی ہے اس کے نہلانے سے تم پر غسل واجب نہیں۔ ہاتھ دھو لیا کرو (بیهقی)
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے میت کو نہلا کر ہم میں سے کوئی نہا لیتا تھا کوئی نہیں نہاتا تھا (تلخیص الجیرج ا ص ۱۳۸)

حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے اپنے شوہر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر موقع پر موجود مہاجرین و انصار سے پوچھا سردی بہت ہے۔ میرے ذمہ غسل تو نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (موطا امام مالک ص ۷۷)

ان صحیح روایات کی بنا پر میت کو غسل دینے سے غسل کو تقریباً کوئی بھی

ضروری نہیں سمجھتا۔ البتہ امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وضو واجب احمد بن حنبل نے قدرے واجب (اقل ماقیل) کہتے ہیں (ترمذی ص ۱۳۲) صحیح بات یہ ہے کہ وضو کو بھی مستحب ہی کہنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ہاتھ دھو لینا بھی کافی ہے۔

خون نکلنا خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حنفیہ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔ ہدایہ کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ولنا قوله عليه السلام الوضوء من كل دم سائل (ص ۸)

ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ہر بہنے والے خون سے وضو ہے۔

یہ روایت عن عمر بن عبدالعزیز عن تمیم داری دار قطنی میں موجود ہے۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے تمیم راوی کو دیکھا نہ ان سے کچھ سنا نیز اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد دو راوی مجہول ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۵۷ مشکوۃ ص ٦٧)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی (درایہ)

(۲) وقوله عليه السلام من قاء او رعف في صلوته فلينصرف وليتوضاء وليبن على صلوته مالم يتكلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں قے یا نکسیر کی شکایت ہو جائے وہ لوٹ کر وضو کرے جب تک کہ کلام نہ کرے۔

یہ حدیث اصل میں اس طرح ہے۔

من اصابه قئ او رعاف او قلس او مذی فلينصرف فليتوضاء ثم ليبن

قے نکسیر یا کھٹا ڈکار یا مذی نکلے تو لوٹ کر وضو کرے اور اپنی سابقہ نماز پر بنا

علی صلوته وهو فی ذلك لا يتكلم — کرے بشرطیکہ اس دوران میں کلام نہ کرے۔

یہ حضرت عائشہؓ سے ابن ماجہ ص ۸۵ اور دار قطنی ج ۱ ص ۸۵ میں مروی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف بھی ہے اور مرسل بھی (درایہ)

(۳) قوله عليه السلام ليس فی القطرة والقطرتين من الدم الا ان يكون سائلا — نبی ﷺ نے فرمایا خون کے ایک دو قطرے نکلنے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ ہاں اگر خون بہنے لگے تو وضو واجب ہو جائے گا۔

یہ دار قطنی ج ۱ ص ۱۵۷ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اور ضعیف ہے (درایہ) اس میں تین راوی ضعیف ہیں (دار قطنی ج ۱ ص ۱۵۷)

مصنف نماز مسنون نے اپنی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نقل کیا ہے۔ كان اذا رعف انصرف فتوضا (ص ۸۳ جب انہیں نکسیر پھوٹتی تو جا کر وضو کرتے۔ موطا امام مالک ص ۱۳)

حالانکہ موطا امام مالک میں اس کے متعلق اور بھی کچھ لکھا ہے دیانتاً اسے بھی بیان کرنا چاہیے تھا۔ مثلاً اس سے متصل آگے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھا ہے۔

كان يرعف فيخرج فيغسل الدم ثم يرجع — انہیں نکسیر پھوٹتی تو وہ خون دھو کر آجاتے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک روایت تو یہ لکھی ہے کہ انہیں نماز میں نکسیر پھوٹی تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں جا کر انہوں

نے وضو کیا۔ اگلی روایت اس طرح ہے کہ انہیں نکسیر پھوٹتی ناک سے اتنا خون نکلتا کہ ان کی انگلیاں رنگین ہو جاتیں پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے۔ اس سے آگے بعینہ یہی مضمون حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ ان روایات میں ثابت ہوا نکسیر پھوٹنے سے اگر کوئی وضو کرے تو اسے اجازت ہے ضروری بہرحال نہیں ہے۔ مذکورہ آخری دو حوالے حنفی مسلک کے صریحاً خلاف ہیں۔ موطا امام مالک کے حنفی محشی اس کی تاویل شریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فھذا محمول علی الدم غیر السائل یہ نہ بہنے والے خون پر محمول ہے۔

حالانکہ ان روایات میں صاف مذکورہ ہے کہ ان کی ناک سے اتنا خون نکلتا کہ انگلیاں رنگین ہو جاتیں۔ ثابت ہوا تقلید کوئی اچھی سوغات نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب نماز مسنون نے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۷ کے حوالے سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے۔

کان لا یری الوضوء من الدم الا ما کان سائلا (ص ٨٤) وہ صرف بہنے والے خون سے وضو واجب سمجھتے تھے۔

حالانکہ بخاری شریف میں باب من لم یری الوضو الا من المخرجین کے تحت لکھا ہے۔

وقال الحسن ما زال المسلمون یصلون فی جراحاتھم حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں سمیت نمازیں پڑھتے رہے۔

افسوس کہ بخاری شریف کے حنفی محشی نے اس کی بھی تاویل کر ڈالی۔ فرماتے ہیں۔

ای من غیر سیلان الدم (ص ٢٩) یعنی بغیر خون بہنے کے۔

معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں دشمن بہت رحمدل ہوتے تھے۔ ایسے زخم نہیں لگاتے تھے کہ خون اپنی جگہ سے بہہ نکلے۔

بخاری شریف میں ہے۔

وقال ابن عمر والحسن فی من احتجم لیس علیہ الا غسل الدم (ص ۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں فصد لگوانے والے کو صرف خون دھولینا کافی ہے۔

یہاں حنفی محشی بالکل خاموش ہیں۔ مصنف نماز مسنون نے بھی اس کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ جیسے اس سطر پر ان شیوخ الحدیث کی نظر نہیں پڑی۔

حنفیہ کے نزدیک پچھنایا جونک لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ بدن پر خون کا نشان نہ ہو (نماز مسنون ص ۸۴ شرح وقایہ ج ۱ ص ۶۸)

والدم والقیح اذا خرجا من البدن فتجاوزا الی موضع یلحقہ حکم التطہیر (ھدایۃ ص ۷)

خون اور پیپ بدن سے نکل کر اگر تندرست جگہ پر پہنچ جائے تو ناقص وضو ہے۔

خون پیپ ریم صرید (پتلا زرد پانی) جسم کے کسی حصے سے خارج ہو کر بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (نماز مسنون ص ۸۳) خون یا رطوبت آنکھ یا کان کی پھنسی سے نکلے یا تھوک کے ذریعے نکلے یا انجکشن لگانے سے نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے (ملخص از نماز مسنون ص ۸۴)

بخاری شریف میں ہے۔

قال طاؤس ومحمد بن علی وعطاء واھل الحجاز لیس فی الدم وضو (ص ۲۹)

یعنی ان سب کے نزدیک خون ناقص وضو نہیں ہے۔

اس کے حاشیہ پر حنفی محشی نے علامہ عینی رحمہ اللہ کے حوالے سے وہی گھسا پٹا

جواب دیا ہے یعنی کہ۔

لانه لا يدل على الدم السائل

اس سے بہنے والا خون مراد نہیں

پھر لکھا ہے۔

ولئن سلمنا فابو حنيفه يقول التابعون رجال يزاحمونا ونزاحمهم

اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ اس سے بہنے والا خون مراد ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تابعی آدمی ہی تو ہیں ان کا قول ہمارے مخالف اور ہمارا قول ان کے مخالف ہو سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تابعی کا عمل حجت نہیں۔ حالانکہ یہ محشی بھی اور مصنف نماز مسنون بھی اپنی حمایت میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کر چکے ہیں تو کیا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی نہیں ہیں۔ جب تابعی کا قول اپنے مسلک کے مطابق ہو تو حجت ہو جائے اور جب خلاف ہو تو اصول بدل جائے۔ چت بھی میری پٹ بھی میری۔

پھر یہاں صرف تابعین کی بات نہیں صحابہ کرام کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عصر ابن عمر بثرة فخرج منها دم فلم يتوضا وبزق ابن ابي اوفى دما فمضى فى صلوته

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پھنسی نچوڑی اس سے خون نکلا اور وضو نہ کیا ابن ابی اوفی نے خون تھوکا اور نماز جاری رکھی۔

قبل ازیں لکھا ہے۔

ويذكر عن جابر ان النبى صَلَّى اللهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان في غزوة ذات الرقاع فرمى رجل بسهم فنزفه الدم فركع وسجد ومضى في صلوته	ذات الرقاع میں نبی ﷺ کی موجودگی میں ایک آدمی کو تیر لگا جس سے اس کا خون بہہ نکلا۔ اسی حالت میں اس نے رکوع و سجود کیا اور نماز جاری رکھی۔

جبری طلاق کے مسئلہ پر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب ستر کوڑے لگائے گئے تو پھر وہ اسی طرح خون آلود کپڑوں سمیت مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے۔ پشت مبارک سے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی (حیات مالک ص ۵۸ از سید سلیمان ندوی) یہ ماجرا دیکھ کر بعض لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت آپ کے بدن سے خون جاری ہے۔ کپڑے اور بدن لت پت ہے۔ کیا ایسے حال میں نماز جائز ہے۔ آپ نے فرمایا جبکہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ پر حجاج بن یوسف نے ظلم کے پہاڑ توڑے تو انہوں نے اسی خون آلود کپڑوں اور جاری خون کی حالت میں دوگانہ ادا کیا تھا بناء علیہ ان کی اقتداء میں ہم نے بھی دوگانہ ادا کیا ہے۔ ممکن ہے عند اللہ یہی نماز عمر بھر کی نمازوں سے افضل و مقبول ہو جائے۔ (علمائے ربانیین ص ۳۲ از حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ)

احناف کے نزدیک دم مسفوح خمر (شراب) بول و براز کتے کا پاخانہ سب نجاست غلیظہ میں داخل ہیں۔ (نماز مسنون ص ۱۶۹ شرح نقایہ ج ا ص ۴۵) یعنی ان کے نزدیک خون اور شراب اسی طرح نجس غلیظ ہیں جیسے انسان یا کتے کا پاخانہ۔ اس بات کی دلیل میں نے ان کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ صرف کسی چیز کا حرام ہونا اس کے نجس ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مثلاً انسان اور خنزیر کے سوا کسی بھی حرام جانور کو ذبح کیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس کا گوشت اور کھال پاک ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۷۴) بلکہ ان کے سمیت نماز بھی جائز ہے (ہدایہ اولین ص ۱۹، ۲۰) جہاں تک خمر (شراب) کا تعلق ہے اس کا استعمال بھی ان کے نزدیک کئی طرح سے جائز ہے۔ مثلاً

لوصب الخل في الخمر يوكل سواء كانت الغلبة للخمر اوللخل بعد ما صار حامضا (فتاوى عالمكيرى ج٥ ص ٤١٠)

اگر شراب میں سرکہ ڈال لیا جائے تو اسے کھا لیا جائے خواہ شراب غالب ہو یا سرکہ۔ ترش ہونے کے بعد

وإذا طرح الخمر في سمك او ملح اوخل وربى حتى صار حامضا فلا باس به (ايضًا ص ٤١١)

مچھلی یا نمک یا سرکہ میں شراب ڈال دی جائے۔ پھر ترش ہونے کے بعد اس کا استعمال جائز ہے۔

وإذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلا بنفسها او بشئ يطرح فيها ولا يكره تخليلها (هدايه اخيرين ص ٤٢٢)

شراب از خود یا کوئی چیز ملانے سے سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو حلال ہو جاتی ہے۔ شراب کو سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے شراب جو حنفیہ کے نزدیک پاخانے اور پیشاب کی مانند نجس غلیظ ہے اس کا استعمال ان کے نزدیک کئی حیلوں اور بہانوں سے جائز ہے۔ یہ مسئلہ بذات خود اتنا نجس غلیظ ہے کہ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اب اگر یہ بھائی کہیں کہ خون کے قطرات بہہ نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ نجس غلیظ ہے اس کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے گزرا حنفیہ نے خود ہی ایک حدیث بنائی کہ ما يخرج من السبيلين سے وضو ٹوٹ جاتا ہے پھر خود ہی اس کا لحاظ نہ رکھ سکے۔ فما فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا دو حرف کا ما انہیں یاد رہ گیا ہے کہ یہ عام ہے یعنی سبیلین سے چاہے کیڑا یا سنگریزہ بھی نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے چھ حروف کا سبیلین ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا کہ ان کے نزدیک کئی سبل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے نیز گزارش ہے جیسا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اوپر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ تابعین رجال ہیں ہم ان سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ میں اہل تقلید سے پوچھتا ہوں کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رجال میں سے نہیں ہیں کہ ان سے

اختلاف نہیں کیا جا سکتا؟

قے آنا حضرت عائشہؓ سے راویت گزری ہے من اصابہ قئی ------ فیلتوضاء ----- جسے قے آئے اسے وضو کرنا چاہیے۔ اس کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ معدان بن ابو طلحہ حضرت ابو درداء سے روایت کرتے ہیں۔

ان رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قاء فتوضا کہ نبی ﷺ کو قے آئی پس آپ ﷺ نے وضو کیا۔

پھر کہتے ہیں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے اس روایت کا ذکر کیا تو کہنے لگے ابو درداء نے سچ کہا ہے میں نے ہی حضور ﷺ کو وضو کروایا تھا (ترمذی ج ۱ ص ۸۹) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ و تابعین میں سے متعدد اہل علم نیز سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ' اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک منہ بھر کر قے آئے تو ناقص وضو ہے (ہدایہ ج ۱ ص ۷)

صحیح بات یہ ہے کہ نکسیر کی طرح قے بھی ناقص وضو نہیں ہے۔ ابو درداء والی حدیث میں نقض وضو کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں صرف اتنا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے قے کے بعد وضو کیا۔ ہو سکتا ہے پہلے آپ ﷺ وضو سے نہ ہوں۔ نیز اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ یہی حدیث دوسرے مقامات میں یوں ہے قاء فافطر یعنی آپ ﷺ نے قے کی اور روزہ افطار کیا۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۳۔ ترمذی ج ۲ ص ۴۴۔ تلخیص الجیر بحوالہ اصحاب السنن الثلاثۃ ابن الجارود ابن حبان دار قطنی بیھقی طبرانی ابن مندہ بلکہ شرح الاثار طحاوی میں بھی بحوالہ تحفہ الاحوذی ج ۱ ص ۸۹)

قہقہہ صرف حنفیہ کے نزدیک، نماز میں قہقہہ لگانا موجب نقض وضو ہے۔ ہدایہ

میں لکھا ہے۔

والقهقهة فی صلوة ذات رکوع وسجود .... لنا قوله علیه السلام الا من ضحك منکم قهقهة فلیعد الوضوء والصلوة جمیعا وبمثله یترك القیاس (ص ۱۰)

رکوع سجود والی نماز میں قہقہہ لگانا ناقص وضو ہے۔ ہماری دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ خبردار تم میں جو قہقہہ لگائے وہ وضو اور نماز دونوں کو لوٹائے اس جیسے حکم کے مقابلے میں قیاس متروک ہوتا ہے۔

جس حدیث کی طرف مصنف ہدایہ نے اشارہ کیا ہے اس کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے الحدیث المشهور المعمول به۔ اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے ایک شخص جس کی نظر کمزور تھی مسجد میں داخل ہوا تو گڑھے میں گر پڑا تو بہت سے نمازی ہنس پڑے۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا جو ہنسے ہیں وہ وضو اور نماز لوٹائیں (طبرانی' دار قطنی ج ا ص ۱۶۱ وغیرہ)

یہ قصہ بالکل ضیعف ہے۔ امام دار قطنی نے اس کا زبردست ضعف ثابت کیا ہے۔ خود محشی ہدایہ نے بھی اسے مرسل تسلیم کیا ہے۔ ایسی شاذ روایت کو مشہور معمول حدیث کہنا اور اس کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دینا حنفیہ کا حدیث سے "محبت" اور قیاس سے "نفرت" کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اگر وضو قائم نہ رہتا ہو جس کا کنٹرول سسٹم جواب دے جائے اور کسی طرح اسے اپنے آپ پر قابو نہ رہتا ہو۔ مثلاً اس کی ہوا خارج ہوتی رہتی ہے یا مسلسل پیشاب نکلتا رہتا ہے یا بواسیر کی شکایت ہے یا عورت کو استحاضہ یا لیکوریا کی بیماری لاحق ہے تو ان صورتوں میں مسئلہ یہ ہے کہ ایک نماز کے لئے ایک بار وضو کر لینا کافی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا کو استحاضہ کی تکلیف تھی۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا۔

توضئي لكل صلوة (عن عائشة ترمذی ص ۱۱۸)

ہر نماز کے لئے وضو کرو۔

حنفیہ کہتے ہیں۔

يتوضؤن لوقت كل صلوة فيصلون بذلك الوضوء فى الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل ... لنا قوله عليه السلام المستحاضة تتوضا لوقت كل صلوة (هدايه ص ٤١)

یہ ہر وقت نماز کے لئے وضو کریں پھر اس وضو کے ساتھ ایک وقت نماز میں جتنے مرضی فرائض اور نوافل پڑھ لیں۔ ـ ـ ـ ـ ہماری دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ استحاضہ والی عورت ہر وقت نماز کے لئے وضو کرے۔

یہ روایت شرح مختصر طحاوی میں امام ابو حنیفہ کی سند کے ساتھ ہے جو اس میں متفرد ہیں اور جنہیں حافظ ابن عبدالبر نے کمزور حافظے والا قرار دیا ہے (تحفہ ص ۱۱۸) امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں غریب جدا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لم اجده (درایہ)

❄❄❄

غسل جنابت

اگر غسل واجب ہو تو نماز سے پہلے نہا لینا چاہیئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ غسل جنابت کے لئے اولاً ہاتھ دھو کر نماز والا وضو فرماتے پھر پانی میں اپنی انگلیاں بھگو کر بالوں کی جڑوں کا خلال فرماتے پھر اپنے سر مبارک پر پانی کے تین چلو ڈالتے اور اپنے سارے جسم اطہر پر پانی بہا لیتے (بخاری ص ۳۹ مسلم ص ۱۴۷ موطا ص ۱۵)

عورتوں نے اگر سر کے بال گوندے ہوئے ہوں تو انہیں کھولنا ضروری نہیں۔ نبی ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا۔

انما يكفيك ان تحثي على راسك ثلاث حثيات ثم تفيضين عليك الماء فتطهرين (مسلم ص ۱۵۰)

تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال کر سارے جسم پر پانی بہا لو تو تم پاک ہو جاؤ گی۔

صاحب سبل السلام لکھتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے کہ غسل جنابت یا غسل حیض کے لئے عورت کا بالوں کو کھولنا ضروری نہیں نہ ہی یہ شرط ہے کہ ضرور بالوں کی جڑوں تک پہنچے (جزء اول ص ۸۸)

اگر بال گندھے ہوئے نہ ہوں تو پھر بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا لازمی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت اسماء سے غسل حیض کے بارے میں فرمایا۔

ثم تصب على راسها فتدلكه دلكا شديدا حتى تبلغ شؤن راسها (عن عائشة مسلم ص ۱۵۰)

پھر وہ اپنے سر پر پانی ڈال کر اتنا ملے کہ سر کی تہہ تک پہنچ جائے۔

گوندھے ہوئے بالوں کو نہ کھولنے کی یہ رعایت صرف عورتوں کے لئے ہے لمبے بالوں والے مردوں کے لئے نہیں۔ ہاں اگر بال مکمل طور پر بھیگ جائیں اور

پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے تو پھر مردوں کے لئے بھی بالوں کا کھولنا ضروری نہیں۔ یاد رہے جسم پر مٹی یا روغن کی تہہ جمی ہو یا آٹا وغیرہ چمٹا ہو یا نیل پالش لگی ہو تو ان صورتوں میں وضو یا غسل صحیح نہیں ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا من النار قال علي فمن ثم عاديت راسي فمن ثم عاديت راسي فمن ثم عاديت راسي (ابوداؤد ص ۱۰۳)

جو جنبی غسل میں ایک بال کی جگہ بھی چھوڑ دے جہاں پانی نہ پہنچا ہو اسے اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی۔ اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی۔ (یعنی بال اتروا دیئے)

یاد رہے غسل جنابت اور غسل حیض میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ کا سوال غسل حیض دونوں کے بارے میں تھا (ص ۱۵۰) بعض لوگ غسل حیض کے لئے بالوں کا کھولنا ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج میں حضرت عائشہؓ کو بوجہ حیض ارشاد فرمایا تھا۔

انقضي رأسك وامتشطي (مسلم ص ٣٨٦)

اپنے سر کے بال کھولو اور کنگھی کرو۔

حالانکہ یہ بالوں کا کھولنا اور نہانا وغیرہ اس غسل کے لئے نہیں تھا جو حیض سے فارغ ہونے کے بعد کیا جاتا ہے بلکہ یہ تو حج کے دوران حیض میں ہی صفائی اور ستھرائی کے لئے تھا جس کی حیثیت صرف استحباب کی ہو سکتی ہے۔

نہانے کے بعد وضوء معلوم ہونا چاہیئے اگر پہلے وضو کر لیا ہو تو نہانے کے

بعد دوبارہ وضو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان لا یتوضا بعد الغسل (عن عائشة ترمذی ص ۱۰۹)

نبی ﷺ نہانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

احناف اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ غسل کرنا ہو تو الگ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ پہلے نہ بعد میں کیونکہ غسل کے بیچ میں وضو آ ہی جاتا ہے۔ مگر یہ استدلال درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ بعد میں وضو اس لئے نہیں کرتے تھے کہ آپ پہلے وضو کر چکے ہوتے تھے بلکہ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پاؤں کے علاوہ باقی وضو کرنے کے بعد غسل فرمایا اور پھر آخر میں ایک طرف ہٹ کر پاؤں مبارک کو دھویا (عن میمونہؓ بخاری ص ۳۹)

حنفیہ کہتے ہیں۔

اذا اصاب الرجل المطر او وقع فی نهر جار جاز وضوه وغسله ایضا ان اصاب الماء جمیع بدنه وعلیه المضمضة والاستنشاق (عالمکیری ج۱ ص ٦)

آدمی پر بارش ہو جائے یا وہ نہر میں گر پڑے تو اس کا وضو ہو گیا۔ اگر سارا بدن بھیگ گیا تو غسل بھی ہو گیا اب اس کے ذمے صرف کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ہے۔

بلکہ ان کے نزدیک "غسل کر لینے سے پہلے وضو کر لیا یا صرف غسل ہی کیا اور سر پر مسح کر لیا تو بعد غسل کے دوبارہ وضو کرنا خلاف سنت ہے" (نماز مسنون ص ۱۰۲)

عرض ہے کہ جب غسل کے بیچ میں وضو آ ہی جاتا ہے تو پھر سر پر مسح کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ یہ غالباً مرتب نماز مسنون کی اپنی اپج معلوم ہوتی ہے۔ خیر اگر غسل کے بعد نماز پڑھنی ہو اور شروع میں وضو کرنے کے بعد دوران غسل میں وضو ٹوٹ نہ گیا ہو تو اسی وضو سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اگر

ٹوٹ گیا ہو تو نہانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔ سالم بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو غسل کے بعد وضو کرتے دیکھا۔ میں نے پوچھا اباجان کیا غسل وضو سے کفایت نہیں کرتا تو فرمایا کیوں نہیں لیکن بسا اوقات میرا ہاتھ شرمگاہ کو لگ جاتا ہے اس لئے وضو کر لیتا ہوں۔ (موطا امام مالک ص ۱۵)

مصنف نماز مسنون نے تو غسل کے بعد وضو کو خلاف سنت فرمایا ہے لیکن نماز حنفی مدلل میں حضرت عائشہ والی مذکورہ بالا روایت کے تحت لکھا ہے "یعنی غسل کے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے (نبی ﷺ) وہی کافی سمجھتے تھے۔ اگر کسی شخص کا ہاتھ غسل کرتے ہوئے شرمگاہ کو لگ جائے تو بعد غسل کے احتیاطاً وضو کر لے تو بہتر ہے" (ص ۶۴)

غسل کب واجب ہوتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا

إذا جلس بين شعبها الا ربع ومس الختان الختان فقد وجب الغسل (یعنی) دخول سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(عن عائشة مسلم ص ١٥٦)

اس مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے (بخاری ص ۴۳۔ مسلم ص ۱۵۶) ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں وان لم ينزل (مسلم ص ۱۵۶) اگرچہ انزال نہ بھی ہو۔ حنفیہ کے نزدیک مردہ عورت کے ساتھ یا نابالغ بچی کے ساتھ یا ہیجڑے کے ساتھ یا کپڑا لپیٹ کر جوان عورت کے ساتھ جماع کیا جائے تو جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵)

احتلام احتلام کی صورت میں مادہ خارج ہو تب بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔ خواب کی یہ کیفیت چاہے مرد پر طاری ہو یا عورت پر (عن ام سلیم۔ مسلم ۱۴۵)

حیض عورت حیض سے فارغ ہو تب بھی اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے (عن

عائشہ بخاری ص ۴۵، مسلم ص ۱۵۰ ابو داؤد ص ۱۲۴)

مدت حیض حنفیہ کے نزدیک مدت حیض تین سے دس اور شافعیہ کے نزدیک ایک سے پندرہ یوم تک ہے (ہدایہ ص ۳۷) عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی شافعیہ کے موافق ہے (بخاری ص ۴۷) کوئی صحیح حدیث ان اقوال کی تائید میں نہیں۔ یہ مدت دراصل اپنے اپنے خاندان اور علاقے کی وجہ سے کم و پیش ہوتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

لا وقت لقليل الحيض ولا لكثيره الا ما يوجد في النساء (تفسير قرطبی ج۳ ص ۸۳)

حیض کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی مدت متعین نہیں یہ عورتوں کا اپنا اپنا حساب ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شریح رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہاں تک مروی ہے۔

ان جاءت بينته من بطانة اهلها ممن يرضى دينه انها حاضت ثلاثا في شهر صدقت (بخاری ص ٤٧)

کسی عورت کے اہل خانہ میں سے کوئی متدین گواہی دیدے کہ اس نے ایک مہینہ میں تین حیض گزارے ہیں تو تصدیق کی جائے گی۔

حیض سے فارغ ہونے کے بعد عورت کو نہا کر نماز پڑھنی چاہیے۔

قبل از غسل مقاربت جہاں تک مجامعت کا تعلق ہے یہ قبل از غسل جائز ہے یا نہیں یہ مسئلہ ذرا قابل غور ہے اکثر اہل علم اور ائمہ ثلاثہ جائز نہیں سمجھتے کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ

اور مت قریب جاؤ ان کے یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔ پس جب پاک ہو

فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ (بقرة:۲۲۲)

جائیں تو آؤ ان کے پاس جہاں سے اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے۔

یہ لوگ طہر سے مراد انقطاع دم اور تطہر سے مراد غسل لیتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک دس یوم کے اندر اندر اگر حیض آنا بند ہو جائے اور پھر کسی نماز کا وقت ہو جانے کے بعد اتنا وقت گزر جائے کہ نہا کر نماز شروع کر سکتی تھی تو قبل از غسل بھی مجامعت جائز ہے (ہدایہ ص ۳۹) حنفی مسلک اقرب الی الصحت معلوم ہوتا ہے۔ اول الذکر مسلک کی بنیاد کسی نص صریح پر نہیں بلکہ صرف تطہر کی تفسیر پر ہے۔ تطہر کے معنی ضروری نہیں کہ نہانا ہی ہو۔ المنجد میں تطہر اور اطہر کے معانی تنزہ عن الا دناس (وہ میل کچیل سے صاف ہوا) اور اغتسل (وہ نہایا) دونوں طرح سے کئے گئے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تطہر سے اچھی طرح استنجا کرنا بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ہے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبه:۱۰۸)

اس میں ایسے آدمی ہیں جو پسند کرتے کہ پاک رہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں تطہر سے مراد غسل نہیں بلکہ پانی کے ساتھ استنجا کرنا ہی مراد ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ اور طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں حیض رک جانے کے بعد عورت اپنے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے البتہ اسے وضو کر لینا چاہئے۔ (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۸۸) اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے بوجہ جنابت عورت پر غسل واجب ہو اس حالت میں وہ نماز تو نہیں پڑھ سکتی۔ لیکن اس حالت میں مجامعت منع نہیں ہے۔

حنفیہ نے اپنے مسلک کی تائید میں یہ دلیل دی ہے۔

لان الصلوة صارت دينا فى ذمتها

اس لئے کہ نماز اس کے ذمہ قرض ہو

فطهرت حكما (هداية ص ٤٠) گئی تو گویا وہ حکماً" پاک ہو گئی۔

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

لان الشارع اوجب عليها الصلوة وهو لا توجد بدون الطهارة فكانها طاهرة

اس لئے کہ شارع نے اس پر نماز واجب کی ہے اور یہ طہارت کے بغیر نہیں پائی جاتی تو گویا وہ پاک ہی ہے۔

اس دلیل سے اتفاق کرنا ذرا مشکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا وہ بغیر نہائے گویا کہ نہا چکی ہے صرف اس لئے کہ اتنا وقت گزر گیا ہے جس میں کہ اسے نہا لینا چاہئے تھا۔ یہ تو اسی طرح ہے جیسے کسی نے کسی کو مدت معینہ تک قرض لوٹانا ہو اور بغیر ادائیگی کے مدت گزر جائے تو کہہ دیا جائے گویا کہ لوٹا دیا گیا ہے کیونکہ وہ مدت گزر گئی ہے کہ جس میں قرض ادا ہو جانا چاہئے تھا۔

نیز اگر غسل کئے بغیر عورت حکماً" طاہر ہو جاتی ہے تو پھر صرف مجامعت ہی کیوں؟ اسے نماز بھی پڑھ لینی چاہئے۔ میرے بھائی اگر وطی کے لئے غسل واجب ہے تو پھر حکماً" کا چکر دے کر اس سے پیچھا نہیں چھڑانا چاہئے۔ یہ کچی بات ہے۔ بلکہ سچ مچ کا غسل واجب ہونا چاہئے۔ یا صاف کہنا چاہئے کہ وطی کے لئے غسل واجب نہیں ہے جیسے کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ' عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے۔

نفاس نفاس سے فراغت کے بعد بھی غسل واجب ہو جاتا ہے اور نماز فرض ہو جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز ہے۔ کیونکہ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

كانت النفساء تجلس على عهد رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اربعين يوما (ترمذی ص ١٢٩، ابو داؤد ص ١٢٣، ابن ماجه ص٤٧)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتیں چالیس روز نفاس شمار کرتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقت للنفساء اربعين يوما الا ان ترى الطهر قبل ذالك (ابن ماجه ص ٤٧)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے چالیس روز نفاس مقرر فرمائی۔ الا یہ کہ اس سے قبل طہر کا آغاز ہو جائے۔

اس مضمون کی ایک روایت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی روایت جرح سے خالی نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت نفاس پچاس روز ہے۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ساٹھ روز ہے (ترمذی ص ۱۳۰) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ روایت ملتی ہے۔ (تحفہ الا حوذی ۱۳۰) نفاس کم از کم کوئی مدت متعین نہیں۔ اگر پہلے خون بند ہو جائے تو پھر چالیس یا پچاس یا ساٹھ روز کا انتظار کسی کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی واضح ہوا۔

غسل فوراً فرض نہیں

ذكر عمر بن الخطاب رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انه تصيبه الجنابة من الليل فقال له رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ توضا واغسل ذكرك ثم نم (بخاری ص ٤٣)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کے وقت جنابت ہو جانے کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا استنجا اور وضو کر کے سو جایا کرو۔

یہ وضو صرف استحباب کے لئے ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

كان النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ينام وهو جنب ولا يمس ماء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت جنابت پانی کو چھوئے

(ترمذی ص ۱۱۵) بغیر سو جاتے تھے۔

جنابت کی حالت میں سحری بھی کھائی جا سکتی ہے۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يدركه الفجر في رمضان وهو جنب من غير حلم فيغتسل ويصوم (عن عائشة بخاری ص ۲۵۸، مسلم ۳۵۴)

ماہ رمضان میں نبی ﷺ کو بحالت جنابت فجر ہو جاتی۔ آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

مقصد یہ ہے جس انسان پر غسل واجب ہو اسے بہرحال نماز سے پہلے نہا لینا چاہئے۔ ایک مرفوع روایت میں ہے۔

لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة ولا كلب ولا جنب (عن علی ابوداؤد ص ۹۰، نسائی ص ۳۲)

جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

ولا جنب کا لفظ مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ یہی روایت ابن ماجہ ص ۲۶۸ میں ہے اس میں یہ اضافہ نہیں۔ ان سب روایتوں میں عبداللہ بن نجی ایک راوی ہے جس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

نظر البخاری فی حدیثه (بحواله تعلیقات سلفیه ص ۳۲ و عون المعبود ص ۹۰)

امام بخاری کو اس حدیث پر اعتراض ہے۔

صحیح بخاری ص ۴۵۸ اور صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۰ میں ابو طلحہ سے یہ روایت مروی ہے اس میں بھی ولا جنب کی زیادتی نہیں ہے۔ اگر یہ لفظ محفوظ ہو تو پھر اس سے مراد وہ جنبی ہو سکتا ہے جو مطلقاً یا بلا عذر نماز کا وقت گزر جانے پر بھی نہ نہائے۔

بحالت جنابت مسجد میں داخل ہونا حیض نفاس یا جنابت کی حالت میں نماز

پڑھنا بالاتفاق منع ہے۔ ایسی حالت میں مسجد میں جایا جا سکتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ بعض کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق منع کی کوئی دلیل نہیں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے مجھے نبی ﷺ نے فرمایا۔

ناولینی الخمرة من المسجد فقلت ان حائض فقال ان حیضتك لیست فی یدك (مسلم ج۱ ص ۱۴۳)

مجھے مسجد سے چٹائی پکڑا دو میں نے عرض کیا میں حائضہ ہوں فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

ظاہر ہے اگر حیض ہاتھ میں نہیں تو پاؤں میں بھی نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بحالت جنابت نبی ﷺ سے میری ملاقات ہو گئی۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ بیٹھ گئے میں کھسک گیا اور گھر میں غسل کر کے پھر حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ ابھی تک تشریف فرما تھے۔ فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے عرض کیا جب آپ مجھے ملے تو میں جنبی تھا۔ مجھے اچھا نہ لگا کہ اس حالت میں آپ کے ساتھ مجلس کروں تو فرمایا۔

ان المومن لا ینجس (بخاری ص ۴۲، مسلم ج۱ ص ۱۲۴)

مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

کَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یتکی فی حجری وانا حائض فیقرأ القران (مسلم ج۱ ص ۱۴۳)

میں حالت حیض میں ہوتی۔ نبی ﷺ میرے ساتھ تکیہ لگا کر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا وجود اطہر دنیا کی ہر شے سے زیادہ پاکیزہ معزز اور محترم ہے۔ جب بحالت جنابت و حیض آپ ﷺ سے مصافحہ کیا جا سکتا ہے اور

آپ ﷺ کی ہم نشینی اختیار کی جا سکتی ہے تو اس کے مقابلے میں مسجد میں داخلے کی اجازت کا نہ ہونا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ بالخصوص جبکہ اس پر کوئی صحیح دلیل بھی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے فرما بھی دیا ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اصحاب صفہ مسجد نبوی ہی میں رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے قبیلہ عکل کو بھی انہیں میں ٹھہرایا تھا (بخاری ص ۶۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی جب کنوارے تھے مسجد نبوی ﷺ میں ہی سوتے تھے (ایضاً) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کا خیمہ مسجد نبوی ﷺ ہی میں لگوایا تھا اور اسی مسجد میں خون جاری ہو جانے سے ان کا انتقال ہوا تھا (بخاری ص ۶۶) ایک نو مسلم سیاہ رنگ کی آزاد کردہ لونڈی کا خیمہ بھی مسجد نبوی ﷺ ہی کے بیچ میں تھا (بخاری ص ۶۳)

(تفصیل آگے آداب مسجد میں آ رہی ہے)

مردوں کے لئے احتلام اور عورتوں کے لئے حیض ایک عام سی بات ہے جس سے بنی نوع انسان کو رست گاری نہیں الا ماشاء اللہ۔

جو لوگ حائضہ یا جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کو جائز نہیں سمجھتے ان کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

يَـٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا لاَ تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰـى تَعْلَمُـوْا مَـا تَقُوْلُوْنَ وَلاَ جُنُبًـا إِلاَّ عَـابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا، (النساء : ۴۳)

اے ایمان والوں مت قریب جاؤ نماز کے جب تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ جاننے لگو جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر راستہ عبور کرنے والے یہاں تک کہ غسل کر لو۔

لیکن بات یہ ہے کہ یہاں نماز کا ذکر ہے مسجد کا ذکر نہیں۔ نشہ یا جنابت کی حالت میں واقعی نماز کے نزدیک نہیں جانا چاہئے۔ صلوٰۃ سے مسجد مراد لینا غلط ہے۔ اس آیت میں کسی کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا گیا۔ اگر صلوٰۃ سے مسجد مراد لی

جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مسجد کے علاوہ اگر انسان نشہ یا جنابت وغیرہ کی حالت میں نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔

نیز عابری سبیل سے مسافر کی بجائے مسجد عبور کرنے والا مراد لینا بھی بلا قرینہ ہے۔ یہ معنی شائد اس لئے کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

وجهوا هذه البيوت عن المسجد فانى لا احل المسجد لحائض ولا جنب (عن عائشة ابوداؤد ص ۹۳)	ان گھروں کے رخ مسجد سے موڑ لو۔ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے جائز نہیں رکھتا۔

مگر یہ بات بنتی نہیں۔ کیونکہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ اگر خود مسجد عبور کرنے کی اجازت دے رہا ہے تو نبی ﷺ کو کیا ضرورت تھی صحابہ کرام کے دروازے بند کروانے کی۔ نیز اس روایت میں ایک راوی افلت بن خلیفہ ہے جس کی ثقاہت مختلف فیہ ہے اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ نہی تزیہہ پر محمول ہو سکتی ہے یا اس صورت پر جبکہ تلویث کاڈر ہو۔

ایک روایت ابو سعید خدری سے بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

يا على لا يحل لاحد يجنب فى هذا المسجد غيرى وغيرك	اے علی میرے اور تیرے سوا کسی کو مسجد میں جنبی ہونے کی اجازت نہیں۔

یہ بالکل ضعیف ہے۔

ایک روایت حضرت ام سلمہ سے بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ نے با آواز بلند فرمایا۔

ان المسجد لا يحل لاحد لجنب ولا حائض (ابن ماجة ص ٤٧)	جنبی اور حائضہ کیلئے مسجد جائز نہیں۔

اس میں دو راوی محدوج الزھلی اور ابو الخطاب الھجری ضعیف ہیں۔ تفسیر ابن کثیر

ج ا ص ۵۰۲ کی یہ عبادت ملاحظہ ہو (ترجمہ)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک ہے کہ جنبی کے لئے با وضو ہو کر مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے اس لئے کہ مسند احمد میں اور سنن سعید بن منصور میں عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام بحالت جنابت وضو کر کے مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں رہا مسجد کا معاملہ تو اس گروہ کی رائے میں جنبی کے لئے وضو کر کے مسجد میں بیٹھنا جائز ہے۔ یہ رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ ' ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے حضرات نے اختیار کی ہے (تفہیم القران ج ا ص ۳۵۵)

❊❊❊

بحالت جنابت تلاوت کرنا

اسی طرح یہ مسئلہ بھی متنازعہ فیہ ہے کہ آیا جنابت وغیرہ کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

كان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يذكر الله علی كل احيانه (مسلم ص١٦٢، مشكوة ص ٨٢)

نبی ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر فرما لیتے تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے (بحالت حیض) ارشاد فرمایا۔

فافعلی ما يفعل الحاج غيران لا تطوفی بالبيت حتی تطهری (بخاری ص ٤٤)

جو حاجی کرتے ہیں وہ تم بھی کرو البتہ طہر سے پہلے طواف نہیں کرنا۔

ان احادیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ بحالت حیض و جنابت تلاوت کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے (بخاری ص ۴۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں۔

لم يصح عند البخاری فی هذا الباب حديث فلذلك ذهب الی جواز قراءة الجنب والحائض (عمدة القاری بحواله تحفة الاحوذی ص ١٢٤)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔ اسی لئے جنبی اور حائضہ کے لئے قرآن پاک کی تلاوت کو جائز سمجھتے ہیں۔

طبری ابن منذر اور داؤد بھی اسی خیال کے حامی ہیں (فتح الباری ص ۴۰۸) ربیعہ' سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی حائضہ اور جنبی کے لئے تلاوت کو جائز سمجھتے ہیں (محلی ابن حزم ج ۱ ص ۹۶) عکرمہ بھی جائز سمجھتے ہیں (تحفۃ الاحوذی ص ۱۲۴) امام مالک بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ

صرف حائضہ کے لئے جائز سمجھتے ہیں (فتح الباری ج ا ص ۴۰۸ ھدایہ ص ۳۹)
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔

لان الحائض ان لم تقرا نسيت القران لان ايام الحيض تتطاول ومدة الجنابة لا تطول (خطابى بحواله تحفة الاحوذى ص ١٢٤)

حائضہ اگر تلاوت نہیں کرے گی تو قرآن پاک بھول جائے گی کیونکہ حیض کی مدت طویل ہوتی ہے اور جنابت کی مدت مختصر ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی یہی ہے (فتح الباری ج ا ص ۴۰۸)
جمہور علماء جائز نہیں سمجھتے ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيأ من القران (عن ابن عمر ترمذى ص ١٢٣)

حائضہ اور جنبی ذرا بھی قرآن مجید نہ پڑھیں۔

اس کی سند میں اسمٰعیل بن عیاش ایک راوی ہے جس کی وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضیعف قرار دیا ہے (ص ۱۲۴)

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقرئنا القران على كل حال مالم يكن جنبا (عن على ترمذى ص١٣٦)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن مجید پڑھاتے تھے۔

گو امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا ہے۔ لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اکثر نے امام ترمذی سے اختلاف کرتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (بحوالہ تنقیح الرواۃ ص ۸۳) اس کی سند میں عبداللہ بن سلمہ ایک کوفی راوی ہے۔ بقول منذری اس کی وجہ سے اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (بحوالہ تحفتہ الاحوذی ص ۱۳۷)

عبداللہ بن سلمہ کی سند کے ساتھ ہی یہ روایت ابوداؤد ص ۹۱، نسائی ص ۳۲، ابن ماجہ ۴۴ میں یوں بیان ہوئی ہے۔

ان رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يخرجُ من الخلاء فيقرئنا القران ويأكل معنا اللحم ولم يكن يحجبه أو يحجزه عن القران شيئ ليس الجنابة

نبی ﷺ رفع حاجت سے فارغ ہو کر ہمیں قرآن مجید پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت بھی تناول فرماتے۔ جنابت کے سوا کوئی شے آپ ﷺ کو قرآن مجید پڑھنے سے مانع نہیں تھی۔

اس حدیث کے پہلے ٹکڑے سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ بلا وضو تلاوت فرما لیتے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی ﷺ برجمل کی جانب سے لوٹ رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ایک دیوار کے ساتھ تیمم کر کے اسے جواب دیا۔ (عن ابی الجھیم ابوداؤد ص ۱۲۹) اس سے معلوم ہوا کہ آپ وضو یا تیمم کے بغیر سلام کا جواب نہیں دیتے تھے لازماً اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ وضو یا تیمم صرف استحباب کے لئے ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو نبی ﷺ کا بحالت جنابت قرآن مجید نہ پڑھنا پڑھانا بھی استحباب پر محمول ہو سکتا ہے۔

صاحب عون المعبود فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بلا وضو تلاوت جائز ہے۔ اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جنبی کیلئے تلاوت جائز نہ ہونے کے بارے میں متعدد احادیث ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی کلام سے خالی نہیں۔ البتہ ان کے مجموعہ سے ایک طاقت حاصل ہو جاتی ہے (ج ۱ ص ۹۱)

قبل ازیں امام مالک رحمہ اللہ کا قول بیان ہوا ہے کہ وہ حائضہ کے لئے مطلقاً تلاوت کو جائز سمجھتے ہیں۔ محلی ابن حزم میں ہے کہ وہ جنبی کے لئے بھی دو

آیت تک تلاوت جائز سمجھتے ہیں۔ نیز یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی نامکمل آیت کی تلاوت کو جائز فرماتے ہیں (ج ا ص ۹۵) اس کا حوالہ ہدایہ کے حاشیہ میں بھی ہے۔ امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے (ہدایہ ج ا ص ۳۹) حافظ ابن حزم ان اقوال کو فاسد اور دعویٰ ہائے بلا دلیل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا تھوڑا قرآن قرآن نہیں ہے۔ یعنی اگر تھوڑا پڑھنا جائز ہے تو زیادہ پڑھنا کیوں جائز نہیں ہے نیز وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بقول ان کے ایک لفظی آیات مثلاً وَالضُّحىٰ - مُدْهَآمَّتٰنِ -وَالْفَجْرِ- وَالْعَصْرِ (بلکہ حم وغیرہ بھی) تو مکمل پڑھنی جائز نہ ہوں اور آیت الکرسی جو خاصی لمبی ہے اور آیت دین جو تقریباً ڈیڑھ صفحے پر مشتمل ہے یہ تھوڑی سی چھوڑ کر باقی نامکمل پڑھنی جائز ہوں یہ کیا قانون ہے۔

قرآن مجید کو ہاتھ لگانا چاروں ائمہ کرام کا یہ مذہب ہے کہ وضو کئے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔

إِنَّه لَقُرْءَان كَرِيم، فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ، لَّا يَمَسُّه إِلاَّ الْمُطَهَّرُوْنَ (واقعہ : ۷۷-۷۹) یہ قرآن کریم ہے لوح محفوظ میں، نہیں چھوتے اسے مگر پاک لوگ۔

حالانکہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ضمیر قرآن کریم کی طرف نہیں بلکہ کتاب مکنون (یعنی لوح محفوظ) کی طرف لوٹتی ہے جس کے بیچ میں قرآن کریم بھی ہے۔ اور مطہرون سے مراد باوضو لوگ نہیں بلکہ ملائکہ ہیں۔

قرآن کریم کی طرف ضمیر کا لوٹانا حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ لا یمسہ میں صیغہ امر کا نہیں بلکہ مضارع کا ہے۔ یعنی خبر دی جا رہی ہے کہ اسے صرف طاہر لوگ چھوتے ہیں جبکہ قرآن پاک باوضو اور بے وضو سب کے ہاتھوں میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی لہٰذا لازماً ماننا پڑیگا کہ آیت میں فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ کو چھوتے ہیں۔

سید ابوالاعلی مودودی فرماتے ہیں اس آیت کی یہی تفسیر انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر، عکرمہ بن مجاہد، قتادہ ابوالعالیہ، سدی ضحاک اور ابن زید نے بیان کی ہے اور نظم کلام کے ساتھ بھی یہی مناسبت رکھتی ہے۔
(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں مقیم عمرو ابن حزم کے نام خط لکھا جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

لا يمس القران الا طاهر (مؤطأ امام مالك ص ٦٩) قرآن پاک کو صرف پاک انسان ہاتھ لگائے۔

مگر یہ روایت مرسل ہے۔ اس لئے یہ حجت نہیں۔ یہ دار قطنی میں بھی ہے۔ مگر اس میں سوید ابوحاتم ضعیف ہے۔ یہ اور سندوں سے بھی مروی ہے لیکن اس کی کوئی سند ضعف سے خالی نہیں۔

لفظ طاہر پر ذرا غور کرنا چاہئے۔ عام لوگ طاہر سے باوضو ہونا مراد لیتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔

دعهما فانی ادخلتهما طاهرين (بخاری ص۳۳، مسلم ص ١٣٤، مشكوة ص ٩٠) پاؤں کو رہنے دو میں نے انہیں باوضو داخل کیا تھا۔

بے شک اس حدیث میں طاہر کا مفہوم باوضو ہونا ہی ہے۔ لیکن کیا کسی مائی کے لال میں یہ جرات ہے کہ وہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے وضو ہونے کی حالت میں طاہر نہیں ہوتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود تو کجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہر مسلمان کے بارے میں خواہ وہ جنبی ہی کیوں نہ ہو فرمایا ہے لا ينجس (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۴۲) کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ بے وضو کیلئے مس مصحف کو جائز سمجھتے ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۷ عون المعبود ص ۹۲)

یاد رہے جس پر وضو واجب ہو اس کے لئے صحیح لفظ محدث بحدث اصغر ہے اور جس پر غسل واجب ہو اس کے لئے صحیح لفظ محدث بحدث اکبر ہے۔ بے وضو یا بے غسل انسان کیلئے شریعت میں کہیں بھی نجس کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ حدث اصغر یا حدث اکبر یعنی جنابت وغیرہ کو نجاست کا ہم معنی قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

نبی ﷺ نے ھرقل کو خط لکھا جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ یہ پوری آیت درج تھی قل یا اھل الکتاب تعالوا۔ الایة ۔) عن ابی سفیان بخاری ص ۴۴) حالانکہ وہ کافر بھی تھا اور بے وضو بھی بلکہ ہو سکتا ہے جنبی بھی ہو۔ آج بھی کئی مستشرقین اور دیگر کفار کے زیر مطالعہ قرآن پاک رہتا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی غیر مسلم لائبریری ہوگی جس میں قرآن مجید کا نسخہ موجود نہ ہو کبھی کسی مسلمان کے دل میں احتجاج کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ مسلمان اسے بلا وضو یا بلا غسل ہاتھ لگا دے تو فتویٰ لگ جائے یہ عجیب تعارض ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نھی رَسُولُ اللهِ صَلَّـی اللهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ أن يسافر بالقران الى الأرض العدو (مؤطأ ص ١٦٧)	آپ ﷺ نے دشمن کے علاقہ میں قرآن مجید لے جانے سے منع فرمایا ہے۔

بعض نے اس حدیث سے ھرقل والی حدیث کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ارض کفار نہیں ارض عدو فرمایا ہے کیونکہ دشمنوں سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ قرآن کی بے حرمتی نہ کر ڈالیں۔ بے حرمتی ایک ایسا عمل ہے جو کوئی بھی کرے قابل مواخذہ ہے اگر کفار کا محض قرآن مجید کو ہاتھ لگا دینا ہی جرم ہے تو آج ہم میں کوئی بھی غیرت مند نہیں ہے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ علقمہ بن قیس عیسائی

سے قرآن پاک لکھوا لیا کرتے تھے۔ (محلی ابن حزم ج ا ص ۹۹)

انسان کوئی بھی ہو مسلمان ہو یا کافر سچ پوچھائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کے پاس ہر طرح کے وفد آتے تھے۔ آپ عموماً انہیں مسجد نبوی ﷺ میں ہی ملاقات کا شرف بخشتے تھے۔ بلکہ وفد ثقیف کے متعلق تو صاف آتا ہے۔

ونزلهم المسجد ليكون ارق لقلوبهم (عن عثمان بن ابی العاص ابوداؤد ص ١٤٦)

آپ ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا تا کہ ان کے دل نرم ہوں۔

ثمامہ ابن اثال جو مشرک تھے جب بحیثیت قیدی انہیں لایا گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

فربطوه بسارية من سوارى المسجد (بخاری ص ٦٧)

صحابہ کرامؓ نے انہیں مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

ہدایہ میں ہے۔

وسور الادمی وما يؤكل لحمه طاهر لأن المختلط به اللعاب وقد تولد من لحم طاهر ويدخل فى الجواب الجنب والحائض والكافر (ج١ ص٢٣)

انسان اور حلال جانور کا جھوٹا پاک ہے اس لئے کہ پانی وغیرہ سے جو لعاب ملتا ہے وہ پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس میں جنبی حائضہ اور کافر سب شامل ہیں۔

ھدایہ کے مطابق حنفیہ کے نزدیک خنزیر کے سوا کوئی جانور نجس نہیں ہے۔ کتا بھی نجس نہیں ہے (ص ۱۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كانت الكلاب تقبل وتدبر فى المسجد فى رَسُولِ اللهِ صَلَّى الله

عہد نبوی ﷺ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے تو کوئی پانی نہیں چھڑکا جاتا

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فلم یکونوا یرشون شیأ تھا۔
من ذالك (بخاری ص ۲۹، مشکوۃ ص ۸۹)

انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس پر اگر وضو یا غسل واجب ہو اسے مسجد میں داخل ہونے یا قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے قابل نہ سمجھنا انسانیت کی زبردست توہین ہے۔ انسان بھی وہ جو مسلمان ہے جس کے متعلق نبی ﷺ کی شہادت موجود ہے کہ وہ نجس نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں جو مشرکین کو نجس کہا گیا ہے اسکے متعلق ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نجاست اعتقادی ہے (ج ۱ ص ۲۳) عمرو بن حزم والی روایت اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کو کوئی ایسا آدمی ہاتھ نہ لگائے جس کے ہاتھوں کو نجاست لگی ہو یا یہ کہ بے حرمتی کے پیش نظر اسے کسی دشمن کے ہاتھوں میں نہیں آنا چاہئے۔ کسی آیت یا صحیح حدیث میں ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں جس میں حائضہ یا جنبی کو قرآن مجید پڑھنے سے یا اس کو چھونے سے منع کیا گیا ہو۔ پیچھے آپ پڑھ آئے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر اس مسئلے میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ حائضہ یا جنبی قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ منع والی بات کو ادب و احترام کے پیش نظر استحباب پر تو محمول کیا جا سکتا ہے اسے شرعی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔ چاروں فقہاء کرام نے بلا وضو قراءت کو جائز رکھا ہے مگر بلا وضو مس مصحف کو جائز نہیں رکھتے حالانکہ اصل چیز تو کلام اللہ ہی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور غیر مخلوق ہے اور جس کی زبانی قراءت کو سب جائز سمجھتے ہیں۔ یہ کاغذ اور یہ روشنائی سے لکھے ہوئے اور پریس میں چھپے ہوئے حروف دونوں چیزیں مخلوق ہیں نہ کاغذ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے نہ کاتب کی کتابت کو اور نہ مطبع کی طباعت کو اللہ تعالیٰ کی صفت سے کوئی تعلق ہے۔ البتہ یہ کلام اللہ کا مظہر ضرور ہے اسی لئے ہم پر اس کا احترام بھی فرض ہے۔ لیکن

احترام کا یہ ہرگز تقاضا نہیں کہ بے شمار لوگوں کو اس کی تلاوت سے محروم کر دیا جائے۔ یہ احترام نہیں بلکہ ایک مہذب قسم کی بے حرمتی ہے۔

لطف یہ کہ پابندیاں لگانے والے پھر خود ہی کئی مقامات پر پابندیوں کو برقرار بھی نہیں رکھ سکے۔ مثلاً حنفیہ کہتے ہیں قرآن مجید غلاف میں ہو تو اسے بلا وضو بلکہ بحالت جنابت بھی ہاتھ لگایا جا سکتا ہے (ہدایہ ص ۳۹) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تعلیم کیلئے استاد شاگرد دونوں کو بلا وضو مس مصحف کی اجازت دیتے ہیں بلکہ تعلیم کیلئے حائضہ کو بھی مس مصحف کی اجازت دیتے ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ بحوالہ تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۹۴) بچے بھی عام طور پر وضو سے مستثنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنبی کیلئے مس مصحف کی اجازت کے نہ ہونے کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ (محلی ج ۱ ص ۹۷)

❋❋❋

تیمم

شانِ نزول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے ایک سفر (غزوہ مصطلق) کے دوران میں میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش کیلئے نبی ﷺ نے قافلے کو رکوا دیا۔ صبح ہوگئی مگر ہار نہ ملا۔ چونکہ پانی دستیاب نہ تھا لہٰذا تیمم والی آیت نازل ہوگئی لوگوں نے تیمم کرلیا۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا تھا (بخاری ص ۴۸)

ثابت ہوا تیمم کی ابتداء علم غیب کی زبردست نفی سے ہوئی ہے۔

آیت تیمم

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْلَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ (النسا: ۴۳- المائدۃ: ۶)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم رفع حاجت سے فارغ ہوئے ہو یا تم عورتوں سے مل چکے ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

یعنی اگر پانی موجود نہ ہو یا پانی تو موجود ہو مگر انسان اسے استعمال کرنے پر قادر نہ ہو اور پھر حدث اصغر کی صورت ہو یا حدث اکبر کی بہرصورت تیمم کرلیا جائے گا۔ سفر کی طرح بالفرض اگر حضر میں بھی پانی دستیاب نہ ہو اور وقت نکل جانے کا ڈر ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے گی۔

خطرناک قسم کی سردی میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے غزوہ ذات السلاسل میں ایک سرد رات مجھ پر غسل واجب ہوگیا۔ میں ڈرا کہ اگر نہایا تو مرجاؤں گا۔ میں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ نبی ﷺ تک یہ اطلاع پہنچی آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو تم نے

بحالت جنابت اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ میں نے اپنا عذر بیان کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (النساء: ۲۹)

اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔

تو نبی ﷺ ہنس دیئے اور کچھ نہ کہا (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۲ بخاری ص ۴۹)

آب آمد تیمم برخاست ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ خواہ دس برس تک پانی نہ ملے۔ جب پانی مل جائے تو پھر اسے استعمال کرنا چاہیئے۔ (عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ابوداؤد ص ۱۳۰)

تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ ابھی وقت باقی ہو کہ پانی مل جائے یا تیمم کرنے والا پانی استعمال کرنے کے قابل ہو جائے تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ دو آدمیوں نے سفر کے درمیان تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ انہیں پانی مل گیا۔ ان میں سے ایک نے نماز دہرا لی۔ جس نے نماز نہیں دہرائی اسے نبی ﷺ نے فرمایا تم نے سنت کے مطابق عمل کیا اور تمہاری نماز صحیح ہو گئی۔ اور دہرانے والے سے فرمایا تمہارے لئے دو اجر ہیں (عن ابی سعید الخدری ابوداؤد ص ۱۳۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جرف (مدینہ سے تین میل دور ایک جگہ) سے لوٹ رہے تھے (تقریباً وسط میں) مربد نامی مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے تیمم کر کے عصر کی نماز پڑھی اور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ابھی سورج بلند تھا مگر آپ نے نماز نہ لوٹائی (بخاری ص ۴۸، موطا امام مالک ص ۱۹)

اگر نماز میں پانی نظر آجائے اگر متیمم کو دوران نماز میں پانی دستیاب ہو جائے تو احناف کے نزدیک اس کا تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ اسے از سر نو وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔ امام مالک اور داؤد کے نزدیک نہیں ٹوٹتا (بحوالہ نیل الاوطار ج ۱

ص ۲۸۹) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور کے نزدیک بھی نہیں ٹوٹتا جبکہ حافظ ابن حزم کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے (محلی ج ۱ ص ۳۵۳) اس سلسلے میں کوئی واضح حدیث نہیں ہے۔ تاہم ابوسعید خدری کی مذکورہ بالا حدیث امام مالک کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ جب قبل از خروج وقت پانی مل جانے کی صورت میں پڑھی گئی نماز ضائع نہیں ہوتی تو دوران نماز میں پانی مل جانے پر کیونکر باطل ہو جائے گی واللہ اعلم بالصواب۔

تیمم سے پہلے تسمیہ اور نیت اس سلسلہ میں کوئی خصوصی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ لیکن چونکہ یہ وضو کے قائم مقام ہے اس لئے بسم اللہ پڑھ کر اور نیت کر کے تیمم کرنا چاہیئے۔

حنفیہ کے نزدیک نیت وضو میں مستحب اور تیمم میں فرض ہے۔ برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے۔ جب اس میں نیت فرض نہیں تو اس میں بھی فرض نہیں۔ (ہدایہ ص ۲۸) اپنے مسلک کے لحاظ سے ان کی بات مضبوط ہے۔ اصولاً حنفیہ کا یہی مذہب ہونا چاہیئے۔

تیمم کا طریقہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے تیمم کا جو طریقہ بتلایا تھا وہ یہ ہے۔

إنما كان يكفيك هكذا فضرب النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بكفيه الأرض ونفخ فيهما ثم مسح بهما وجهه وكفيه (بخاری ٤٨، مسلم ج١ ص ١٦١)	تجھے اتنا ہی کافی تھا پس آپ نے اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونک ماری پھر اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کا مسح فرمایا۔

اس حدیث کے صحیح ہونے کیلئے یہی ضمانت کافی ہے کہ یہ صحیحین میں ہے۔ اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔ اول یہ کہ تیمم کیلئے ایک ہی ضربہ کافی ہے دوم یہ کہ تیمم صرف ہتھیلیوں تک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ، ابن عباس

رضی اللہ عنہ ' شعبی رحمۃ اللہ علیہ ' عطاء رحمۃ اللہ علیہ ' مکحول رحمۃ اللہ علیہ ' اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے (ترمذی ص ۱۳۳) جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۴۵۷)

حنفیہ کے نزدیک دو ضربے ہیں ایک چہرہ کیلئے اور ایک ہاتھوں کیلئے کہنیوں تک (ہدایہ ص ۲۷) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے (موطا ص ۱۹) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے (ترمذی ص ۱۳۳۔ شرح مسلم نووی ص ۱۶۰)

صاحب ہدایہ نے یہ دلیل دی ہے۔

لقوله عليه السلام التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمم دو ضربے ہیں ایک چہرہ کیلئے اور ایک ہاتھوں کیلئے۔

یہ روایت دار قطنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (ج ۱ ص ۱۸۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بلوغ المرام میں اس کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وصحح الأئمة وقفه — ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

خود امام دار قطنی نے بھی اسے موقوف قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور یہ قول بھی ضعیف ہے مولنا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں اس میں علی بن ظبیان راوی ہے جس کو محدث ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ اور ابن معین رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۹۵ بحوالہ نماز مسنون ص ۱۴۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت دو ضربوں اور بازوؤں کے مسح کے بارے میں ابوداؤد ص ۱۲۹ میں بھی آتی ہے۔ مگر اس میں ایک راوی محمد بن ثابت العبدی کو ابن معین رحمۃ اللہ علیہ ' ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ ' بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۷)

حضرت ابن عمرؓ سے اس مضمون کی ایک روایت آتی ہے اس کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک ہے (ایضاً)

بروایت جابرؓ نبی ﷺ نے فرمایا۔

التیمم ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین (دارقطنی ج ۱ ص ۱۸۱، حاکم)	تیمم ایک ضربہ چہرے کیلئے اور ایک ضربہ بازوؤں کیلئے ہے کہنیوں تک۔

اس کی سند کو حافظ ابن حجر نے حسن فرمایا ہے (درایہ) مگر یہ ان کا خیال ہے۔ اس میں ایک راوی عثمان بن محمد ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں مقبول اور ذہبی نے میزان میں متکلم فیہ قرار دیا ہے۔ عثمان بن محمد نے اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے جبکہ ابونعیم نے اسے موقوف بیان کیا ہے۔ ابونعیم بالاتفاق انتہائی ثقہ راوی ہے۔ ابونعیم کی سند سے یہی روایت دار قطنی اور حاکم میں موقوفاً بھی مروی ہے۔ چنانچہ دار قطنی نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

علامہ طحاویؒ حنفی نے بھی شرح الاثار میں اسے موقوف بیان فرمایا ہے۔ علامہ عینیؒ حنفی نے اعتراف کیا ہے کہ جابر کی اس روایت کو طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے موقوف بیان کیا ہے (شرح بخاری)

ثابت ہوا کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ حضرت جابرؓ کا قول ہے اس مضمون کی ایک روایت ابوامامہ سے طبرانی میں مروی ہے۔ اس کی سند میں جعفر بن زبیر راوی ہے جس کے متعلق علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں شعبہ نے کہا کہ اس نے چار سو حدیثیں وضع کیں ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے (مسند بزار) اس کے متعلق بھی علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی حریش بن خریت کو ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ضعیف کہا ہے (شرح بخاری) ان کے علاوہ اسے امام بخاری نے بھی ضعیف کہا ہے (مجمع الزوائد)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں صفت تیمم کے بارے میں ابو جہیمؓ اور

عمار رضی اللہ عنہ کی احادیث کے سوا کوئی حدیث صحیح نہیں۔ باقی یا تو ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ ترجیح ان کے موقوف ہونے کو ہے (فتح الباری ج ۱ ص ۴۴۴) عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیحین کے حوالہ سے اوپر بیان ہو چکی ہے ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث یوں ہے۔

أقبل النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ من نحو بئر جمل فلقیه رجل فسلم علیه فلم یرد علیه النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حتی أقبل علی الجدار فمسح بوجهه ویدیه ثم رد علیه السلام (بخاری ص ٤٨، ابوداؤد ص ١٢٩)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک آدمی ملا۔ اس نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کے پاس آئے اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا اور تب اسے سلام کا جواب دیا۔

اس میں بھی نہ تو دو ضربوں کا ذکر ہے اور نہ ہی بازوؤں یا کہنیوں کا ذکر ہے۔

صاحب سبل السلام فرماتے ہیں دو ضربوں یا کہنیوں کے بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ سب موقوف یا ضعیف ہیں (ج ۱ ص ۹۳) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو ضربوں والی کوئی حدیث کلام (جرح) سے خالی نہیں۔
(نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۷)

حنفیہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی صحیح ترین روایت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اسے مضطرب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

یکفیك ضربة للوجه وضربة للكفین (اوسط کبیر طبرانی بحواله نیل ج ١ ص ٢٨٦)

تجھے کافی ہے ایک ضربہ چہرہ کے لئے اور ایک ضربہ ہتھیلیوں کیلئے۔

مگر اس کی سند میں ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ضعیف ہے اور ایک روایت

إنهم تمسحوا وهم مع رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالصعيد لصلوة الفجر فضربوا باكفهم الصعيد ثم مسحوا بوجوههم مسحة واحدة ثم عادوا فضربوا باكفهم بالصعيد مرة اخرى فمسحوا بايديهم كلها الى المناكب والاباط من بطون ايديهم (ابوداؤد ص ۱۲۵)

عمار بن یاسر سے اس طرح ہے۔

صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ کے ہمراہ نماز فجر کیلئے ایک ضربہ سے اپنے چہروں کا اور ایک ضربہ سے اپنے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک اپنی ہتھیلیوں سے مسح (تیمم) کیا۔

اس کے تحت عون المعبود میں لکھا ہے شیخ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عمل صحابہؓ نے اپنے اندازے سے کیا تھا جب نبی ﷺ نے انہیں تیمم کا طریقہ بتلایا تب انہیں اس کی صحیح کیفیت معلوم ہوئی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں صحابہ کرام کا کندھوں تک تیمم کرنا نبی ﷺ کے حکم سے نہیں تھا۔ بلکہ تحفہ الاحوذی ص ۱۳۵ میں لمعات کے حوالے سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ قول لکھا ہے۔

فَإن حديث الاباط ليس بصحيح ج ۲ ص ۱۸۳

بغلوں تک تیمم والی حدیث صحیح نہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں۔ اس اضطراب کی کچھ حقیقت نہیں۔ کہنیوں اور کندھوں تک والی تمام روایتیں ضعیف اور مرجوح ہیں اور بغلوں تک تیمم والی روایتوں کا قصہ پہلے کی بات ہے۔ لہٰذا ہتھیلیوں تک تیمم والی روایتیں جرح سے محفوظ اور معارضہ سے پاک ہیں (سعایہ) نیز فرماتے ہیں۔

واقوى الاقوال فيه من حيث الدليل هو الاكتفاء بمسح اليدين الى

دلیل کے لحاظ سے مضبوط ترین قول پہنچوں تک تیمم کا اکتفاء ہے کیونکہ

الرسخين لما ثبت في روايات حديث عمار الصحيحة

حضرت عمار کی صحیح روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

مولنا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ بخاری میں لکھتے ہیں۔

ولذالك قال الترمذي وضعف بعض أهل العلم حديث عمار في التيمم ص ٤٨

اور اسی (اضطراب) کی وجہ سے امام ترمذی نے فرمایا اور بعض اہل علم نے عمار والی تیمم کی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

جناب سہارنپوری نے یہ جملہ اس انداز سے بیان فرمایا ہے جیسے امام ترمذی کو اس بات سے اتفاق ہو۔ حالانکہ امام ترمذی اس حدیث کو پہلے حسن صحیح فرما چکے ہیں۔ یہ الفاظ جو محشی نے نقل فرمائے ہیں امام صاحب نے انہیں ان کی تردید کیلئے اور ان کا جواب دینے کیلئے ذکر فرمایا ہے۔ نقل کفر کفر نباشد کیونکہ آگے امام صاحب فرماتے ہیں اسحاق بن ابراہیم نے کہا ہے کہ عمار بن یاسر کی چہرہ اور ہتھیلیوں تک تیمم والی حدیث صحیح ہے۔ باقی کندھوں اور بغلوں تک تیمم والی حدیث اس کے مخالف نہیں کیونکہ عمار نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغلوں اور کندھوں تک تیمم کرنے کا حکم دیا تھا بلکہ یہ کہا ہے کہ ہم نے ایسے ایسے کیا تھا۔ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صرف چہرہ اور ہتھیلیوں تک تیمم کا حکم دیا۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمار چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہی تیمم کا فتوٰی دیتے تھے۔

(ترمذی ص ۱۳۶)

اس سے آگے یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تیمم کے بارے میں سوال پیدا ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالٰی نے وضو کیلئے ہاتھوں کو کہنیوں تک (الی المرافق) دھونے کا حکم دیا ہے مگر تیمم کیلئے صرف ہاتھوں (ایدیکم) کا ذکر فرمایا ہے۔ تو جیسے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا (المائدۃ: ۳۸) — اور چور مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

میں صرف ہتھیلیوں تک کاٹنا مراد ہے اسی طرح تیمم میں بھی چہرہ اور صرف ہتھیلیاں ہی مراد ہوں گی۔ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرہ اور ہتھیلیوں تک مسح (تیمم) کرے۔
(غنیۃ الطالبین مترجم ص ۷)

صَعِيْدًا طَيِّبًا — اس سے مراد پاک مٹی ہے جیسے قرآن پاک میں ہے۔
فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا (الکہف: ۴۰) — پس ہو جائے زمین پھسلنی

یا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
جعلت لنا الأرض كلها مسجدا وجعلت تربتها لنا طهورا إذا لم نجد الماء (عن حذيفة بن يمان مسلم ج ۱ ص ۱۹۹) — زمین ہمارے لئے مسجد اور اس کی مٹی ہمارے لئے وضو بنا دی گئی جب ہمیں پانی نہ ملے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔
فضرب النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بكفيه الارض ونفخ فيهما (بخاری ص ۴۸) — پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونک ماری۔

معلوم ہوا تیمم پاک مٹی سے کرنا چاہئے۔ شوافع اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ریت سے بھی جائز سمجھتے ہیں۔ صاحب ہدایہ کے مطابق ان کا استدلال یہ ہے کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ہم ریتلے علاقہ (الرمال) میں رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں مہینہ دو مہینے پانی نہیں ملتا۔ ہمارے مردوں اور عورتوں کو غسل کی

حاجت لاحق ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

علیکم بارضکم (ھدایہ ص ۲۷) اپنی زمین کو لازم پکڑو

یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۲ میں مروی ہے۔ لیکن اس میں مہینہ دو مہینے نہیں بلکہ چار مہینے کا ذکر ہے۔ نیز اس میں علیکم بارضکم کی بجائے علیک بالتراب کے الفاظ ہیں۔ مٹی کو لازم پکڑو۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح انتہائی ضعیف ہے (درایہ)

ریت میں اگر مٹی کی آمیزش ہو تو پھر اس سے تیمم کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ مٹی یا اس کا غبار جہاں کہیں بھی ملے اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔

مالکیہ صعید کا معنی

کل ما صعد علی وجه الأرض (ابن زمین کے اوپر ہر چیز کثیر ج۱ ص ٥٠٤)

کرتے ہیں۔ اس کے مطابق ان کے نزدیک ریت' درخت' پتھر اور پودوں سے تیمم جائز ہے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے علاوہ برف سے بھی جائز ہے (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۳۸) حنفیہ صعید کا معنی۔

کل ما کان من جنس الأرض ہر وہ شے جو جنس زمین سے ہے کرتے ہیں۔ (ھدایہ ص ۲۸)

اس کے مطابق ان کے نزدیک مندرجہ ذیل سب چیزوں سے تیمم جائز ہے۔ مٹی ریت پتھر چونا بال صفا پاؤڈر سرمہ ہڑتال (ہدایہ ص ۲۸) عقیق بلخش' زمرد' زبرجد' یاقوت اور مرجان نامی جواہرات پکی اینٹ مٹی کے پکے ہوئے برتن پتھر جس پر غبار ہو یا نہ ہو خواہ دھلا ہوا ہو بے شک ملائم بھی ہو وہ ٹوٹا ہوا ہو یا ثابت ہو۔ مٹی چاہے کسی رنگ کی ہو سرخ سفید (یعنی سرخی پاؤڈر؟) سیاہ زرد یا سبز بھی۔ گیلی زمین بھیگی ہوئی مٹی سیسہ نمک جلی ہوئی زمین وغیرہ۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۳۶ ‘ ۳۷)

حالانکہ اس سے پہلے حضرت عمار بن یاسر کی روایت بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے تیمم کیلئے مسح کرتے وقت ہاتھوں میں پھونک ماری۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو مٹی کا غبار لگنا چاہیئے۔

تیممات آیت تیمم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کیلئے ایک ہی تیمم کافی ہے اسے جنابت کیلئے الگ اور وضو کے لئے الگ تیمم کرنے کی ضرورت نہیں۔ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عورت جنبی ہوئی اس کے بعد اسے حیض آگیا جمعہ کے دن بحالت سفر اس کے طہر کا آغاز ہوگیا پانی نہیں ہے تو اسے چار تیمم کرنے ہوں گے۔ ایک تیمم جنابت کیلئے ایک تیمم حیض کیلئے ایک تیمم وضو کیلئے ایک تیمم جمعہ کے لئے بلکہ اس نے کسی میت کو نہلایا ہو تو پانچواں تیمم اس کے لئے۔ (محلی ج ۱ ص ۲۶ ‘ ۲۷) تیممات کی اس تکرار کو علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے لطائف میں سے ہی شمار کرنا چاہیئے۔

جب پانی قلیل ہو اگر غسل کیلئے پانی ناکافی اور وضو کیلئے کافی ہو تو حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ غسل کیلئے تیمم کرلے اور وضو کیلئے پانی استعمال کرے۔ (ایضا ص ۳۶۱) اس مسئلہ کی بنیاد بھی یہی تکرار والی بات ہے۔ ورنہ تیمم کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

جب کچھ بھی دستیاب نہ ہو اگر ایسے حالات ہوں پانی تو کجا تیمم کیلئے بھی کچھ نہ ملے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز قضا کرلے۔ امام مالک کے نزدیک بالکل معاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فی الحال پڑھ کر بعد میں دہرا لے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک پڑھ کر دہرانے کی ضرورت نہیں (ملخص از نماز مسنون ص ۱۵۰ بحوالہ تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۳۲) حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آخری قول کو

ترجیح دی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

(محلی ج ا ص ۳۶۳)

❄❄❄

اذان اور اقامت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

امر بلال أن يشفع الأذان وإن يوتر الإقامته (بخاری ص ۸۵، مسلم ص ۱٦٤)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم تھا کہ اذان دوہری اور اقامت اکہری کہیں۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اذان کے بارے میں خواب دیکھا تھا۔ جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق بھی فرمائی۔ اس میں بھی اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہیں۔ (ابوداؤد ص ۱۸۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

إنما كان الا ذان على عهد رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مرتين مرتين والاقامة مرة مرة غير أنه يقول قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة (ابوداؤد ص ۲۰۰، نسائی ص ۷۳)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہوتے تھے۔ البتہ اقامت میں دو بار قد قامت الصلوۃ بھی کہتے تھے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذان سکھلائی تھی اس میں شہادتین دو دو بار کہہ کر انہیں از سرنو دہرانے کا ذکر ہے (مسلم ص ۱٦۵)

اس اذان کو ترجیع والی اذان کہتے ہیں۔ حنفیہ چونکہ اس کے قائل نہیں اس لئے وہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام نے شہادتین کے کلمات کو تعلیم کیلئے دہرایا ہوگا جسے حضرت ابو محذورہ نے ترجیع کا گمان کر لیا (ہدایہ ص ۵۷) اس بدگمانی کی تردید کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا۔

تخفض بها صوتك ثم ترفع صوتك بالشهادة (ابوداؤد ص ۱۹۰)

یعنی پہلی بار شہادتین کو آہستہ آواز کے ساتھ اور دوبارہ بلند آواز کے ساتھ

کہو۔

اس حدیث کا حوالہ دے کر علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے بھی حنفیہ کی اس بدگمانی کی تردید فرمائی ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۶۳ بحوالہ تعلیقات سلفیہ ص ۷۳)

ایک دوسری روایت کے مطابق ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس اور اقامت کے سترہ کلمات سکھلائے (ابوداؤد ص ۱۹۱۔ نسائی ص ۷۳۔ ترمذی ص ۱۷۱) یعنی اذان ترجیع والی اور اقامت دہری۔ یہ صحیح احادیث ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے اگر اذان ترجیع کے ساتھ کہی جائے تو تکبیر بھی دوہری ہونی چاہئے اور اگر اذان بغیر ترجیع کہی جائے تو اقامت اکہری ہونی چاہئے۔ تقریباً تمام ائمہ و محدثین کا یہی مسلک ہے۔

حنفیہ نہ ترجیع کو جائز سمجھتے ہیں نہ اکہری اقامت کو۔ یہ دوہری اذان اور دوہری اقامت کے قائل ہیں۔ یہ دوہری اذان ان احادیث سے لے لیتے ہیں جن میں ترجیع کا ذکر نہیں مگر انہیں میں مذکور اکہری اقامت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور دوہری تکبیر ان احادیث سے اخذ کر لیتے ہیں جن میں دوہری تکبیر کے علاوہ ترجیع کا ذکر بھی ہے مگر اس سے صرف نظر فرما لیتے ہیں مثلاً مصنف نماز پیمبر مسنون اذان کے کلمات کے تحت عبداللہ بن زید والی روایت بیان کرتے ہیں اور صرف اذان بیان کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔ آگے اقامت کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ وہ اکہری بیان ہوئی ہے (ص ۱۰۵) اسی طرح اقامت کے بیان میں ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے مجھے اقامت کے سترہ کلمات سکھلائے۔ حالانکہ اس سے پہلے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے نبی علیہ السلام نے اذان کے انیس کلمات سکھلائے (یعنی ترجیع کے ساتھ) جناب شیخ یہ الفاظ شیر مادر سمجھ کر نوش فرما گئے (ص ۱۰۷)

بالکل یہی کام مصنف نماز مدلل (ص ۵۶) نے دکھلایا ہے یعنی عبداللہ بن

زید کی روایت میں مذکور اذان والا حصہ تو نقل کر دیا اور اقامت کو گول کر گئے جو کہ اکہری ہے اور ان کے مسلک کے خلاف ہے اپنی تائید میں علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

حدیث عبد اللہ بن زید ھو أصل فی التاذین ولیس فیہ ترجیع فدل علی ان الترجیع غیر مسنون (التحقیق بحوالہ نصب الرایہ ص ۱ ص ۲۶۲)

عبداللہ بن زید کی مذکورہ بالا روایت اذان کی اصل بنیاد ہے جس میں ترجیع کا ذکر نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ترجیع مسنون نہیں ہے۔

سوال یہ ہے اگر یہ حدیث اذان میں اصل ہے تو کیا اقامت میں اصل نہیں ہے کہ اس کا ذکر بھی ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اسی طرح ان حضرت مولنا نے ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کا یہ ابتدائی حصہ تو بیان فرمایا کہ اذان کے کلمات دو دو بار ہیں اور آخری حصہ ساقط فرما دیا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہیں (ص ۵۸) یہی کرتب انہوں نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت کے ساتھ کیا ہے کہ اذان کے انیس کلمات (یعنی ترجیع) کا ذکر تو انہوں نے حذف فرما دیا اور اقامت کے سترہ کلمات بیان فرما دیئے (ص ۶۲)

ایک اور کرتب ملاحظہ ہو۔ عبداللہ بن زید کی خواب والی روایت جو صحیح بھی ہے اور مفصل بھی اور جس کا ذکر خود انہوں نے ص ۵۶ پر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے اقامت کا ذکر چھوڑ دیا اس لئے کہ وہ اکہری تھی۔ مگر ایک دوسری سند کے ساتھ ان سے مروی ایک روایت کا یہ ٹکڑا بیان کر دیا۔

ثم قام فقال مثلھا الحدیث (ص ۶۳)

یعنی کہ فرشتہ نے اذان کے کلمات کے برابر اقامت کے کلمات کہے۔

گزارش ہے کہ یہ روایت جو عن ابن ابی لیلی عن بن معاذ بن جبل ابوداؤد ص ۱۹۷ میں ہے منقطع ہے ابن ابی لیلی کا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں

(کتاب المعرفۃ بیھقی بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۳) اس کی سند میں مزید بھی بحث کی گنجائش موجود ہے۔ اب صحیح اور مفصل حدیث کو چھوڑ کر ضعیف اور مبہم لفظ یعنی مثلھا سے استدلال کرنا چالاکی کی انتہاء ہے۔ نیز ضروری تو نہیں مثلھا سے اذان کے کلمات کے برابر تعداد ہی مراد ہو خود کلمات بھی تو مراد ہو سکتے ہیں جیسے فرمایا۔

أَللهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ (طلاق:۱۲)	اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور ان کی مثل زمین بنائی۔

نیز اس روایت کے مطابق فرشتہ نے اذان کے شروع میں صرف دو بار اللہ اکبر کہا جبکہ یہ بعض علماء کے شاذ قول کے سوا کسی کا مذہب بھی نہیں ہے۔

ترمذی میں ایک روایت عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن عبداللہ بن زید اس طرح ہے۔

كان أذان رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شفعا شفعا فی الأذان والإقامة (ص ۱۷۳)	آنحضرت ﷺ کی اذان اور اقامت دونوں دہری ہوتی تھیں۔

مگر خود امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا عبداللہ بن زید سے سماع ثابت نہیں۔ بقول حاکم اور بیہقی عبداللہ بن زید سے دہری اقامت کے متعلق تمام روایتیں منقطع ہیں (تحفہ ص ۱۷۴) مذکورہ حنفی مصنفین نے صحاح ستہ کی صحیح روایتوں کو چھوڑ کر غیر صحاح ستہ سے رطب و یاس اکٹھا کر کے اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اذان میں ترجیع اور اقامت میں افراد کو منسوخ قرار دینے پر زور دیا ہے۔ صحیح احادیث کے مطابق ہمارا مسلک یہ ہے کہ ترجیع کے ساتھ اذان دی جائے تو اقامت دوہری ہونی چاہئے جیسا کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوا۔ اور اگر اذان بلا ترجیع کہی جائے تو اقامت اکہری ہونی چاہئے۔ جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم تھا یہ بہتر اور افضل طریقہ ہے۔ اور اگر

احناف کی پیش کردہ ضعیف روایات کو مدنظر رکھ کر بلا ترجیع اذان کے ساتھ دوہری اقامت کہہ لی جائے یا ترجیع والی اذان کے ساتھ اکہری اقامت بھی کہہ لی جائے تو جائز بہرحال ہے۔ کیونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد روی عن ابی محذورة أنـه كـان يفرد الإقامة (ص ١٧١)

ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے اقامت میں افراد بھی ثابت ہے۔

یہ روایت دار قطنی (ج ا ص ۲۳۸) اور ابن خزیمہ وغیرہ میں ہے۔ الفاظ اس طرح ہیں۔

أن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امره أن يشفع الأذان ويوتر الإقامة

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو دوہری اذان اور اکہری اقامت کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے دار قطنی نے روایت کیا اور اس کی تحسین کی (فتح الباری ج ۲ ص ۸۴، تحفہ ص ۱۷۲)

مطلب یہ ہے اذان کے بلا ترجیع یا اقامت کے دوہرا ہونے پر اڑ جانا اور اذان کی ترجیع یا اقامت کے افراد کو منسوخ سمجھ لینا ضد بازی کی انتہاء ہے۔ صاحب عرف شذی فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ھجر ۲۰۴) کے عہد تک مکہ مکرمہ میں اذان ترجیع کے ساتھ ہوتی رہی۔ اسلاف فریضہ حج ادا کرنے کیلئے ہر سال آتے رہے۔ کبھی کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ (بحوالہ تحفہ ص ۱۷۱)

مولنا منظور نعمانی حنفی فرماتے ہیں ابو محذورہ کی اذان ترجیع کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا لیکن آپ نے منع نہیں فرمایا۔ اس لئے اس کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں (معارف الحدیث ج ۳ ص ۱۵۲)

صاحب تفہیم البخاری رقم طراز ہیں اذان ترجیع کا طریقہ مکروہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ صاحب بحرالرائق نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور اس آخری دور میں حنفیت اور حدیث کے امام حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے بھی اسی فیصلہ کو

درست کہا ہے (کتاب الاذان پ ۳ ص ۵۰) مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں۔ اذان میں ترجیع (شہادتین کو دوبارہ بلند آواز سے کہنا) بھی جائز ہے اگرچہ بہتر عدم ترجیع ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے موذنین سے ثابت ہے اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات میں ترجیع کا ذکر ملتا ہے لیکن ان سے عدم ترجیع کی روایت بھی ملتی ہے (ص ۲۴۰)

بحمد اللہ احناف مسلک اہل حدیث کے نزدیک آرہے ہیں لیکن نہایت آہستہ آہستہ۔ ڈرتے ڈرتے کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے اور اس انداز سے کہ کوئی انہیں پکڑ نہ لے۔ میرے ان بھائیوں کو کھل کر اور بلاخوف لومۃ لائم احادیث نبوی ﷺ کی برتری کو تسلیم کرنا چاہئے۔

یہ لوگ اپنی کتابوں میں اذان کے معاملہ میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ والی روایت کو اصل قرار دیکر ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اقامت کے معاملہ میں ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو اصل قرار دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ والی روایتوں کو منسوخ ٹھہرا دیتے ہیں۔ انہیں اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔ آدھے آدھے ٹکڑے لے کر احادیث کی قطع و برید بری بات ہے۔ مکمل احادیث صحیحہ پر عمل کرنا چاہئے۔ یہاں نہ کوئی ناسخ ہے نہ کوئی منسوخ ہے۔ کوئی ایسی روایت ثابت نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اکہری اقامت سے منع فرما دیا تھا۔

اذان میں اضافہ شیعہ کی اذان بہت لمبی ہے۔ انہوں نے اس کے بیچ میں اچھا خاصا اضافہ کیا ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کئی فقرے گڑھ کر اس میں داخل کر رکھے ہیں۔ مثلاً اشھد ان علیا ولی اللہ وغیرہ۔

اس اذان کو سیاسی اذان کہا جا سکتا ہے۔

شیعہ کے ابو جعفر محمد علی الصدوق المتوفی ھجہ ۳۸۱ نے من لا یحضرہ الفقیہ میں ان اضافوں کی سخت تردید کی ہے اور اضافہ کرنے والوں کو ملعون قرار دیا ہے۔ اسی طرح صاحب مجلس الابرار نے بھی ان بدعات پر سخت گرفت کی ہے

(ص ۳۰۷)

زمانہ حال کے شیعہ مصنف ڈاکٹر موسیٰ موسوی لکھتے ہیں سید مرتضیٰ جو پانچویں صدی کے اکابر علمائے شیعہ امامیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں جس نے نمازوں کی اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ کہا اس نے حرام عمل کا ارتکاب کیا (اصلاح شیعہ مترجم ص ۱۸۴) نیز لکھتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر آج حضرت علی رضی اللہ عنہ بقید حیات ہوتے اور نماز کیلئے اذان میں مناروں سے اپنا نام ذکر ہوتا سنتے تو اسے جاری کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے دونوں پر برابر حد نافذ کرتے۔

(ص ۱۸۸)

بجلی سے چلنے والا درود شیعہ کی دیکھا دیکھی اہل سنت والجماعت کہلانے والے حنفی بریلوی برادران نے بھی اذان کے شروع میں اضافہ کر لیا ہوا ہے۔ یہ اضافہ چونکہ لاؤڈ اسپیکر ایجاد ہونے کے بعد رونما ہوا ہے اس لحاظ سے ان کی اس اضافی اذان کو اسپیکری اذان کہا جاتا ہے۔ یہ اضافہ رنگا رنگ کے خود ساختہ درود و سلام پر مشتمل ہے۔ اگر بجلی چلی جائے تو پھر یہ عشاق صرف اصلی اذان پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے اس خود ساختہ درود کو الیکٹرک درود کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ یہ صرف بجلی سے چلتا ہے۔ اس غنائیے کا تعلق نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہے نہ ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ سے ہے پھر نہ جانے یہ کس طرح اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت حنفی مقلد کہلواتے ہیں۔ یہ تو بالکل غیر مقلدوں والا کام ہے۔ سیانے لوگ ایسی حرکتیں نہیں کرتے۔ چند برس ہوئے مشہور بریلوی عالم مولنا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کا فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا اذان کے کلمات مقرر ہیں۔ اس میں کمی بیشی کرنا یا ان کے آگے پیچھے درود شریف یا قرآن کریم کی آیات بلا فصل ملانا بدعت ہے اور عبادت میں خلل ڈالنے کے مترادف ہے الخ۔ اسی مکتب فکر کے ایک اور بزرگ فرماتے ہیں قرون اولیٰ میں بلکہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان سے پہلے بلند آواز سے تسمیہ یا صلوۃ و سلام پڑھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ (بلکہ آج بھی پاکستان کے

کئی علاقوں میں اس کا رواج نہیں۔ زیادہ تر پنجاب ہی اس کی زد میں ہے۔ مصنف) دراصل یہ وہابیوں اور دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خواں قسم کے موذنین نے پیدا کئے ہیں۔ یہ رسم جو اسلام میں معہود نہیں تھی جہلا پڑھتے چلتے جا رہے ہیں اور علماء کرام خاموش ہیں۔ پتہ نہیں کیا وجہ ہے (ملخص از انوار الصوفیہ' ترجمان آستانہ علی پور شریف' جنوری ۱۹۷۸ء) انہی سے تعلق رکھنے والے ایک اور مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ فجر ہونے سے پہلے لاؤڈ سپیکر پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ (فتویٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۸)

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ یہ اذان میں اضافے والی وبا آٹھویں صدی ہجری میں بھی پھوٹی تھی اور رافضی اس کے موجد تھے۔ ۷۹۱ھ میں منطاش نامی ایک گورنر نے بعض جاہل صوفیوں کے مشورہ سے ایک خواب گھڑی اور مصر کے داروغہ نجم الدین الطنبری کو سنا کر بطور تثویب اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام شروع کرا دی۔ یہ داروغہ بقول علامہ مقریزی بڑا راشی جاہل اور ظالم تھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الخطط الا ثار مقریزی ج ۴ ص ۴۴ تا ۴۷۔

علماء امت نے بروقت اس کا نوٹس لیا تھا اور یہ منحوس سلسلہ رک گیا۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی ہیثمی فرماتے ہیں۔ نہ کسی حدیث میں اور نہ ہمارے ائمہ کے کلام میں قبل از اذان صلوٰۃ اور بعد از اذان محمد رسول اللہ ﷺ کہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ دونوں عمل سنت نہیں ہیں۔ جو شخص سنت سمجھ کر ان پر عمل کرتا ہے اسے اس سے روکنا چاہئے اس لئے کہ یہ بلا دلیل شریعت سازی ہے (الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیتہ ج ۱ ص ۱۳۱)

بعض لوگ اذان اور اقامت کے آخر میں آہستہ سے محمد رسول اللہ کا کلمہ بڑھا دیتے ہیں۔ یہ بھی بے موقع ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ لوگ ترجیع کے ساتھ اذان نہیں کہتے جو کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور اذان کے شروع یا آخر میں صلوٰۃ وسلام کے نام پر اتنی لمبی قوالی کر دیتے ہیں جس کا ثبوت ان کی کتاب عشق کے سوا کہیں نہیں ہے۔

تثویب حضرت ابو محذورہ کو نبی ﷺ نے فرمایا صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو بار الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو (ابوداؤد ص ۱۹۰) چنانچہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی علیہ السلام کیلئے صبح کی اذان دیتا تو حی علی الفلاح کے بعد یہ کلمات کہتا تھا۔

نسائی باب التثویب فی اذان الفجر (ص ۷۵)

اس سے ثابت ہوا کہ تثویب کے یہ الفاظ نبی ﷺ کے فرمائے ہوئے ہیں اور یہ آپ کی سنت ہیں۔

تثویب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض لوگ (خاص طور پر شیعہ) اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ یہ اضافہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ شائد یہ دھوکہ انہیں اس روایت سے لگا ہے۔

إن المؤذن جاء عمر يؤذنه لصلوة الصبح فوجده نائما فقال الصلوة خير من النوم فأمره عمر أن يجعلها فى نداء الصبح (مؤطا امام مالك ص ٢٤)

موذن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نماز فجر کی اطلاع دینے آیا۔ آپ سو رہے تھے تو اس نے کہا الصلوۃ خیر من النوم تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے فجر کی اذان میں کہا کرو۔

حالانکہ اس روایت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ تم ان الفاظ کو صبح کی اذان میں کہا کرو بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ موذن نے آکر انہیں ان الفاظ سے جگایا بھی کیوں ہے؟ موذن کو یہ الفاظ صرف صبح کی اذان میں کہنا چاہئے تھے جیسا کہ مسنون طریقہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت میں کس قدر محتاط تھے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ تثویب صرف صبح کی اذان میں ہے حی علی الفلاح کے بعد۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے

سنت یہ ہے کہ موذن اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کہے (دار قطنی ج ۱ ص ۲۴۳) نیز نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

لا تثوبن فی شیئ من الصلوات إلا فی صلوۃ الفجر (ترمذی ص ۱۷۷) فجر کے سوا کسی بھی نماز کیلئے تثویب نہ کہنا۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ تثویب کے الفاظ مقرر ہیں اور وہ یہ ہیں الصلوۃ خیر من النوم۔

احناف کی تثویب اب ملاحظہ فرمایئے حنفیہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

والتثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلوۃ إلاّ فی المغرب - وھو رجوع المؤذن الی الأعلام بالصلوۃ بین الأذان والإقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما التنحنح أو بالصلوۃ الصلوۃ أو قامت قامت لأنہ للمبالغۃ فی الأعلام وإنما یحصل بما تعارفوہ (فتاوی عالمکیری ج ۱ ص ۵٦)

مغرب کے سوا باقی سب نمازوں میں متاخرین نے تثویب کو پسند فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ موذن اذان اور اقامت کے درمیان لوگوں کو دوبارہ نماز کی اطلاع دے تثویب ہر شہر کے عرف کے مطابق ہونی چاہیئے مثلاً کھنکھارے یا کہے نماز نماز یا کہے کھڑی ہوگئی کھڑی ہوگئی۔ کیونکہ تثویب کا مقصد اطلاع میں مبالغہ ہے اور یہ عرف سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

ان فقہا نے مغرب کی نماز کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ پتہ نہیں اس بے چاری سے کیا قصور سرزد ہوا ہے۔

ہدایہ شریف میں ہے۔

والتثویب فی الفجر حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح مرتین بین الأذان والإقامة حسن.

فجر کے وقت اذان اور اقامت کے درمیان حی علی الصلوۃ ' حی علی الفلاح کے ساتھ موذن کا تثویب کہنا اچھی بات ہے۔

آگے لکھا ہے (ترجمہ) اس لئے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اور یہ تثویب باقی نمازوں میں مکروہ ہے۔ تثویب کا معنی لوگوں کو عام فہم طریقے سے نماز کی دوبارہ اطلاع دینا ہے۔ یہ تثویب تبدیلی احوال کی وجہ سے علمائے کوفہ (احناف) نے عہد صحابہ کے بعد ایجاد کی ہے اور انہوں نے اسے فجر کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ جہاں تک متاخرین کا تعلق ہے انہوں نے امور دینیہ میں سستی پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس تثویب کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ موذن حاکم کیلئے تمام نمازوں کے وقت یوں کہے۔

السلام علیك أیها الامیر ورحمة الله وبرکاته حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح۔ الصلوۃ یرحمك الله

اے امیر تجھ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔ آؤ نماز کی طرف آؤ کامیابی کی طرف۔ تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس تثویب کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ جماعت کے معاملہ میں سب برابر ہوتے ہیں اور امام ابو یوسف نے حکام کو اس لئے مخصوص کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے کاموں کی انجام دہی میں بہت مشغول ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ وہ نماز باجماعت سے محروم نہ رہ جائیں۔ بلکہ اسی طرح قاضی صاحب اور مفتی صاحب کیلئے بھی تثویب کہی جا سکتی ہے۔ نیچے بین السطور میں لکھا ہے اور ہر اس شخص کیلئے جو پبلک ڈیلنگ کرتا ہو (ص ۵۸ ' ۵۹)

میں کہتا ہوں جب احناف کے حاکموں' قاضیوں' مفتیوں اور افسران کو ہر نماز کے وقت نماز کی دوبارہ اطلاع دینے کے لئے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انہیں خوش کرنے کے لئے بطور تثویب سلام وغیرہ کہی جا سکتی ہے تو تثویب کیلئے بریلوی حضرات اگر نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیج دیں تو کون سا جرم ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو حنفیہ کی مستند اور نصاب کی کتابوں میں لکھی ہیں۔ مگر الحمدللہ اب موجودہ احناف میں یہ جرات نہیں کہ انہیں اپنی کتابوں میں جگہ دیں یا اپنی مسجدوں میں ان پر عمل کرائیں۔ پھر بھی انہیں اصرار ہے کہ ان کی فقہ میں کوئی بات غلط نہیں ہے۔ میرے بھائی اگر یہ باتیں درست ہیں تو ان پر عمل کرو۔ شرماتے کیوں ہو۔ کمشنر صاحب' ڈپٹی کمشنر صاحب' ایس پی صاحب' حضرت مفتی صاحب بلکہ اسلام آباد میں صدر صاحب' وزیراعظم صاحب' صوبائی دارلحکومتوں میں گورنر صاحب' وزیر اعلیٰ صاحب وغیرہم کو اذان اور اقامت کے درمیان لاؤڈ سپیکر پر سلام کہا کرو' اور اگر غلط ہیں تو ان سے اعلان دستبرداری کرو۔

مجاہد بیان کرتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا جہاں اذان ہو چکی تھی۔ ہم وہاں نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ موذن نے تثویب شروع کر دی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے نکل آئے اور فرمایا ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو (ترمذی ص ۱۷۷ ابوداوٗد ص ۲۱۱)

اذان کا جواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن (عن ابی سعید الخدری- مسلم ص ١٦٦، بخاری ص ٨٦)

اذان سنو تو وہی کہو جو موذن کہتا ہے۔

البتہ حی الصلوۃ اور حی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ إلا باللہ کہنا چاہئے۔ (فرمان نبوی ﷺ' عن عمر۔ مسلم ص ۱۶۷) یاد رہے جس طرح حیعلتین کے جواب میں حوقلہ پڑھنے کا حکم ہے اسی طرح اذان کا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں جس کے جواب میں نبی ﷺ نے کچھ اور پڑھنے کو ارشاد فرمایا ہو۔ بلکہ حکم یہ ہے جو موذن کہتا ہے سو تم کہو۔ بہت سے لوگ الصلوۃ خیر من النوم

کے جواب میں صدقت وبررت وبالحق نطقت کہتے ہیں۔ نماز مسنون میں بھی کتاب الاذکار للنووی ص ۳۷ کے حوالے صدقت و بررت کے الفاظ کی تلقین کی گئی ہے (ص ۲۵۹) حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۴)

انگوٹھے چومنا ہمارے ہاں ایک طبقہ أشهد أن محمدا رسول الله کے جواب میں اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے۔ یہ لوگ اسے ادب خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بدعت ہے۔ اور بدعت سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ انہی انگوٹھوں سے یہ گھنٹہ گھنٹہ "وٹوانی" کرتے ہیں اور استنجا کرتے ہیں اور پھر انہیں انگوٹھوں کو نام محمد مصطفیٰ ﷺ تصور کر کے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ إنا لله وإنا اليه راجعون

ان کے "محققین" انگوٹھے چومنے کی تائید میں علامہ سخاوی کی المقاصد الحسنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت خضرؑ اور حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کچھ قصے نقل کرتے ہیں۔ جن کے متعلق خود علامہ سخاوی ہی فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مضمون کی تمام روایتوں کو موضوع فرمایا ہے (تیسیر المقال) ابن طاھر فتنی زرقانی ملا علی قاری علامہ عینی وغیرہم نے بھی انہیں موضوع لکھا ہے (بحوالہ عماد الدین ص ۱۲۳)

ہمارے ہاں ایک بزرگ انگوٹھے چومنے کے بیان میں آئے دن اپنے قد کے برابر اشتہار چھاپ کر تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ انہی کے فرقہ کے بانی جناب احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک ﷺ انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ (مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۱۵۵ بحوالہ نماز پیمبر ص ۱۱۰)

بے وقت درود کی ایک اور مثال بعض عاشق أشهد أن محمدا رسول الله کے جواب میں صدقتے یارسول اللہ یا ﷺ کہتے ہیں۔ یہ بھی غلط طریقہ ہے۔

حکم نبوی ﷺ یہ ہے جو موذن کہے وہی تم بھی کہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام سن کر درود شریف تو پڑھنا چاہیئے۔ تو گزارش ہے کہ سنت کے مطابق پوری اذان سن کر بعد میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔

اذان کے بعد دعا چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول المؤذن ثم صلوا على فانه من صلى على صلوة صلى الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله لى الوسيلة (عن عبد الله بن عمرو بن العاص، مسلم ص ١٦٦)

اذان سنو تو تم بھی وہی کہو جو موذن کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔

یعنی صحیح طریقہ یہ ہے کہ موذن کے ساتھ وہی کلمات دہرائے جائیں جو وہ کہتا ہے (سوائے حیعلتین کے) اذان ختم ہونے کے بعد اول درود شریف پڑھنا چاہیئے جسے کہ عام لوگ نہیں پڑھتے۔ پھر اس کے بعد نبی ﷺ کیلئے وسیلہ کی دعا مانگنی چاہیئے۔ جس کے الفاظ نبی ﷺ نے یہ بتلائے ہیں۔

اللهم رب هذا الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمد ن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا ن الذى وعدته (عن جابربن عبد الله، بخارى ص ٨٦)

اے اللہ جو رب ہے اس پوری پکار اور نماز قائم رہنے والی کا دے محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور انہیں معبوث فرما اس مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا۔

کئی لوگ الفضیلة کے آگے والدرجة الرفيعة بڑھا دیتے ہیں۔ اس کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں مجھے یہ الفاظ کسی روایت میں نہیں ملے (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۶۳ تحفہ ص ۱۸۵) اور پھر آخر میں

وارزقنا شفاعته يوم القيامة يا ارحم الرحمين بھی بڑھاتے ہیں۔ یہ بھی ثابت نہیں۔ البتہ آخر میں إِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادْ کی زیادتی کا ثبوت بیہقی میں موجود ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۹۵)

ریڈیو اور ٹی۔ وی کے مولوی محمداً سے پہلے سیدنا اور الرفيعة کے بعد العالية بھی بڑھاتے ہیں۔ یہ اضافہ در اضافہ ہے۔ اسے حق نمک کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

نبی ﷺ سے یہ بھی مروی ہے جو شخص اذان سن کر یہ پڑھے۔

أشهدان لا إلـه إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدًا عبده ورسوله رضيت بالله ربا وبمحمد رسولا وبالاسلام دينا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اور محمد ﷺ کو رسول مان کر اور اسلام کو دین مان کر راضی ہوگیا۔

اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۔ مسلم ص ۱۶۷)

مغرب کی اذان کے بعد آپ ﷺ سے ایک یہ دعا بھی منقول ہے۔

اللهم هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعاتك فاغفرلی (عن ام سلمه ابوداؤد ص ۲۰۹)

یااللہ یہ وقت ہے تیری رات کی آمد کا اور تیرے دن کی رخصتی کا اور تیرے پکارنے والوں کی آوازوں کا پس مجھے بخش دے۔

موذن کا انتخاب اس میں شک نہیں اذان دینے کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے لیکن بمصداق لکل فن رجال یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ بعض

لوگ صرف اس لئے اذان دینے پر مصر ہوتے ہیں کہ انہیں اس کا بہت شوق ہوتا ہے۔ یا کسی دنیوی حیثیت سے وہ اپنا حق فائق سمجھتے ہیں۔ ایسے شائقین کو ان کا شوق مبارک ہو۔ ویسے شرعی نقطہ نظر سے موذن ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو ایک تو بلند آواز ہو اور دوسرے خوش الحان بھی ہو۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا۔ ازراہ مروت ان کا حق بنتا تھا کہ اذان دیتے یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو اذان سن کر دوڑے آئے تھے اور کہا خدا کی قسم یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔

فقم مع بلال فالق عليه ما رأيت فليؤذن به فإنه اندى وامد صوتا منك (ترمذی ص ١٦٨)

اٹھو اور بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب والے یہ کلمات سکھلا دو وہ اذان دیں ان کی آواز تمہاری بہ نسبت بلند و بالا ہے۔

نیز حضرت ابو مخدورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہم دس نوجوانوں نے فتح مکہ کے بعد حنین میں ازراہ مذاق مسلمانوں کی اذان کی نقل اتاری۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان میں سے ایک انسان کی آواز بہت خوبصورت ہے۔ ہمیں بلا کر آپ نے باری باری سب کی اذان سنی۔ آخر میں میری باری آئی۔ میں نے اذان کہی۔ تو مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ میری پیشانی پر اپنا دست مبارک پھیرا اور تین بار برکت کی دعاء فرمائی اور پھر فرمایا جاؤ تمہیں مسجد حرام کا موذن مقرر کیا جاتا ہے (نسائی ص ۷۴)

اسکو چھٹی نہ ملی جسے سبق یاد ہوا

بلوغ المرام میں ابن خزیمہ کے حوالے سے حضرت ابو مخدورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

أن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أعجبه صوته فعلمه الأذان

نبی علیہ السلام کو ابو مخدورہ کی آواز اچھی لگی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھلائی۔

آج موذن اگر بلند آواز نہ ہو تو یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد

نے کافی حد تک اس کی تلافی کر دی ہے۔ البتہ کم از کم اسے خوش آواز ضرور ہونا چاہئے۔ خوش آواز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بس اس کی آواز سریلی ہو اور وہ گا سکتا ہو۔ گانے کے انداز میں اذان نہیں کہنی چاہئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے گانے کی طرز پر اذان کہنے والے کو سختی سے منع فرمایا تھا (بخاری ص ۸۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موذن کے بارے میں کہا میں اس سے ناراض ہوں کیونکہ یہ ایک تو اپنی اذان میں گاتا ہے دوسرے یہ کہ اذان دینے پر اجرت لیتا ہے۔

(طحاوی ج ۲ ص ۲۷۰ بحوالہ محلی ج ۲ ص ۱۸۳)

خوش الحان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اچھی آواز کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی خوبصورت اور پاکیزہ ہو اور تلفظ بھی درست ہو۔ اذان بھی ایک قسم کی تبلیغ ہے۔ خوبصورت آواز اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتی ہے۔ بھدی آواز میں اذان دینے سے نماز کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ سننے والے مذاق اڑاتے ہیں۔ اب جو اٹھتا ہے محض ثواب لینے کے لئے اذان داغنا شروع کر دیتا ہے۔ چاہے اس کی اذان نمازیوں کو بھگانے اور بچوں کو ڈرانے کے کام ہی آتی ہو۔ اگر ثواب ہی لینا ہے تو ثواب لینے کیلئے ہر ایک کے حسب حال اور بہت سے مواقع ہوتے ہیں۔ یہی تو ایک عمل نہیں رہ گیا جس پر بلاوجہ ضد بازی کی جائے۔ بعض لوگ حلق سے ایسی عجیب و غریب آوازیں نکالتے ہیں کہ گھن آتی ہے۔ اپنے خیال کے مطابق شائد وہ تان سین کا ریکارڈ توڑتے ہیں۔ یہ اذان کے کلمات مقدسہ کی توہین ہے بعض مقامات پر اذان بے التفاتی کا شکار بھی ہے اسے خادموں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ خادموں کی عزت سر آنکھوں پر لیکن معاف رکھنا یہ ضروری نہیں جو جھاڑو اچھا پھیر لیتا ہو وہ اذان بھی اچھی کہہ لیتا ہو۔ امام کی طرح موذن کا بھی ایک مقام ہے۔ اس کے لئے بھی کچھ شرائط و آداب ہیں۔

ہر مسجد کی انتظامیہ کی خدمت میں مجھ ناچیز کی یہ درخواست ہے کہ وہ اذان دینے کے شائقین کو مجبور کریں کہ پہلے جا کر وہ کسی استاد سے اپنی آواز ٹسٹ

کروائیں، لہجہ اور تلفظ چیک کرائیں اور باقاعدہ ان سے اس کی تعلیم حاصل کریں اور پھر ان سے سند لیں۔ جیسے نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سند دی تھی۔ نبی ﷺ کے دیگر صحابہ کرام کو بھی اذان دینے کے فضائل معلوم تھے مگر ان میں سے ہر کوئی موذن نہیں تھا۔ اذان کے معاملہ میں خداداد صلاحیت کو بھی بہت دخل ہے۔

اذان اور اجرت نبی ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا

أن أتخذ مؤذنا لا يأخذ على أذانه أجرا (ترمذی ص ١٨٤، نسائی ص ٧٧)	موذن ایسا رکھنا جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے موذن تنخواہ دار نہیں ہونا چاہئے۔ مگر حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں اذان دینے پر ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں چاندی تھی (نسائی ص ۷۴، ابن ماجہ ص ۵۲)

بعض نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو منسوخ کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے ہو سکتا ہے نبی ﷺ نے انہیں تالیف قلب کیلئے تھیلی عطا فرمائی ہو۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ یوں تطبیق دیتے ہیں کہ اگر اجرت مشروط ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۱) حافظ ابن حزم کا بھی یہی خیال ہے (محلی ج ۲ ص ۱۸۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اجرت نہ لینے کو استحباب پر محمول فرمایا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اجرت لینے کو جائز سمجھتے ہیں (محلی ج ۲ ص ۸۲۔ تحفہ ص ۱۸۴) متقدمین احناف ناجائز سمجھتے تھے۔ متاخرین نے جائز قرار دیدیا ہے (ہدایہ اخیرین ص ۲۵۳)

نماز مسنون ص ۲۵۱ میں لکھا ہے۔

أن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان كان يرزقان المؤذنين والأئمة (منقول از الفاروق ص ٤٥٥ بحواله سيرة العمرى لا بن جوزى)	حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اماموں اور مؤذنوں کو وظائف دیا کرتے تھے۔

متقدمین احناف کو شاید یہ حوالہ نہیں ملا ہوگا متاخرین کو مل گیا اس لئے

انہوں نے اپنے سابقہ مسلک سے رجوع فرما لیا۔ کتنی اچھی بات ہے۔ ایسے ہی ہونا چاہئے۔ خاکسار کا یہ مشورہ ہے کہ ائمہ اور موذنین کے ذمہ چونکہ اور بھی خدمات ہوتی ہیں۔ وہ اگر اپنے مشاھرے کو امامت اور اذان کی بجائے اپنی ان دیگر خدمات و مصروفیات کا معاوضہ تصور کر لیا کریں تو بہتر ہے تا کہ ان کی عبادت بالکل بے لوث اور غیر مشکوک ہو جائے۔ انتظامیہ کو بھی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے۔

موذن کا دائیں بائیں رخ کرنا حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو (حیعلتین کے وقت) ادھر ادھر منہ کرتے دیکھا (بخاری ص ۸۸ مسلم ص ابوداؤد ص ۲۰۴)

اب مائک چونکہ سامنے کی جانب ہوتا ہے اس لئے موذن ذرا اس کی کم ہی پرواہ کرتے ہیں۔ لیکن سنت جو ہے وہ بہرحال قائم رہنی چاہئے۔

کانوں میں انگلیاں ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوران اذان میں ادھر ادھر منہ کرتے دیکھا جبکہ ان کی انگلیاں ان کے کانوں میں تھیں۔ (ترمذی ص ۱۷۶)

بخاری شریف میں ہے۔

ویذکر عن بلال انـه جعـل اصبعیـه فی اذنیه (ص ۸۸)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کانوں میں انگلیاں رکھتے تھے۔

اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اذان بلند آواز سے ہونی چاہئے جیسا کہ آج بھی دیکھا گیا ہے کئی قراء حضرات جب انہوں نے اپنی آواز کو اٹھانا ہو تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ اور دیہات میں لوگ کوک مارتے وقت بھی ایسا کرتے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر پر اذان عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لاؤڈ اسپیکر ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ شریعت کا حصہ تو یقیناً نہیں ہے۔ اب یہ ہر عبادت گاہ کی لازمی ضرورت بن گیا

ہے۔ وہ مسجد ہی کیا جو لاؤڈ اسپیکر سے محروم ہو اور وہ مسجد ہی کیا جس کے چبوترے پر درجن بھر ہارن نصب نہ ہوں۔ ہر محلے میں متعدد مسجدیں ہوتی ہیں اور ان کی نمازوں کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے صبح، دوپہر، سہ پہر، شام اور رات کتنی کتنی دیر تک کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی اذانیں گونجتی رہتی ہیں۔ افسوس کہ مسجد والوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو عذاب بنا کے رکھ دیا ہے۔ اہل محلہ مصلحتاً خاموش رہتے ہیں اور عبادت کا لحاظ کر کے دخل در نامعقولات سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں شائد لاؤڈ اسپیکر بھی دین کا کوئی حصہ ہی ہے۔ مگر مسجد والے ان کی نرمی ان کی سادگی اور ان کی نیک نیتی کا غلط فائدہ اٹھا کر دن بدن کچھ حد سے زیادہ ہی تجاوز فرماتے جا رہے ہیں۔ میری ناقص رائے میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا یہ مقابلہ بند ہونا چاہیے۔

بات یہ ہے کہ اس آلہ جہیر الصوت کے ذریعے کہی ہوئی اذان میلوں دور تک چلی جاتی ہے جبکہ موذن وہاں تک اپنی آواز پہنچانے کا مکلف نہیں ہے اور نہ ہی اتنی دور سے لوگ اس مسجد میں آنے کے مکلف ہیں۔ جہاں تک بغیر اسپیکر کے اذان کی آواز پہنچتی ہے بس وہی لوگ مسجد میں آنے کے پابند ہیں۔ نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے اپنے عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو نبی ﷺ نے فرمایا

هل تسمع النداء بالصلوة فقال نعم قال فأجب (مسلم ص ۲۳۲)
کیا تمہیں اذان کی آواز آتی ہے عرض کیا ہاں تو فرمایا حاضر ہوا کرو۔

ظاہر ہے کہ وہ اذان سپیکر کے بغیر ہی ہوتی تھی۔ اس حدیث شریف سے جہاں مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی تاکید ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف قرب و جوار والے ہی مسجد میں آنے کے مکلف ہیں۔ لہذا اپنی آواز کو وہیں تک محدود رکھنا چاہیے۔ ان دل دہلا دینے والی آوازوں کو میلوں دور تک پہنچانا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے اور ایک بے کار کام ہے۔ جب یہ

مسجدیں لاؤڈ اسپیکروں کی "نعمت" سے محروم تھیں اذان دینے کیلئے مسجدوں کے ساتھ مینارے تعمیر کرنے کا رواج تھا۔ عجیب بات ہے اب لاؤڈ اسپیکر بھی آگئے ہیں مگر میناروں کی رسم جوں کی توں باقی ہے۔ اب انہیں مسجد کی علامت اور شعار بنا دیا گیا ہے۔ اور بسا اوقات ان بلند و بالا میناروں پر خود مسجد کی عمارت سے بھی زیادہ خرچ اٹھ جاتا ہے۔ کئی سال تک عوام سے چندہ مانگ مانگ کر یہ مہنگی اور خطرناک تعمیر جاری رہتی ہے۔ اب ان پر موذن نہیں کھڑا ہوتا بلکہ خوفناک بھوتوں کی طرح ان پر ہارنوں کی قطار فٹ ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ کام مسجد کی چھت یا آہنی کھمبے سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ اب سب لوگ مسجد کے اندر اذانیں دینے لگے ہیں۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک کوئی بھی اذان مسجد کے اندر نہیں دی جاسکتی۔

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد (فتاوی عالمکیری ج ۱ ص ۵۵)

اذان چبوترے پر یا مسجد سے باہر دی جائے مسجد میں اذان نہ دی جائے

اہل محلہ کی خاموش شکایت کے پیش نظر عرض ہے کہ یا تو اذانیں بغیر اسپیکر کے کہی جائیں جیسے عہد نبوی ﷺ میں ہوتی تھیں یا پھر ان کی آواز اتنی مدھم رکھی جائے کہ کسی ہمسائے کو تکلیف نہ ہو۔

گستاخی نہ ہو تو عرض کروں اصل چیز نماز ہے۔ اذان تو صرف اس کی اطلاع کیلئے ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں اگر گھڑیاں ایجاد ہو چکی ہوتیں تو شاید اذان کہنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ عبداللہ بن زید والی روایت کے مطابق سب کو معلوم ہے کہ نماز کی اطلاع دینے کیلئے مختلف طریقے سوچے گئے تھے جب کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ خواب اذان کا طریقہ مسنون فرمایا اب یقیناً یہ مذہب کا شعار ہے ایمان کی تجدید ہے اسلام کی تبلیغ ہے نماز کی دعوت ہے اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور یہ ہر حال میں دی جائے گی۔ مگر لاؤڈ اسپیکر لگا کر بار بار اہل شہر کو دکھ دینا اور چاروں طرف سے ان کی قوت سماعت پر حملہ کر دینا اور بار گراں بن کر ان کے اعصاب پر نازل ہونا ہرگز سنت مصطفوی ﷺ نہیں ہے

بلکہ سچی بات یہ ہے کہ نمازیوں کو نمازوں کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں لاؤڈ اسپیکر کے کھڑاک کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ ہدایہ کی یہ عبارت قابل غور ہے۔

ولو اکتفی بالإقامة جاز لان الأذان لاستحضار الغائبین والرفقة حاضرون (ج۱ ص ٦١)

سفر میں صرف اقامت پر اکتفا کر لیں تو جائز ہے کیونکہ اذان کا مقصد غیر حاضرین کو حاضر کرنا ہے اور ساتھی حاضر ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی حنفی فرماتے ہیں لاؤڈ اسپیکر کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریرات میں اس کا استعمال جائز ہے اور جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اس کا اتباع مفسد صلوٰۃ ہے۔

تھانوی صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ بنام التحقیق الفرید فی التہ التقریب لصوت البعید تالیف فرمایا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں ----- خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت۔ میری مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے۔ یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے چونکہ سماع بھی مقصود ہے اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا مگر اسی حد تک جو یسر کے ساتھ ہو۔ چونکہ آلہ مکبر الصوت کا مفسدہ قوی ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو احترام مسجد کے خلاف ہے اور نیز شبہہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ مثلاً مجلس رقص و سرود کہ اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اس کا استعمال کیا جائے اس شبہہ کی بنا پر فقہاء نے مسجد میں درخت لگانے کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیع والکنیسہ سے معلل کیا ہے۔

(منقول از عماد الدین ص ۳۱۱' ۳۱۲)

یاد رہے یہ تکلیف دہ صورت صرف اذانوں اور خطبوں تک محدود نہیں۔

رضا خانی احناف کے ہاتھوں لاؤڈ اسپیکر کی ہر وقت شامت آئی رہتی ہے۔ فل آواز کھول کر کبھی فلمی گیتوں کے وزن پر نعتیں گا کر حضور ﷺ سے اظہار عشق فرمایا جا رہا ہے۔ اور اس کے عوض میراثیوں کی طرح سامعین سے بیلیں وصول کی جا رہی ہیں۔ کبھی صل علی کی قوالی ہو رہی ہے۔ کبھی بھک منگوں کی طرح جزاک اللہ ماشاء اللہ کہہ کہہ کر روپیہ روپیہ دو دو روپیہ چندہ کی اپیلیں کی جا رہی ہیں کبھی ساری ساری رات اپنے گلے اور لوگوں کے کان پھاڑے جا رہے ہیں۔ کبھی ختم شریف کبھی رسم قل شریف کبھی میلاد شریف اور کبھی عرس شریف کے اعلانات ہو رہے ہیں۔ یعنی وہی لوگ جو کبھی لاؤڈ اسپیکر پر فتویٰ لگاتے تھے اب اسکے بغیر ان کا کوئی مذہبی پروگرام بھی ناممکن ہے۔ یقین جانئے اہل محلّہ کا جی چاہتا ہے کہ اپنے گھر اونے پونے بیچ کر کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں ان کے میوزک سے جان چھوٹ جائے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا (ابراھیم: ۲۸)

کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أَللهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ (مومن : ٦١)

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو۔

مگر اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ ان مسجد والوں نے رات کو بے آرام کر کے رکھ دیا ہے۔

رد المحتار شرح در المختار المعروف فتاویٰ شامی میں ہے۔

اہل مسجد کو اتنی اونچی ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے کسی سونے والے کی

نیند میں یا نمازی کی نماز میں یا تلاوت کرنے والے کی تلاوت میں خلل واقع ہو (ج اص ٦٦٠)

ایک حدیث قدسی کے مطابق ارشاد ربانی ہے۔

یا عبادی ان حرمت الظلم علی نفسی فلا تظالموا

اے میرے بندو میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کیا ہے پس تم بھی ظلم نہ کرو۔

آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے آپ نے لوگوں کو باواز بلند قرآن مجید پڑھتے سنا تو پردہ ہٹا کر ارشاد فرمایا۔

ألا إن کلکم مناج ربه فلا یوذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأة اوفی الصلوة (عن ابی سعید ابوداؤد ج١ ص ٥١٠)

تم سب اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہو۔ اس لئے ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ تلاوت میں یا نماز میں اپنی آواز ایک دوسرے سے بلند نہ کرو۔

گھر میں اذان اگر کسی وجہ سے گھر میں جماعت کا پروگرام بن جائے تو وہاں بھی اذان اور اقامت کہی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں بھی ہے۔

فإن صلی فی بیته فی المصر یصلی بأذان واقامة لیکون إلا داء علی هیاة الجماعة وإن ترکها جاز لقول ابن مسعود أذان الحی یکفینا (ص ٦١)

اگر شہر میں اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھے تاکہ نماز جماعت کی شکل میں ادا ہو نہ بھی کہے تو جائز ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے ہمیں قبیلے کی اذان کافی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اصل الفاظ یوں مروی ہیں۔

إقامة المصر تكفينا (مصنف عبد الرزاق، درايه)
ہمیں شہر کی اقامت کافی ہے۔

عبداللہ بن مسعود کے اثر میں یا ہدایہ کی عبارت میں شہر کی قید اتفاقی معلوم ہوتی ہے کیونکہ نماز یا اذان یا اقامت کے معاملے میں کسی کے نزدیک شہر اور دیہات کا کوئی فرق نہیں ہے۔

عورتیں اگر گھر میں باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو وہ بھی اگر چاہیں تو کسی مرد موذن کے ذریعہ اذان کہلوا سکتی ہیں جیسے حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ نے نبی ﷺ سے اس کی اجازت حاصل کی تھی (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۰)

سفر میں اذان حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ بیس روز قیام کے بعد جب ہمارے وفد نے نبی ﷺ سے واپسی کی اجازت چاہی تو ارشاد فرمایا۔

أذا حضرت الصلوة فليؤذن أحدكم وليؤمكم أكبركم (بخاری ص ۸۷،۸۸)
نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور تمہارا کوئی بڑا آدمی امامت کرائے۔

جنگل میں اذان حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے نبی ﷺ نے ان سے فرمایا وہاں بھی بلند آواز سے اذان دیا کرو۔ جہاں تک آواز جائے گی وہاں کے جن وانس روز قیامت تمہاری اذان کی گواہی دیں گے (بخاری ص۸۶)

دو کیلئے اذان دو آدمی سفر پر روانہ ہونے لگے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا۔

إذا أنتما خرجتما فاذنا ثم اقيما ثم ليؤمكما أكبركما (عن مالك بن حويرث بخاری ص ۸۸)
سفر میں اذان اور اقامت کہنا اور تم میں جو بڑا ہے وہ امامت کرائے۔

اکیلے کیلئے اذان آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

يعجب ربك من راعى غنم فى رأس شظية الجبل يؤذن بالصلوة ويصلى (عن عقبه بن عامر، نسائى ص ٧٧)

تیرا رب خوش ہوتا ہے اس شخص سے جو کسی ٹیبے کی چوٹی پر بکریاں چرا رہا ہو وہاں اذان کہے اور نماز پڑھے۔

بلا وضو اذان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا۔

لا يؤذن إلاّ متوضئ (ترمذى ص ١٧٨)

صرف باوضو ہی اذان کہے۔

مگر یہ ضعیف ہے۔ اگلی روایت میں ان سے موقوفا مروی ہے

لا ينادى بالصلوة إلا متوضئ

نماز کیلئے صرف باوضو شخص ہی اذان پکارے۔

یہ بھی ضعیف ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا۔

أن الأذان متصل بالصلوة فلا يؤذن أحدكم إلا وهو طاهر (اخرجه ابو الشيخ بحواله تحفه ص ١٧٩، سبل ص ١٢٦)

اذان چونکہ نماز کے متصل ہوتی ہے اس لئے کوئی تم میں بلا وضو اذان نہ کہے۔

حنفیہ سمیت اکثر اہل علم کے نزدیک اذان میں وضو صرف مستحب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں چونکہ اذان نماز کا رکن نہیں اس لئے اس میں نماز والی شرائط بھی نہیں پائی جاتیں مثلا طہارت' استقبال قبلہ (جیسے حیعلتین کے وقت) خشوع' کانوں میں انگلیاں۔ (یعنی بجائے ہاتھ باندھنے کے)۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۵ تحفہ ۱۷۹)

ابراہیم نخعیؒ وضو کے بغیر اذان دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

(بخاری ص ۸۱)

اذان میں گفتگو امام بخاریؒ نے الکلام فی الاذان کے عنوان سے باقاعدہ باب باندھا ہے جس کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ اذان کے دوران میں بات چیت کر لیتے تھے۔ حسن بصریؒ کا کہنا ہے کہ اذان اور اقامت میں ہنسنا جائز ہے۔ اور یہ روایت لائے ہیں کہ بارش والے دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے موذن کو جب وہ حی علی الصلوۃ پر پہنچا تو حکم دیا کہ کہو الصلوۃ فی الرحال لوگ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے تو فرمایا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ص ۸٦) مقصد یہ ہے کہ الصلوۃ فی الرحال اذان کا حصہ نہیں بلکہ کلام ہے جو ضرورت کے وقت اذان میں کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ والا حوالہ بیہقی ج ا ص ۳۹۸ میں بھی بایں الفاظ موجود ہے۔

أنه كان يؤذن للعسكر فكان يأمر غلامه في أذانه بالحاجة (بحواله محلی ابن حزم ج۲ ص ۱۸۲) وہ لشکر کیلئے اذان کہتے تھے اور اذان کے بیچ میں ہی اپنے غلام کو کوئی کام بھی کہہ دیتے تھے۔

محلی میں اس کے آگے حضرت حسن بصریؒ کا قول یوں لکھا ہے۔

لا بأس أن يتكلم في أذانه للحاجة اذان میں ضرورت کی بات کر سکتا ہے۔

اقامت کا جواب اکثر لوگ پوری اقامت کے جواب میں اقامها الله وادامها کہہ دیتے ہیں۔ مسئلہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے کہ اذان کی طرح ہی تمام کلمات کا جواب دینا چاہیئے۔ مذکورہ کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قد قامت الصلوۃ کے جواب میں پڑھنے مروی ہیں۔ (عن ابی امامہ یا کوئی اور صحابی ابوداؤد ص ۲۰۸) ویسے اس حدیث کی صحت مشکوک ہے (عون المعبود)

اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ یہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ لوگوں نے

آنا بھی ہوتا ہے۔ وضو بھی کرنا ہوتا ہے اور نوافل بھی پڑھنے ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا۔

بين كل أذانين صلوة ثلاثا لمن شاء (عن عبد الله بن مغفل المزني مسلم ص ٢٧٨)

ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جس کا جی چاہے۔

آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔

واجعل بين أذانك وإقامتك قدرما يفرغ إلا كل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته (ترمذی ص ١٧٥)

اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے پینے والا اپنے پینے سے اور رفع حاجت کرنے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔

یہ روایت گو ضعیف ہے لیکن بات معقول ہے۔ دیگر صحیح احادیث کے مطابق مسئلہ یہی ہے کہ انسانی حاجتوں سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھنی چاہئے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

إذا كان أحدكم على الطعام فلا يعجل حتى يقضي حاجته منه وأن أقيمت الصلوة (عن ابن عمر بخاری ص ٩٢)

جب تم کھانا کھا رہے ہو تو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اطمینان سے فارغ ہونا چاہئے۔ خواہ نماز بھی کھڑی ہو جائے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے۔

يوضع له الطعام وتقام الصلوة فلا ياتيها حتى يفرغ وانه يسمع قراءة الإمام (بخاری ص٩٢)

ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز کھڑی ہو جاتی آپ رضی اللہ عنہ نماز میں شرکت نہ فرماتے یہاں تک کہ فارغ

ہو جاتے۔ آپ کو امام کی قراءت کی آواز سنائی دے رہی ہوتی تھی۔

حضرت ابودرداء صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

من فقه المرء اقباله على حاجته حتى يقبل على صلوته وقلبه فارغ (بخاری ص ۹۲)

یہ آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے کہ وہ ضروریات سے فارغ ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہو۔ اس حالت میں کہ اس کا دل دنیوی خیالات سے پاک ہو۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لا يصلى بحضرة الطعام ولا وهو يدافعه الا خبثان (عن عائشة مسلم ۲۰۸، أبوداود ص ۳۳)

کھانا حاضر ہو یا ٹٹی پیشاب کی حاجت ہو تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

حدیث شریف کی رو سے مغرب کی اذان اور اقامت اس مسئلہ سے مستثنٰی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ارشاد بھی ہے۔

صلوا قبل صلوة المغرب قال فى الثالثة لمن شاء كراهية أن يتخذها الناس سنة (عن عبد الله مغفل بخاری ص ۱۵۷)

مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو۔ تیسری بار ارشاد فرمایا جس کا جی چاہے۔ مطلب یہ تھا کوئی اسے سنت (یعنی موکدہ) نہ سمجھ لے۔

شام کو وقت چونکہ مختصر ہوتا ہے۔ اس لئے مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان لمبا وقفہ نہیں چاہئے۔ صحابہ کرام بھی اسی لئے مغرب کی اذان اور اقامت

کے درمیان نبی ﷺ کے تشریف لانے تک جلدی جلدی دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے کیونکہ وقفہ بہت تھوڑا ہوتا تھا۔

(عن انس بخاری ص ۷۸)

وقفہ تھوڑا ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دو مختصر رکعتیں بھی نہ پڑھی جا سکیں۔ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وقت صلوة المغرب مالم يغب الشفق (عن عبد الله بن عمر بن عاص مسلم ص ۲۲۳)	سورج کی لالی غائب ہونے تک نماز مغرب کا وقت رہتا ہے۔

اہل علم کو معلوم ہے کہ سورج غروب ہونے کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد سورج کی لالی غائب ہوتی ہے۔

حنفیہ ہر نماز تاخیر سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ مغرب کی نماز میں ادنیٰ سی تاخیر کو بھی مکروہ جانتے ہیں، اور دلیل یہ دیتے ہیں۔

قال عليه السلام لا تزال أمتى بخير ما عجلوا المغرب واخروا العشاء (هدايه ص ٥٤)	نبی ﷺ نے فرمایا میری امت اس وقت تک بخیریت رہے گی جب تک وہ مغرب کو جلدی اور عشاء کو دیر سے پڑھیں گے۔

حالانکہ یہ حدیث ہی کوئی نہیں۔ حدیث یہ ہے

لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر (عن سهل بخارى ص ٢٦٣، مسلم ص ٣٥١)	میری امت اس وقت تک باخیریت رہیگی جب تک وہ روزہ جلدی افطار کریں گے۔

تاخیر کو ہم بھی مستحب نہیں جانتے لیکن دو منٹ کی اجازت بھی نہ دینا کہ اتنے میں دو رکعتیں پڑھ لی جائیں یا رکعتیں نہیں تو کم از کم نمازی ہی پہنچ جائیں،

زیادتی ہے۔ حنفی بھائیوں کو مغرب کی نماز جلدی پڑھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو برائے مہربانی اذان وقت پر دے لیا کریں۔ جو وقفہ یہ لوگ غروب آفتاب اور اذان کے درمیان دیتے ہیں وہ وقفہ اگر اذان اور اقامت کے درمیان دے لیا کریں تو کتنی اچھی بات ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا نماز بھی لیٹ نہ ہوگی اور سنت کے مطابق عمل بھی ہو جائے گا۔ بلکہ اگر کسی نے روزہ رکھا ہوا ہے وہ وقت پر روزہ افطار کر لے گا کیونکہ روزہ جلدی افطار کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا اور نمازی بھی اکٹھے ہو جائیں گے اور اس انتظار کو غنیمت جان کر مسجد میں موجود اصحاب میں سے اگر کوئی صاحب دو رکعت نماز پڑھ لیں تو کیا مضائقہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مجموع الا دلة يرشد إلى استحباب تخفيفها كما في ركعتي الفجر (فتح الباری ج۲ ص ۱۰۹)

دلائل کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکعتیں ہلکی ہونی چاہیں جیسے فجر کی سنتیں۔

امر واقعہ یہ ہے جن مسجدوں میں نماز مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا وقت دیا جاتا ہے وہاں کے لوگ عموماً حنفیہ کی نسبت مغرب کی نماز جلدی پڑھتے ہیں۔ مصنف نماز مسنون نے نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کو جائز اور مباح فرمایا ہے (ص ۵۵۶)

ہدایہ ج ۱ ص ۵۹ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

ويجلس بين الأذان والإقامة إلا في المغرب وهذا عند ابی حنيفة وقالا يجلس في المغرب ايضا جلسة خفيفة لأنه لابدّ من الفصل اذا الوصل مكروه

امام ابوحنفیہ کے نزدیک مغرب کے سوا ہر اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھنا چاہیے۔ صاحبین فرماتے ہیں مغرب کے وقت بھی ہلکا سا وقفہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ ضروری ہے وقفہ نہ دینا مکروہ ہے۔

اکٹھی نمازوں کیلئے ایک اذان اور الگ الگ اقامت غزوہ خندق کے موقع پر ایک روز مسلمانوں کی نمازیں قضا ہوگئیں تو نبی ﷺ نے بعد از غروب آفتاب ظہر سے لے کر عشاء تک چاروں نمازیں ایک اذان اور الگ الگ اقامت کے ساتھ پڑھائیں (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ترمذی ج ا ص ۱۵۸)

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے عرفات میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء ایک ایک اذان اور الگ الگ اقامت کے ساتھ پڑھائیں۔ (عن جابر بن عبداللہ مسلم ص ۳۹۷، ۳۹۸)

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کیلئے اقامت بھی ایک ہی کہلوائی تھی (عن ابن عمر نسائی ص ۷۶) حضرت الاستاذ محشی بھو جیانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں اس حدیث میں اضطراب ہے نیز ہو سکتا ہے عشاء کے لئے الگ اقامت ہوئی ہو مگر کثرت ہجوم کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے نہ سن سکے ہوں۔

دوبارہ جماعت کیلئے اقامت ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر جماعت کیلئے اقامت ہونی چاہیے۔ حنفیہ دوبارہ جماعت کے قائل نہیں۔

اگر اپنے مسلک سے ہٹ کر انہیں پڑھنی پڑھ جائے (بلکہ اب تو اکثر پڑھتے ہیں) تو اس کے لئے اقامت نہیں کہتے۔ شائد وہ اسے خلاف سنت سمجھتے ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ مروی ہے۔

جاء انس بی مالك إلى المسجد قد صلى فيه فاذن واقام وصلى جماعة (بخاری ص ۸۹)

حضرت انس ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے دوبارہ اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کروائی۔

صحیح بات یہ ہے کہ اذان کی تو دوبارہ ضرورت نہیں البتہ اقامت دوبارہ کہنی

چاہئے۔

بلا وضو اقامت جس طرح اذان نماز کا حصہ نہیں اسی طرح اقامت بھی نماز کا حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا اذان کی طرح اصولاً اقامت بھی بغیر وضو جائز ہونی چاہئے۔ لیکن اقامت چونکہ نماز کے متصل ہوتی ہے شائد اسی مصلحت کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اقامت میں وضو کو مشروط قرار دیا ہے۔ (عینی بحوالہ تحفہ الاحوذی ص ۱۷۹) اور حنفیہ نے بھی بلا وضو اقامت کو صرف مکروہ ہی لکھا ہے۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق مکروہ نہیں ہے (ہدایہ ص ۶۰) عدم کراہت کا مطلب یہ ہے بالفرض ایک آدمی اقامت کہنے کے بعد وضو کر کے جماعت میں شامل ہو جاتا ہے تو اس سے جماعت میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

اقامت اور نماز میں وقفہ اقامت جماعت کھڑی ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ لیکن اقامت ہو جانے کے بعد اگر کسی مصروفیت کی وجہ سے جماعت فوراً شروع نہ ہو سکے تو اقامت دہرانے کی ضرورت نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اقامت ہو جانے کے بعد مسجد کے کونے میں ایک آدمی کے ساتھ اتنی دیر تک مصروف گفتگو رہے کہ لوگوں کو نیند آنے لگی (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۸۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اقامت ہو گئی تھی صفیں درست ہو چکی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلی پر تشریف لا چکے تھے۔ اب تکبیر کا انتظار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ٹھہرو اور چلے گئے۔ ہم اسی حالت میں ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ آپ غسل کر کے تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس سے اگلی روایت میں وضاحت ہے کہ آپ پہلے (سہواً) بحالت جنابت تشریف لے آئے تھے۔ (بخاری ص ۸۹، مسلم ص ۲۲۰)

یہ حدیث زیر بحث مسئلہ کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل انسان ہونے پر اور علم غیب کی تردید پر مضبوط دلیل ہے۔ یعنی کسی کے بارے میں تو کیا بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے بارے میں بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس حالت

میں ہیں۔

اقامت کون کہے زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قبل از طلوع فجر صبح کی اذان کہی۔ بعد از طلوع فجر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

إن اخاصداء هو اذن ومن اذن فهو يقيم (أبوداود ص ۲۰۱)
صدائی نے اذان کہی ہے لہٰذا موذن ہی کو اقامت کہنی چاہیے۔

اس حدیث سے استدلال کر کے بہت سے اہل علم کا یہ خیال ہے کہ موذن اقامت کا زیادہ حقدار ہے۔ لیکن ایک تو یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ دوسرے اس سے یہ بھی استدلال ہوتا ہے کہ قبل از وقت نماز فجر کی اذان جائز ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح احادیث کے خلاف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے سوا یہ کسی کا مسلک نہیں ہے۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کا حوالہ دیا جاتا ہے کسی نے اذان کہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

مهلا يا بلال فإنما يقيم من أذن (كتاب الاذان لابى الشيخ الاصبهانى۔ (طبرانى وغيره بحواله تحفة الاحوذى ص ۱۷۸)
بلال ٹھہرو جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔

مگر یہ روایت اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جب حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب والی اذان بتلائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن زید نے کہا خواب میں نے دیکھا تھا اس لئے میں اذان دینا چاہتا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فاقم أنت (أبوداود ص ۲۲۰)
اقامت تم کہہ لو۔

اس سے ثابت ہوا اذان کوئی کہے اقامت دوسرا کہے یہ سنت سے ثابت

ہے۔

جو لوگ موذن کو اقامت کا زیادہ حقدار جانتے ہیں وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے نبی ﷺ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا دل رکھنے کے لئے ان سے اقامت کہلوائی ہو۔ گزارش ہے کہ مسئلہ تو اب بھی دل رکھنے کا ہی ہے۔ متعدد افراد اذان دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ تو اگر اذان کسی سے دلوا لی جائے اور اقامت کسی اور سے کہلوا لی جائے بشرطیکہ وہ اس قابل ہوں تو کیا حرج ہے۔ گو یہ عبداللہ بن زید والی روایت بھی ضعیف ہے۔ مگر ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ اس کی سند زیاد بن حارث والی روایت سے بہتر ہے (بحوالہ عون المعبود ص ۲۰۰)

حافظ حازمی کتاب الاعتبار میں کہتے ہیں اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذان کوئی کہے اور اقامت دوسرا کہے یہ جائز ہے۔ البتہ اولیت میں اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ کوئی بھی اقامت کہہ لے ایک ہی بات ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اکثر اہل حجاز، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر اہل کوفہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے، اور بعض کا یہ خیال ہے کہ بہتر یہ ہے کہ موذن اقامت کہے (بحوالہ تحفہ الاحوذی ص ۱۷۸) واللہ اعلم بالصواب۔

اقامت کب کہی جائے

كان بلال يوذن إذا دحضت فلا يقيم حتى يخرج النبى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فإذا خرج اقام الصلوة حين يراه (عن جابر بن سمرة۔ مسلم ص ۲۲۱)

زوال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے۔ اقامت اس وقت تک نہ کہتے جب تک کہ نبی ﷺ نہ نکلتے جب آپ ﷺ نکلتے۔ تو انہیں دیکھتے ہی اقامت کہہ دیتے۔

اس سے ثابت ہوا ضروری نہیں کہ امام اپنے مصلی پر پہنچ جائے۔ تب ہی اقامت کہی جائے۔ بلکہ وقت ہونے پر جب امام مسجد میں داخل ہو جائے یا اگر وہ

مسجد میں موجود ہو اور وہ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھنے لگے تو اسے دیکھتے ہی اقامت کہی جاسکتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

إن الصلوة كانت تقام لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مقامه (مسلم ص ۲۲۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اقامت کہی جاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے مصلی پر کھڑا ہونے سے پہلے صحابہ کرام صفیں بنا لیتے تھے۔

اگلے باب میں حدیث آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تشریف آوری سے قبل ہی اقامت کہہ دی جاتی تھی۔

مقتدی کب کھڑے ہوں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھ کر اقامت کہہ دیتے تھے اور پھر جیسا کہ مصنف عبدالرزاق (ج ا ص ۵۰۷) میں امام زہری سے مروی ہے۔

إن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر يقومون إلى الصلوة فلا ياتي النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مقامه حتى يعدل الصفوف (بحواله فتح الباري ج۲ ص ۱۲۰ و تحفه ص ۱۷۹ نمازمسنون ص ٤٤٦)

جب اقامت کہنے والا اللہ اکبر کہتا لوگ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنے مصلیٰ پر تشریف نہ لاتے جب تک کہ صفیں درست نہ فرما لیتے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

إذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني (عن ابي قتاده بخاري ص ۸۸)

جب اقامت ہو جائے تو مجھے دیکھے بغیر کھڑے نہ ہوا کرو۔

اس کے تحت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ امام ابھی اپنے گھر میں ہی ہو تو اقامت کہنی جائز ہے جب کہ وہ اقامت کو سن رہا ہو۔ نیز لکھتے ہیں صحابہ کرام اقامت ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی گھر

سے تشریف نہ لائے ہوں تو آپ نے انہیں اس سے منع فرمایا کیونکہ ممکن تھا کسی کام کی وجہ سے آنے میں دیر ہو جائے تو یہ انتظار ان پر شاق گزرے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۰)

حاصل یہ ہوا کہ اگر امام صاحب آجائیں پھر تو اقامت کی آواز سنتے ہی مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے اور اگر امام صاحب کے آنے سے پہلے اقامت کہ دی جائے تو پھر مقتدیوں کو کھڑا ہونے کیلئے امام کی آمد کا انتظار کرنا چاہئے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور عام علماء کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اقامت کے آغاز میں ہی مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۳۔ شرح مسلم نووی ص ۲۲۱۔ نماز مسنون ص ۴۴۴)

اب حنفی مسلک ملاحظہ فرمائیے۔

يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علماء نا الثلاثة وهو الصحيح (فتاوی عالمگیری ج۲ ص ۵۷)	ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے تب امام اور مقتدی کھڑے ہوں۔ یہی صحیح مسئلہ ہے

امام کب تکبیر کہے گزشتہ صفحات میں آپ ابوداؤد کے حوالہ سے پڑھ آئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی طرح اقامت کے جواب میں بھی کلمات دہرائے۔ یہ مسئلہ حنفی مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے مثلاً نماز مدلل ص ۶۵۔ نماز پیمبر ص ۱۰۹۔ نماز مسنون ص ۲۶۳ ظاہر ہے کہ پھر نماز شروع کرنے کے لئے امام سمیت سب کو اقامت کے ختم ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مگر فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

ويكبر الامام قبيل قوله قد قامت الصلوة (ج۱ ص ۵۷)	مکبر کے قد قامت الصلوۃ کہنے سے ذرا پہلے ہی امام تکبیر کہہ دے۔

حالانکہ اقامت اور نماز میں وقفہ کے عنوان کے تحت یہ ثابت ہو چکا ہے

کہ اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ کی کوئی ایسی فوری ضرورت نہیں ہوتی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جمہور علمائے سلف و خلف کا یہ مسلک ہے کہ جب تک اقامت کہنے والا اقامت سے فارغ نہ ہو جائے امام تکبیر نہ کہے (شرح مسلم ص ۲۲۱) بلکہ آگے چل کر آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ نبی ﷺ اقامت ہو جانے کے بعد تکبیر کہنے سے پہلے صفیں بھی درست فرمایا کرتے تھے۔

❋❋❋

آداب صف بندی

نماز شروع کرنے سے پہلے امام کو اس بات کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ آیا صفیں درست ہو چکی ہیں۔

صف کا سیدھا ہونا حضرت نعمان بن بشیر نبی ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

خرج یوما فقام حتی کاد أن یکبر فرای رجلا بادیا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسون صفوفکم اولیخا لفن اللہ وجوھکم (مسلم ص ۱۸۲)

آپ تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے نکلتا ہوا دیکھا تو فرمایا اللہ کے بندو اپنی صفیں سیدھی رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا کر دے گا۔

پیچھے آپ پڑھ آئے ہیں کہ اقامت ہو جانے کے باوجود نبی ﷺ اس وقت تک مصلیٰ پر تشریف نہیں لاتے تھے جب تک کہ صفیں سیدھی نہ فرما لیتے (مصنف عبدالرزاق) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یسوی صفوفنا إذا قمنا إلی الصلوۃ فإذا استوینا کبر (أبوداود ص ۲۵۱)

جب ہم نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو نبی ﷺ ہماری صفیں درست فرماتے۔ جب ہم برابر کھڑے ہو جاتے تب آپ تکبیر کہتے۔

آپ ﷺ باقاعدہ نمازیوں کے کندھوں کو ہاتھ لگا لگا کر آواز دیتے۔

استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم صفیں سیدھی کر لو۔ اختلاف نہ رکھو (عن ابی مسعود الانصاری مسلم ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں

ص ۱۸۱)　　گے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

أن تسوية الصفوف من إقامة الصلوة (عن انس بخاری ص ۱۰۰، مسلم ۱۸۲)

صفوں کی درستگی اقامت نماز میں سے ہے۔

مل کر کھڑے ہونا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بیده انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف كانها الحذف (عن انس أبوداود ص ۲۵۱ - نسائی ص ۹۳)

صفوں میں مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ قریب قریب صفیں بناؤ اور گردنوں کو برابر رکھو۔ بخدا میں دیکھتا ہوں شیطان بکری کے بچے کی طرح صف کے شگاف میں داخل ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔

سدوا الخلل ولینوا بایدی إخوانكم ولا تذروا فرجات الشیطن ومن وصل صفا وصله الله ومن قطعه قطعه الله (عن ابن عمر أبوداود ص ۲۵۱)

شگاف بند کرو اور اپنے بھائیوں کیلئے نرم ہو جاؤ۔ شیطان کیلئے جگہ نہ چھوڑو۔ جس نے صف ملائی اسے اللہ تعالیٰ ملائے گا جس نے صف کو کاٹ دیا اس سے اللہ تعالیٰ قطع کر لے گا۔

اس قسم کی بہت ہدایات نبی ﷺ نے دی ہیں مگر افسوس کہ اکثر مساجد میں ان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا حنفی بھائی تو پاؤں ملانے سے اتنے الرجک ہوتے ہیں جیسے اس سے ان کی نماز ہی ٹوٹ جاتی ہو۔ اچھا خاصا فاصلہ بیچ میں چھوڑ رکھا ہوتا ہے۔

پتہ نہیں انہیں یہ پٹی کس نے پڑھا دی ہے کہ پاؤں نہیں ملانا چاہیں۔ یہ مسئلہ تو ان کی اپنی کسی قابل ذکر کتاب میں بھی نظر نہیں آیا۔ جب نبی ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ مل کر کھڑے ہو جاؤ اور شگاف بند کر دو تو فبای حدیث بعدہ یومنون (مرسلات ۵۰) بسا اوقات دو نمازیوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ دکھائی دیتا ہے اور یہ شاید اسے اس لئے پر نہیں کرتے کہ کہیں ان کی حرکت نماز کے منافی عمل نہ شمار ہو جائے۔ حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ما من خطوة أحب إلى الله من خطوة يمشيها يصل بها صفا (عن براء بن عازب أبوداود بحواله مشكوة ص ۲۰۰)

نمازی صف ملانے کیلئے جو قدم اٹھاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

مصنف نماز مسنون نے آٹھ صفحات صف بندی کیلئے وقف فرمائے ہیں۔ کاش وہ ایک یہ چھوٹی سی حدیث بھی مکمل نقل فرما دیتے تاکہ مسئلہ بالکل ہی واضح ہو جاتا اور ان کے مقتدیوں کی بھول بھی دور ہو جاتی۔ بخاری شریف میں باب باب الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔

أقيموا صفوفكم فاني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه (ص ۱۰۰)

اپنی صفیں درست کرو میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ چنانچہ ہم اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا لیتے تھے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نبی ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے تھے اور آپ ﷺ انہیں ملاحظہ بھی فرما رہے ہوتے تھے۔ یہ بالکل صحیح روایت ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه ورکبته برکبته صاحبه وکعبه بکعبه (أبوداود ص ۲۵۰)

میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملاتا تھا۔

مگر اس میں زکریا بن ابو زائدہ مدلس ہے جو عن سے روایت کرتا ہے۔ ٹخنہ ملانے کا ذکر نعمان بن بشیر سے بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔ مگر تعلیقاً" (ص ۱۰۰)

ٹخنے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حنفیہ ایک ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں چونکہ گھٹنے آپس میں نہیں مل سکتے اور ٹخنے بھی بمشکل مل سکتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا ملنے سے بالمقابل کھڑا ہونا مراد ہے ساتھ مل جانا مراد نہیں اس میں شک نہیں کہ گھٹنے باہم نہیں مل سکتے اور ٹخنے بھی بتکلف ہی ملائے جا سکتے ہیں یہ روایت بشرطیکہ صحیح ہو تو یقیناً اس سے محاذاۃ ہی مراد ہوگی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جسم کے جو حصے مل سکتے ہیں (جیسے بخاری شریف کی روایت کے مطابق کندھے اور قدم) ان کو بھی نہ ملایا جائے۔ خاص طور پر جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات موجود ہیں۔ وصوا صفوفکم (اپنی صفیں ملا کر رکھو) سدوا الخلل (شگاف بند کرو) وغیرہ۔ اگر محض محاذاۃ ہی قائم کرنی مراد ہو وہ تو پھر فیتہ لے کر چھ چھ فٹ کے فاصلے سے بھی قائم کی جا سکتی ہے تو کیا اس صورت میں ان احادیث پر عمل ہو جائے گا جن میں صفوں کو ملانے اور شگافوں کو بند کرنے کا حکم ہے؟

کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ ٹانگیں چوڑی کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پاؤں تو مل جاتے ہیں مگر کندھے نہیں ملتے اور کچھ لوگ چھوئی موئی کی طرح نہایت سکڑ سمٹ کر کھڑے ہوتے ہیں جس سے شاید کندھے تو مل جاتے ہیں مگر پاؤں نہیں ملتے۔۔ مسئلہ یہ ہے کہ کندھے اور پاؤں دونوں ملے ہوئے ہونے چاہئیں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب نمازی حضرات اپنے وجود کے مطابق اپنے پاؤں کھولا کریں۔ پھیلنے اور سکڑنے کی ضرورت نہیں۔ یعنی نہ کوئی کسی کا تعاقب کرے

اور نہ کوئی کسی سے بھاگے جو آپ کے ساتھ پاؤں ملاتا ہے سو بسم اللہ جو نہیں ملاتا اس کی مرضی۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَآءَ فَعَلَيْهَا

مصنف نماز مسنون نے اپنے مسلک کی تائید میں ص ۳۲۱ پر علامہ عبدالحی لکھنوی کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔

یستحب أن یکون بین الرجلین عند القیام مقدار اربعة أصابع کما فی البزازیة وغیرها لکونه أقرب إلی الخشوع (السعایه ج۲ص ۱۱۱)

حالت قیام میں اپنے دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی (یعنی ایک چپے) کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ۔بزازیہ وغیرہ میں لکھا ہے کیونکہ یہ مقدار خشوع کے بہت قریب ہے۔

صاحب تفہیم البخاری (حنفی) نے رجلین کو رجلین یعنی را کی زبر اور جیم کی پیش کے ساتھ پڑھتے ہوئے چار انگلی کا فاصلہ دو آدمیوں کے درمیان ہونا قرار دیا ہے۔

خیال فرمایئے خشوع کا یہ طریقہ نہ قرآن مجید سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے ثابت ہے نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہے پھر نہ جانے یہ ٹکسلا ان کے نزدیک مسئلہ کی حیثیت کیسے اختیار کر گیا۔ میرا خیال ہے انہیں اپنے آپ کو اہل سنت یا حنفی کہلوانے کی بجائے بزازی کہلانا چاہیئے۔

یہ منظر کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے جب نمازیوں کے نہ کندھے ملے ہوتے ہیں نہ پاؤں ملے ہوتے ہیں۔ شیاطین کیلئے بیچ میں فٹ فٹ کی گنجائش چھوڑ رکھی ہوتی ہے۔ پھر صفیں کیوں نہ ٹیڑھی ہوں اور کیوں نہ ان میں اختلاف پیدا ہو۔ حقیقت یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صفوں کا اختلاف دلوں کے اختلاف کا موجب بن گیا ہے اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں خشوع پیدا کرتے پھرتے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا باللہ۔

اصل میں ان عوام بیچاروں کا قصور بھی نہیں ہے۔ یہ تو تقلید کی وجہ سے

مار کھا رہے ہیں سچی بات یہ ہے کہ ان کے حضرت صاحبان ان کی راہنمائی ہی بڑے حضرتانہ طریقے سے فرماتے ہیں۔

کتمان حق احادیث کی رو سے صف بندی کا مسئلہ حالانکہ نہایت اہم ہے مگر چونکہ یہ حنفیہ کے خلاف پڑتا ہے اس لئے اول تو یہ لوگ اسے اپنی کتابوں میں بیان ہی نہیں کرتے جیسے حنفی نماز مدلل۔ اور اگر بیان کرتے ہیں تو صرف ایک آدھ حدیث جس میں صفوں کو برابر کرنے کا حکم ہے وہ حدیثیں بیان ہی نہیں کرتے جن میں صفوں کو ملانے کا حکم ہے جیسے نماز پیمبر ص ۲۱۹۔ نماز مدلل ص ۱۳۹ مصنف نماز مسنون نے اس جمود کو توڑا ہے انہوں نے جرات کر کے وہ حدیثیں بیان کر دی ہیں جن میں صفوں کو ملانے کا حکم ہے۔ مگر وائے افسوس معلوم ہوتا ہے ایسا صرف کتاب کا حجم بڑھانے' اور اس کی بھاری قیمت وصول کرنے' اور یہ تاثر دینے کے لئے کیا گیا ہے کہ وہ بھی احادیث کو مانتے ہیں۔ مسئلہ کو واضح کرنے کیلئے نہیں کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت اتنی چالاکی سے کام لیا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ وہ یہ حدیثیں بیان ہی نہ کرتے۔ مثلاً ایک یہ حدیث جس کے مطابق نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا تھا کہ فرشتوں کی طرح صفیں باندھا کرو۔ انہوں نے دریافت کیا فرشتے کیسے صفیں باندھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

یتمون الصفوف الاولی ویتراصون فی الصف (عن جابر بن سمرۃ مسلم ص ۱۸۱)	وہ اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اس کا ترجمہ حضرت صاحب یوں فرماتے ہیں اگلی صفوں کو پورا اور تام کرتے ہیں اور آپس میں مل کر صف میں قریب قریب ہوتے ہیں (نماز مسنون ص ۴۳۹) حالانکہ یتراصون کے معنی مل جانے اور جڑ جانے کے ہیں قریب قریب ہونے کے نہیں ہیں۔ قریب قریب ہونے کی پچر انہوں نے اپنی طرف سے لگائی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مل جانے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ سچ مچ مل جانا چاہئے

بلکہ قریب قریب ہونا مراد ہے۔ میرے بھائی مل جانے اور قریب قریب ہونے میں بڑا فرق ہے مل جانے کے معنی تو متصل ہو جانا ہے اور قریب قریب ہونے کے معنی کچھ فاصلہ رکھنا اور ذرا ہٹ کر رہنا ہے۔ مثلاً جس ہمسائے کی دیوار آپ کے گھر کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور جو ذرا فاصلہ پر رہتے ہوں اس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے قریب رہتے ہیں۔ ساتھ ملے ہوئے گھر کو کبھی کسی نے قریب نہیں کہا۔

اسی طرح نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔

رصوا صفوفکم وقاربوا بینھا (عن أنس أبوداود ص ۲۵۱) اپنی صفوں کو ملاؤ اور انہیں قریب قریب بناؤ۔

اس کا ترجمہ حضرت صاحب نے یوں فرمایا ہے صفوں کو ملایا کرو اور قریب ہو کر کھڑے ہو (نماز مسنون ص ۴۳۷) یہ دو فقرے ہیں۔ دوسرا فقرہ حضرت صاحب نے اس انداز سے بیان فرمایا ہے جیسے یہ پہلے فقرے کی تشریح ہو یعنی کہ ملنے سے مراد قریب ہونا ہے۔ غالباً یہیں سے محترم کو یترا صون والی حدیث میں قریب قریب والا ترجمہ کرنے کا موقعہ مل گیا ہے حالانکہ یہ دونوں فقرے بالکل الگ الگ معنی رکھتے ہیں۔ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ رصوا صفوفکم کا معنی بے شک یہی ہے کہ صفوں کو ملایا کرو مگر قاربوا بینھا کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ قریب قریب ہو کر کھڑے ہو بلکہ یہ معنی ہے کہ صفوں کو قریب قریب کیا کرو۔ یعنی دو صفوں کے درمیان ضرورت سے زیادہ فاصلہ نہ رکھا کرو۔ ملا علی قاری حنفی اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں۔

أي بین الصفوف بحیث لا یسع بین الصفین صف اخر (مرقاۃ بحوالہ عون ص ۲۵۱) یعنی صفوں کے درمیان اتنا قرب ہونا چاہئے کہ دو صفوں کے درمیان اور کوئی صف نہ بن سکے۔

حضرت صاحب کو ترجمہ کرتے وقت بینھا (یعنی صفوں کے درمیان) کا

لحاظ رکھ لینا چاہئے تھا۔ اس کا تو وہ ترجمہ ہی ہضم فرما گئے ہیں۔ جہاں اس قسم کی باتیں ہوں وہاں مقتدیوں کی اصلاح خاک ہونی ہے۔

گر ہمیں مکتب و ملا است کار طفلاں تمام خواہد شو

رکوع میں پاؤں ملانا ایک اور گزارش ہے بعض لوگ حالت قیام میں پاؤں نہیں ملاتے۔ جب رکوع میں جاتے ہیں تب انہیں پاؤں ملانے کا خیال آتا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ کھڑے ہوتے ہی انہیں اپنے پاؤں ملا لینے چاہئیں کیونکہ نبی ﷺ نے صفوں کی درستگی کو اقامت صلوٰۃ میں سے شمار فرمایا ہے۔ جس طرح نماز کی دیگر حرکات و سکنات ضروری ہیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے۔

صف بندی میں ترتیب ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لیلینی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم (عن ابن مسعود مسلم ص ۱۸۱) سمجھدار اور عقلمند میرے نزدیک کھڑے ہوا کریں۔ پھر جو ان کے بعد ہیں۔

چنانچہ آپ ﷺ اگلی صف میں مردوں کو اور پچھلی صف میں لڑکوں کو کھڑا کرتے (عن ابی مالک اشعری ابو داؤد ص ۲۵۳)

اگر شروع ہی میں سب نمازی حاضر ہوں تب تو یہ ترتیب قائم کرنی آسان ہوتی ہے ورنہ جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اولا اگلی صفوں کو پورا کرنا چاہئے اگر بڑے چھوٹے مل کر ایک صف بھی پوری نہ ہوتی ہو تو ظاہر ہے کہ پھر یہ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ نے ایک دعوت کے موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں دو رکعت نماز پڑھائی۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

صففت إنا والیتیم وارءہ والعجوز من وراءنا (مسلم ص ۲۳٤) میں نے اور یتیم بچے نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بوڑھی اماں ہمارے پیچھے تھیں۔

ہاں اگر صف کو مختصر کر کے پیچھے بچوں کی الگ صف بنا دی جائے تو حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث پر عمل ہو سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں بعد میں آنے والوں کی وجہ سے یہ ترتیب پھر خلط ملط ہو جائے گی۔

جب مقتدی ایک ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک رات میں تہجد پڑھنے کے لئے نبی ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا آپ ﷺ نے مجھے پیچھے سے گھما کر اپنے دائیں طرف کر لیا (بخاری ص ۱۰۰ مسلم ص ۲۶۱) حنفیہ کہتے ہیں۔

وان صلی خلفه اوفی یساره جاز وهو مسئی لانه خالف السنة (هدایه ص ٨٤)

اکیلا مقتدی امام کے پیچھے یا بائیں طرف بھی کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔ تاہم یہ بری بات ہے اس لئے کہ اس نے سنت کی مخالفت کی۔

عجیب بات ہے بری بات بھی ہے سنت کی مخالفت بھی ہے اور پھر جائز بھی ہے۔

جب مقتدی دو ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا اگر مقتدی دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ مگر حنفیہ کا مذہب ہے۔

وإن کان معه رجلان وقام الامام وسطهما فصلاتهم جائزة (فتاوی عالمکیری ج۱ ص ٨٨)

اگر امام کے ساتھ دو آدمی ہوں اور امام دونوں کے درمیان کھڑا ہو جائے تو ان کی نماز جائز ہے۔

جب مقتدی عورت ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بہرحال امام یا مردوں کی صف کے پیچھے کھڑی ہوگی خواہ وہ تعداد میں اکیلی بھی کیوں نہ ہو۔

پہلی صف ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لو یعلمون ما فی الصف المقدم لا

اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی

ستھموا (عن ابی هريرة بخاری ص ۱۰۰) صف کی کیا فضیلت ہے تو وہ اس پر قرعہ اندازی کریں۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف والوں کیلئے تین بار اور دوسری صف والوں کیلئے ایک بار بخشش کی دعا فرماتے۔ (نسائی ص ۹۴ ابن ماجہ ص ۷۰ ترمذی ص ۱۹۲)

صف کی دائیں جانب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إن الله وملائكته يصلون على ميامن الصفوف (عن عائشة أبوداود ص ۲۵۳) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کے دائیں طرف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

مطلب یہ ہے اگر دائیں بائیں دونوں جانب کھڑے ہونے کا موقع ہو تو دائیں جانب کو ترجیح دینی چاہئے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب امام کے دائیں جانب ہی کھڑے ہو جائیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔

امام وسط میں

وسطوا الامام وسدوا الخلل (عن ابی هريرة أبوداود ص ۲۵٤) امام کو درمیان رکھو اور شگاف بند کرو۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے جس طرف سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اسی طرف صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ صرف اس ڈر سے کہ کہیں رکعت نہ چھوٹ جائے۔ اس طرح صف غیر متوازن ہو جاتی ہے۔

❋❋❋

سترہ

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

إذا قام أحدكم إلى الصلوة فإن الرحمة تواجهه فلا يمسح الحصى (عن ابى ذر أبوداود ص ٣٥٦)

نماز میں آگے سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا کنکر صاف نہ کیا کرو۔

فرمایا

إن المؤمن إذا كان فى الصلوة فأنما يناجى ربه (عن انس بخارى ص ٥٩)

مومن نماز میں اپنے رب سے مصروف گفتگو ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔

فإن المرور بين السيد و عبيده القائمين إليه سوء أدب (حجة الله ج٢ ص٣)

آقا اور اس کے حضور کھڑے ہونے والے بندوں کے درمیان سے گزرنا سوء ادبی ہے۔

غالبا اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا۔

إذا صلى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئا فأن لم يجد فلينصب عصاه فإن لم يكن معه عصا فليخطط خطا ثم لا يضره مامر إمامه (عن ابى هريرة أبوداود ص ٢٥٥)

نماز پڑھو تو اپنے سامنے کوئی شے رکھ لیا کرو اگر کوئی چیز نہ ملے تو اپنی لاٹھی ہی کھڑی کر لیا کرو۔ یہ بھی نہ ہو تو خط کھینچ لیا کرو۔ پھر آگے سے گزرنے والی کوئی شے تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ لکیر کمان کی طرح ہلالی شکل میں ہونی چاہیے۔

(تنقیح الرواۃ ص ۱۴۱، سبل ج ۱ ص ۱۴۳)

نمازی کے آگے سے گزرنا منع ہے

نبی ﷺ نے فرمایا۔

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لکان أن یقف أربعین خیرا له من أن یمر بین یدیه (عن ابی جهیم بخاری ص ۷۳، مسلم ص ۱۹۷)

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کا کتنا گناہ ہے تو اسے چالیس (سال) بھی انتظار کرنا پڑے تو آگے سے گزرنے سے بہتر ہے۔

فرمایا۔

إذا صلی أحدکم إلی شیئ یستره من الناس فأراد أن یجتاز بین یدیه فلیدفعه فإن ابی فلیقاتله فأنما هو شیطان (عن ابی سعید الخدری بخاری ص ۷۳، مسلم ۱۹۷)

اگر سترہ کی موجودگی میں درمیان سے کوئی گزرنا چاہے تو اسے ہٹاؤ باز نہ آئے تو اس سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے۔

آگے بیٹھنے والا یاد رہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا منع ہے۔ لیکن اگر کوئی آگے بیٹھا یا لیٹا ہوا ہو تو وہ وہاں سے ہٹ سکتا ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس طریقے سے ہٹے کہ نمازی کی توجہ ادھر مبذول نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آگے چارپائی پر آرام کر رہی ہوتی۔ میں نے کسی کام سے اٹھنا ہوتا تو آپ کا سامنا کرنے کی بجائے پائنتی کی طرف سے کھسک جاتی (بخاری ص ۷۲، ۷۳) بعض لوگ اس حد تک احتیاط کرتے ہیں کہ اگر نمازی کے آگے ان کا جوتا یا اور کوئی چیز پڑی ہو تو وہ بھی نہیں اٹھاتے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

سترہ ذرا ہٹ کر سترہ کے بارے میں نبی ﷺ کے متعلق حضرت مقداد بن

اسود سے روایت ہے۔

ما رأيت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلى إلى عود ولا عمود ولا شجرة إلا جعله على حاجبه إلا يمن أو الايسر ولا يصمدله صمدا

نبی ﷺ ہمیشہ سترہ ذرا دائیں یا بائیں رکھتے۔ عین سیدھ اختیار نہیں فرماتے تھے۔

(أبوداود ص ٢٥٦، مسند احمد ج٥ ص ٣٠٩)

اہل علم کے نزدیک اس کی حکمت یہ ہے کہ غیر کی پرستش کا شائبہ نہ پایا جائے۔ اندازہ فرمائیے اسلام توحید کے مسئلہ میں کس قدر محتاط ہے۔

سترہ کتنے فاصلے پر ہو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

إذا صلى أحدكم إلى السترة فليدن منها لا يقطع الشيطان عليه صلوته (عن سهل بن ابى حثمه أبوداود ص ٢٥٧)

نمازی کو سترہ کے قریب کھڑا ہونا چاہئے تب شیطان اس کی نماز کو خراب نہیں کر سکے گا۔

سہل (ابن سعد) سے روایت ہے۔

كان بين مصلى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وبين الجدار ممر الشاة (بخاری ص ١٧)

نبی ﷺ کے جائے نماز اور دیوار کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا جس سے بکری گزر سکے۔

معلوم ہوا نمازی کو لمبی جگہ پر قبضہ نہیں کر لینا چاہئے بلکہ سترہ کے اتنا قریب کھڑا ہونا چاہئے کہ بس سجدہ کیلئے گنجائش نکل سکے تا کہ لوگوں کو آگے سے گزرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

جب سترہ نہ ہو اگر کوئی بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہا ہو تو گزرنے والا کتنی دور سے آگے سے گزر سکتا ہے۔ اس بارے میں نبی ﷺ سے ایک روایت آتی ہے۔

ويجزئ عنه إذا مروا بين يديه على

کنکر پھینکنے کی حد کے آگے سے گزر

قذفة بحجر (عن ابن عباس أبـو داود ص ٢٥٩) سکتے ہیں۔

مگر یہ نہایت ضعیف ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے۔

إنما یاثم إذا مرفـی موضـع سجوده علی ما قیل ولا یکون بینهما حـائل (ص ٩٨) سترہ نہ ہو تو ایک قول کے مطابق سجدہ والی جگہ سے گزرے تو گنہگار ہو گا۔

حاشیہ میں مختلف اقوال لکھے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ دو یا تین صفوں کے آگے سے گزرنے کی اجازت ہے البتہ مسجد میں اجازت نہیں۔

مسجد اور غیر مسجد کا فرق بلاوجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس چیز کی ضرورت ہی زیادہ تر مسجد میں ہوتی ہے۔ جہاں نمازی بھی عام ہوتے ہیں اور گزرنے والے بھی عام ہوتے ہیں۔ احادیث سے اشارتاً اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کچھ فاصلے سے گزرنے والے کو گزرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا آگے سے گزرنے والا اگر باز نہ آئے تو نمازی اس سے لڑے ظاہر ہے کہ وہ ایک صف کے فاصلے تک لڑ سکتا ہے۔ نیز بین یدیہ کا مفہوم اور ولیدن (سترہ کے قریب کھڑا ہو) کا فرمان بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ بالفرض ذرا پرے ہو کر گزرنے سے نمازی کی نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو اس کا قصور وار گزرنے والا نہیں بلکہ خود نمازی ہے جس نے سترہ رکھنے یا سترہ کے قریب کھڑے ہونے کے ارشاد پر عمل نہیں کیا۔

سترہ صرف امام کے آگے بخاری شریف میں سترة الامام سترة من خلفه کے تحت یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔

إن رَسُولَ اللهِ كـان إذا خـرج يـوم العيـد امر بالحربـة فقـد وضـع بـين يديه فصلى إليها والناس ورائه (ص ٧١)

جب نبی ﷺ عید کی نماز کیلئے نکلتے آپ کے حکم سے نیزہ آپ کے آگے گاڑا جاتا لوگ آپ کے پیچھے ہوتے تھے۔

مسجد حرام میں سترہ مصنف نماز مسنون (ص ۴۷۷) فرماتے ہیں مکہ مکرمہ میں مسجد حرام میں سترہ کی ضرورت نہیں دلیل یہ دی ہے۔

عن طاؤس قال لا يقطع الصلوة بمكة شيئ لا يضرك أن تمر المراة بين يديك (مصنف عبد الرزاق ج۲)

حضرت طاؤس کا قول ہے کہ مکہ میں کوئی شے نماز کو قطع نہیں کرتی۔ نیز یہ کہ آگے سے عورت گزر جائے تو نماز کو نقصان نہیں۔

طاؤس کا یہ قول مکہ کے بارے میں ہے اور ان کا استدلال خاص مسجد حرام کے بارے میں ہے۔ بعض حنابلہ مکہ مکرمہ میں سترہ کی ضرورت نہیں سمجھتے فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۶۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب السترة بمكته وغيرها کا باب باندھ کر یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحائے مکہ میں سترہ (عنزہ) رکھ کر ظہر و عصر کی نماز پڑھائی (عن ابی جحیفہ ص ۷۲)

صالح بن کیسان سے روایت ہے۔

رأيت ابن عمر يصلى فى الكعبة ولا يدع أحدا يمر بين يديه رواه ابوزرعة فى تاريخ دمشق (ج۱ ص ۹۱ بسند صحيح)

میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا وہ کسی کو آگے سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے۔

رأيت انس بن مالك دخل المسجد الحرام فركز شيا يصلى إليه (طبقات ابن سعدج۷ ص۱۸ بسند صحيح- بحواله سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة ج۲ از علامه البانی)

میں نے حضرت انس کو دیکھا انہوں نے مسجد حرام میں سترہ گاڑ کر نماز پڑھی۔

معلوم ہوا مکہ مکرمہ میں بھی سترہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا طاؤس کے قول سے مصنف نماز مسنون کا استدلال درست نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واغنفر بعض الفقهاء ذالك للطائفين دون غيرهم للضرورة (فتح البارى ج١ ص ٥٧٦)

بعض فقہائے نے طواف کرنے والوں کو ضرورتاً احکام سترہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے دوسروں کو نہیں

وجہ یہ ہے کہ طواف بذات خود نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔

مطلب بن ابی دواعہ سے ایک روایت آئی ہے کہ۔

أنه رأى النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلى مما يلى باب بنى سهم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة (أبوداود ج٢ ص ١٦٠، مسند احمد ج٤ ص٢٠٢، سنن كبرى بيهقى ج١ ص٢٧٣)

انہوں نے نبی ﷺ کو باب بنی سہم کے متصل نماز پڑھتے دیکھا۔ لوگ آپ کے آگے سے گزرتے تھے آپ کے اور خانہ کعبہ کے درمیان کوئی سترہ حائل نہیں تھا۔

علامہ البانی فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ کثیر بن کثیر اور اس کے دادا مطلب بن ابی وداعہ کے درمیان ایک مجہول کا واسطہ ہے (سلسلۃ الا حادیث ج ۲ ص ۳۲۶) خود ابوداؤد میں بھی کثیر کا یہ اعتراف موجود ہے۔

ليس من أبى سمعته ولكن من بعض من أهلى عن جدى

یہ روایت میں نے اپنے باپ سے نہیں سنی بلکہ اپنے بعض اہل خاندان کے واسطہ سے اپنے دادا سے۔

اس روایت کے تحت عون المعبود وغیرہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

من لا يقول به يحمله على ان الطائفين كانوا يمرون وراء موضع سجود أو وراء ما يقع فيه نظر الخاشع على أختلاف المذاهب

مسجد حرام میں سترہ کے قائلین اس روایت کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ گزرنے والوں سے مراد طواف کرنے والے ہیں جو سجدہ والی جگہ یا نمازی کی نگاہ پڑنے والی جگہ سے پرے ہو کر گزرتے تھے۔

چنانچہ مطلب بن ابی دواعہ ہی سے ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔

ليس بينه وبين الطواف أحد (أبو يعلى موصلى عون المعبود ج٢ ص ١٦٠)

نبی ﷺ اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی شے حائل نہ تھی۔

میں سمجھتا ہوں عام گزرنے والوں کو تو بے شک پرے ہو کر گزرنا چاہیئے۔ طواف کرنے والے قریب سے بھی گزرنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا وہ خود نماز کی طرح عبادت میں ہوتے ہیں۔ یاد رہے اکثر لوگ حرم نبوی ﷺ میں بھی پرواہ نہیں کرتے اور نمازی کے بالکل قریب سے گزر جاتے ہیں حالانکہ سترہ کے مسائل نبی ﷺ نے بیان ہی اس جگہ فرمائے تھے۔

❋❋❋

ستر عورت

ارشاد خداوندی ہے

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ زینت اختیار کرو ہر نماز کے وقت

(الأعراف : ٣١)

عورت کا لباس عورت کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ألمرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان (عن ابى مسعود ترمذى ج٢ ص ٢٠٨ كتاب الرضاع)

عورت قابل ستر ہے جب وہ نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانکتا ہے۔

ثابت ہوا عورت کا وجود اس قابل ہے کہ پردہ میں رہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا۔

لا تقبل صلوة الحائض الا بخمار (عن عائشة ترمذى ص ٢٩٥)

اوڑھنی کے بغیر بالغ عورت کی نماز قبول نہیں۔

یعنی نماز میں عورت کا سر بھی ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کیا عورت ازار کے بغیر صرف قمیض اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے تو فرمایا۔

إذا كان الدرع سابغا يغطى ظهور قدميها (عن ام سلمه، أبوداود ص ٢٤٤)

جب قمیض اتنی لمبی ہو کہ اس نے اس کے پاؤں کے بالائی حصہ کو ڈھانک رکھا ہو۔

دیگر سندوں سے یہ روایت حضرت ام سلمہؓ سے موقوفا مروی ہے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لو وارت جسدھا فی ثوب جاز (بخاری ص ٥٤)

اگر عورت ایک ہی کپڑے میں اپنے پورے جسم کو چھپا لے تو نماز جائز ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ الا ماظھر منھا میں تفسیری اختلاف کی وجہ سے نماز میں ہاتھ' چہرہ اور پاؤں کو چھپانے یا نہ چھپانے کے متعلق اختلاف کیا گیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ اور چہرے کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مکمل پردہ کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں ناخن تک نظر نہیں آنا چاہیے۔ (خطابی بحوالہ عون المعبود ص ۲۲۴) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کے بدن کا کوئی حصہ مثلاً پنڈلی' بال' پیٹ' ران' چوتھائی یا تہائی سے کم ننگا ہو تو نماز (صحیح ہے) دہرانے کی ضرورت نہیں (ہدایہ ص ۶۲' ۶۳)

مرد کا لباس مردوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یصلی أحدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه شیئ (عن ابی هریره بخاری ص ٥٢)

ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھو کہ کندھے پر کوئی شئے نہ ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے آپ نے فرمایا۔

إن کان واسعا فالتحف به وإن کان ضیقا فاتزربه (بخاری ص ٥٢)

اگر کپڑا فراخ ہو تو اسے اپنے جسم کے گرد لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو ازار کی طرح باندھ لو۔

معلوم ہوا تہہ بند کے علاوہ ہو سکے تو کندھے پر کپڑے کا ہونا بھی ضروری ہے نہ ہو تو مجبوری ہے حنفیہ کے نزدیک صرف ستر عورت کافی ہے۔

ویستر عورته - عورة الرجل ماتحت السرة إلی الرکبة لقوله علیه

اور اپنی شرمگاہ کو چھپائے ----- آدمی کی شرمگاہ ناف کے نیچے سے لے

السلام عورة الرجل ما بين سرته إلی رکبته (هدایه ص١٦)

کر گھٹنے تک ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا آدمی کی شرمگاہ ناف سے گھٹنے تک ہے۔

یہ اکابر احناف کا مسلک ہے۔

عمامہ موجودہ احناف سر پر کپڑا رکھنے کو بھی بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی اور بد وضع قسم کی ٹوپیوں کا اسٹاک مسجد میں جمع کیا ہوتا ہے۔ بلکہ اب تو ان کے لئے باقاعدہ ٹوپی اسٹینڈ بن گئے ہیں۔ حالانکہ سر پر کپڑا رکھنے کی شرط مردوں کیلئے نہیں عورتوں کیلئے ہے یقیناً کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ نماز پڑھتے وقت سر پر عمامہ یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لیا کرو یا یہ کہ یہ مستحب ہے اور ثواب زیادہ ملتا ہے یا یہ کہ نہ ہو تو مجبوری ہے یا یہ کہ ہوتے ہوئے نہ رکھنا مکروہ ہے وغیرہ البتہ چند موضوع روایتیں اس سلسلہ میں ضرور بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عمامہ پہن کر نماز پڑھنا بغیر عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ستر نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔ اس قسم کی سب روایتیں موضوع اور باطل ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ تو فقہ حنفی کی کسی قابل ذکر کتاب میں بھی نہیں ہے۔ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں مصنف نماز مسنون (ص ۲۷۰) نے یہ دلیل پیش کی ہے۔

عن ابن عمر قال کان یلبس قلنسوة بیضاء (السراج المنیر ۳ ص ۱۸۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

اس حوالے کا ذکر تحفہ الاحوذی ج ۳ ص ۷۰ میں بھی موجود ہے۔ مصنف نماز پیمبر ص ۱۱۴ نے لکھا ہے کپڑا ہوتے ہوئے بھی ننگے سر نماز پڑھنا اور ننگے سر رہنا خلاف سنت ہے۔ دلیل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پیش کی ہے۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يكثر القناع (بحوالہ شمائل ترمذی ص ۷۱) — نبی ﷺ اکثر سر ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

میں صرف یہ پوچھتا ہوں کیا ان روایتوں کا نماز سے کوئی تعلق ہے۔ پگڑی یا ٹوپی اگر نبی ﷺ کے لباس میں شامل تھی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں پہن کر نماز پڑھنا مستحب قرار دیدیا جائے۔ نبی ﷺ تو انگوٹھی بھی پہنتے تھے' جوتے بھی پہنتے تھے' موزے بھی پہنتے تھے تو کیا ان چیزوں کو بھی نماز کے مستحبات میں شامل کر لیا جائے گا۔ حیرت ہوتی ہے جس استحباب کا ذکر نہ اللہ تعالیٰ نے کیا نہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ نے کیا نہ ائمہ اربعہ نے کیا نہ فقہی کتابوں کے مصنّفین نے کیا نہ جانے یہ نئے "مجتہدین" اس پر اتنا کیوں زور دینے لگے ہیں۔ مقلدین کرام نے اس مسئلہ کو بھی ہمارے اور اپنے درمیان متنازعہ بنا کے رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ گائے والے بنی اسرائیل کی طرح خواہ مخواہ اپنے اوپر پابندیاں لاگو کرتے چلے جانا دانشمندی نہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لا تشدد واعلى انفسكم فيشدد الله عليكم (عن انس أبوداود ج ٤ ص ٤٢٨) — اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔

نیز فرمایا۔

إن الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحرم حرمات فلا تنتهكوها وحد حدودا فلا تعتدوها وسكت عن اشياء فلا تبحثوا عنها (عن ابن عمر دارقطنی مشکوۃ ص ٤٥) — اللہ تعالیٰ نے چند چیزیں فرض فرمائیں انہیں ضائع نہ کرو۔ چند چیزیں حرام فرمائیں ان کا ارتکاب نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر فرمائیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ باتوں سے سکوت فرمایا ان سے بحث نہ کرو۔

اب جس مسئلہ پر نبی ﷺ نے سکوت فرمایا ہے اور جس کے متعلق امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کوئی ہدایت جاری نہیں فرمائی اسے بلاوجہ اپنے اوپر مسلط کر لینا اتباع سنت کے خلاف تو ہے ہی تقلید کا بھی ستیاناس ہے، اور تقلید وہ "انمول" چیز ہے جو ہمارے ان بھائیوں کو اتباع سنت سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اب انہیں چاہیئے ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد کی جان چھوڑ دیں اور تقلید کیلئے کوئی اور امام کھڑا کرلیں جو انہیں ان کے حسب منشاء فتویٰ دے سکے یہ کہنا کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے، عملاً خلاف واقع ہے ان الفاظ کا مطلب تو ہے یہ کہ اگر کسی کے پاس کپڑا ہے تو رکھے۔ نہیں تو نہ سہی۔ مگر عملاً یہ ہوتا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے والوں کو بری نظروں سے گھورا جاتا ہے۔ یعنی کپڑا ہونے کی بات نہیں بلکہ کپڑا ہونے یا کپڑا رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ٹوپی چاہے نمازیوں کے لباس کا حصہ ہو یا نہ ہو وہ ان مفتیوں کے بتلانے پر مجبور ہیں کہ جیب میں ایسی ٹوپیاں ڈال کر آئیں جو چائنہ کی بنی ہوتی ہیں اور بالعموم سعودی عرب سے لائی جاتی ہیں اور جن کی شکل پرانی وضع کے برقع کی ٹوپیوں جیسی ہے۔ بلکہ مساجد میں بھی تنکوں کی پھٹی پرانی ٹوپیوں کا انبار پڑا ہوتا ہے جنہیں پہن کر یہ لوگ اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہی ٹوپیاں پہن کر اگر انہیں کسی ادنیٰ افسر کی خدمت میں حاضر ہونے کو کہا جائے تو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ سب احناف فضائل عماموں کے بیان کرتے ہیں مگر اپنی مسجدوں میں ڈھیر چھکو نما ردی ٹوپیوں کا لگاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی مذاق ہے اور خانہ خدا کے ساتھ بھی مذاق ہے۔ مصنف عماد الدین (حنفی) لکھتے ہیں کام کاج کے متبزل لباس میں جس کو پہن کر معزز لوگوں کے پاس جانا گوارا نہ ہو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (ص ۲۵۳) نیز لکھتے ہیں پگڑی پہننے والا اگر ادائے نماز کے وقت سستی سے ٹوپی سر پر رکھ لے تو نماز مکروہ ہوتی ہے (ص ۲۵۴)

یہ مسئلہ کہ کپڑا ہو تو رکھ لینا چاہیئے نہ ہو تو نہ سہی دراصل یہ ٹوپی کے بارے میں نہیں بلکہ قمیض یا اس کے قائم مقام کسی کپڑے کے بارے میں ہے۔ مثلاً اگر ایک ہی بڑا کپڑا ہو تو اس سے اپنے کندھے کو بھی ڈھانک لینا چاہیئے۔ اگر

چھوٹا ہو تو صرف تہہ بند باندھ لینا چاہئے۔ جیسے پیچھے آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ملاحظہ فرما چکے ہیں (بخاری ص ۵۲) بلکہ قمیض ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ایک ہی چادر سے اپنے کندھے کو بھی ڈھک لیتا ہے تو عین درست ہے۔ محمد بن منکدر سے روایت ہے۔

صلی جابر فی ازار قد عقده من قبل قفاه وثيابه موضوعة على المشجب فقال له قائل تصلى فى ازار واحد فقال إنما صنعت ذلك ليرانى أحمق مثلك واينا كان له ثوبان على عهد رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری ص ۵۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک چادر میں نماز پڑھی جسے انہوں نے اپنی گردن کے پیچھے باندھ رکھا تھا۔ اور ان کے کپڑے سٹینڈ پر پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے پوچھا ایک کپڑے میں نماز؟ فرمایا یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تیرے جیسے احمق کو بھی پتہ چل جائے بات یہ ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دو کپڑے ہوتے کس کے پاس تھے۔

اگلی روایت میں محمد بن منکدر سے روایت ہے۔

رأيت جابرا يصلى فى ثوب واحد وقال رأيت النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلى فى ثوب

میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

مصنف نماز مسنون فرماتے ہیں برہنہ سر اگر کاہلی یا لاپرواہی سے نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ ہوگی۔ دلیل یہ دی ہے۔

فقال ابن مسعود أنما كان ذلك إذا

حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ ایک

كان فی الثياب قلة فاما إذا اوسع الله فالصلوة فی ثوبين ازكی (مسند احمد ج۵ ص ۱۳۹، نماز مسنون ص ۲۶۹، مشكوة ص ۱۳۹)

کپڑے میں نماز پڑھنا اس وقت تھا جب کہ کپڑے دستیاب ہونے میں قلت تھی اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت فرما دی ہے تو نماز دو کپڑوں میں زیادہ پاکیزہ ہے۔

اس روایت کا آغاز یوں ہے۔

عن ابی بن كعب قال الصلوة فی الثوب الواحد سنة كنا نفعله مع رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ولا يعاب علينا فقال ابن مسعود

ابی بن کعب نے کہا نماز ایک کپڑے میں سنت ہے۔ ہم نبی ﷺ کے ساتھ اس طرح پڑھتے رہے ہیں۔ ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا تو ابن مسعود نے کہا الخ

مطلب یہ ہے اس روایت میں بات دو کپڑوں یعنی تہہ بند اور قمیض کی ہو رہی ہے کہ ابی بن کعب ایک کپڑے میں بھی نماز درست سمجھتے ہیں (بشرطیکہ کندھے ڈھکے ہوئے ہوں) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وسعت کی حالت میں دو کپڑوں میں بہتر خیال فرماتے ہیں۔ ٹوپی یا عمامے کی تو بات ہی نہیں ہو رہی۔ وہ تو تیسرا کپڑا ہے۔ میں نہیں سمجھتا یہ صوفی صاحب اتنے انجان ہوں کہ یہ موٹی سی بات بھی ان کے ذہن میں نہ آئی ہو۔ سوال از آسمان جواب از ریسماں شکر ہے مصنف نماز مسنون نے آگے یہ بات بھی لکھ دی ہے۔ اگر کپڑا میسر نہ آئے یا عجز و انکسار و نیاز مندی و تضرع سے پڑھے گا تو (نماز) درست ہوگی (ص ۲۶۹) اور ص ۵۰۴ پر کبیری ص ۳۴۹ اور شرح نقایہ ج ۱ ص ۹۵ کے حوالے سے لکھا ہے۔

ولا بأس إذا فعله تذللا وخشوعا

اگر عاجزی اور خشوع کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے گا تو مکروہ نہیں۔

ایک سوال کے جواب میں جناب احمد رضا خاں صاحب نے بھی فرمایا ہے اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھے تو کوئی حرج نہیں (احکام شریعت ص ۱۳۰) یہ سب شرائط ایجاد بندہ ہیں۔ شریعت ان سے بری ہے۔ بات یہ ہے جو لوگ ننگے سر نماز پڑھ لیتے ہیں ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ان میں عاجزی نہیں پائی جاتی ہوگی یہ تو دل کو چیر کر دیکھنے والی بات ہے۔ کیا خیال ہے یہ ٹوپیاں اور عمامے پہننے والے سب خشوع و خضوع کے پتلے ہی ہوتے ہیں۔ میرے بھائی یہ عاجزی تو دل کا معاملہ ہے جس کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ زندگی کی بہترین نمازیں جو حالت احرام میں منیٰ' عرفات یا مسجد حرام میں پڑھی جاتی ہیں وہ بغیر ٹوپی کے ہی ہوتی ہیں۔

گھونگھٹ آج کل بعض بزرگ اپنی بزرگی کا کاروبار چلانے کیلئے ٹوپی یا عمامے کے علاوہ سر پر دلہنوں کی طرح گھونگھٹ بھی ڈال لیتے ہیں۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سری نمازوں میں نبی ﷺ کی ریش مبارک کے ہلنے سے ہم معلوم کر لیتے تھے کہ آپ ﷺ قراءت فرما رہے ہیں۔ (بخاری ص ۱۰۳) یعنی پیچھے سے صحابہ کرامؓ کو نبی ﷺ کی ریش مبارک نظر آتی تھی۔ جبکہ گھونگھٹ کی صورت میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ لہٰذا تقویٰ کے اس بہروپ کو اتار دینا چاہیے۔

آخر میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں جس طرح سر پر ٹوپی رکھ کر نماز پڑھنے کا کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے اسی طرح اتارنے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لہٰذا ضد بازی ختم ہونی چاہیے اور اس معاملے میں نمازیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

❋❋❋

جوتوں سمیت نماز

سعید بن یزید نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

أكان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلی فی نعليه قال نعم (بخاری ص ۵٦)	کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز پڑھ لیتے تھے۔ فرمایا ہاں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنے جوتے اتار کر اپنے بائیں طرف رکھ لئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہؓ نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے۔ فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے۔ انہوں نے جواب دیا آپ کو اتارتے دیکھ کر ہم نے بھی اتار دیئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبریل آئے تھے انہوں نے مجھے بتلایا کہ جوتوں میں گندگی لگی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں آؤ تو دیکھ لیا کرو اگر جوتوں میں گندگی لگی ہو تو اسے صاف کر دیا کرو اور پھر جوتوں سمیت نماز پڑھ لیا کرو ۔ (ابوداؤد ص ۲۴۷)

اس حدیث شریف سے جوتوں سمیت نماز کے جواز کے علاوہ دو اور باتیں بھی ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ صحابہ کرام کس قدر اطاعت گزار تھے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے علیم و خبیر کے بتلائے بغیر اپنے پاؤں کے نیچے کے غیب کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خالفوا اليهود فانهم لا يصلون فی نعالهم وخفافهم (عن شداد بن اوس أبوداود ص ۲٤۷)	یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے جوتوں یا موزوں سمیت نماز نہیں پڑھتے۔

اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں تاہم اہل علم کا مسلک یہی ہے

کہ نجاست نہ لگی ہو تو جوتوں سمیت نماز جائز ہے مستحب نہیں ہے۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ والی روایت سے بظاہر استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے متعلق صاحب عون المعبود فرماتے ہیں۔

فیکون استحباب ذلك من جهة قصد المخالفة (ج۱ ص ۲۴۷)	یہود کی مخالفت کے پیش نظر اس میں استحباب پیدا ہو جائے گا۔

یعنی اگر کوئی اس جواز اور اس رخصت کا انکار کر دے تو اس کی مخالفت کے لحاظ سے جوتوں سمیت نماز پڑھنے میں استحباب پیدا ہو جائے گا۔ بذات خود اس میں استحباب نہیں ہے۔ جناب احمد رضا خاں صاحب سے کسی نے پوچھا جوتا پہن کر نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں۔ تو ارشاد فرمایا نہیں۔ عالمگیری میں تصریح ہے کہ مسجد میں جوتا پہن کر جانا بے ادبی ہے۔ (ملفوظات ص ۲۴) جہاں تک بے ادبی کا تعلق ہے واقعی کوئی مسلمان اسے پسند نہیں کر سکتا۔ مگر سوال یہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ جن سے بڑا راہنما اور کوئی نہیں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ میں دی ہے کہ مسجد حرام کے سوا اور کوئی مسجد اس سے زیادہ محترم نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں عالمگیری کو پیش کر کے "امام اہل سنت" احمد رضا خاں صاحب کا منہ بھر کے نہیں کہہ دینا کیا حقیقت رکھتا ہے یہ ادب کہلائے گا یا بے ادبی۔ نہ جانے یہ اتباع سنت کی کون سی قسم ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ جوتوں سمیت نماز ضرور پڑھنا چاہیئے یا یہ کہ جوتوں سمیت نماز کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ہمیں صرف رخصت کے انکار پر اعتراض ہے۔ بلکہ سنت کے مطابق ہمارا مسلک یہ ہے جوتوں میں اگر نجاست لگی ہو تو ان میں نماز جائز نہیں بلکہ اگر مسجد کی صفائی بھی ان سے متاثر ہوتی ہو تو بھی اندر جوتے پہن کر جانا مناسب نہیں (جیسا کہ آج کل ہماری مسجدیں ہیں) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

أمر رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محلوں میں

وَسَلَّمَ ببناء المساجد فی الدور وان تنظف وتطیب (أبوداود ص ۱۷۳)

مسجدیں بنائی جائیں اور یہ کہ انہیں صاف ستھرا اور پاک رکھا جائے۔

نیز فرمایا

عرضت علی اجور امتی حتی القداۃ یخرجها الرجل من المسجد (عن انس، أبوداود ص ۱۷٤)

مجھ پر میری امت کے ثواب پیش کئے گئے ہیں یہاں تک کہ وہ ثواب بھی جو انسان کو مسجد سے تنکا نکالنے پر ملتا ہے۔

بلکہ بے حرمتی اور بے ادبی کے خیال سے جوتوں سمیت مسجد کے اندر داخل ہونا حرام ہے۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (الحج ۳۲)

یعنی شعائر اللہ کی تعظیم کا تعلق دل کے تقویٰ سے ہے۔

ملفوظات والے سوال جواب پر دوبارہ غور فرمائیے۔ پوچھنے والا ہو تو یہ پوچھتا ہے کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں۔ اعلیٰ حضرت صاحب یہ جواب دیتے ہیں۔ ”نہیں ---- کیونکہ مسجد میں جوتے پہن کر جانا بے ادبی ہے“ سوال کچھ جواب کچھ۔ سائل نے تو مسجد کا نام ہی نہیں لیا۔ کیونکہ نماز تو مسجد کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ جناب اعلیٰ حضرت کی بات مان بھی لی جائے کہ مسجد میں جوتے پہن کر جانا بے ادبی ہے تو انہیں یہ فرمانا چاہئے تھا کہ مسجد میں تو نہیں البتہ مسجد کے باہر جائز ہے۔ جیسے کھلے میدان میں اکثر لوگ کم از کم نماز جنازہ تو پڑھ ہی لیتے ہیں۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف نہیں کہ جوتے اگر پاک اور صاف ہوں تو ان میں نماز جائز ہے بلکہ بعض علماء کا تو کہنا ہے کہ افضل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ　　زینت اختیار کرو ہر نماز کے وقت۔
(الأعراف : ۳۱)

جو لوگ جوتے اتار کر نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے متعلق ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرا جی چاہتا ہے کوئی ضرورت مند آئے اور ان کے جوتے اٹھا کر لے جائے (ج ۶ ص ۱۷۴) چنانچہ آج کل اس پر خوب عمل ہو رہا ہے۔ سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں کثیر التعداد روایات کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ ' امام ابو اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ جوتا ہر حال میں زمین کی مٹی سے پاک ہو جاتا ہے۔ ایک قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس کی تائید میں ہے۔ مگر امام شافعی کا مشہور قول اس کے خلاف ہے۔ غالبا وہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے کو ادب کے خلاف سمجھ کر منع کرتے ہیں (تفہیم القران ج ۳ ص ۸۹) معلوم ہوا اصولا حنفیہ کا یہ قول ہی نہیں کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ بریلوی حضرات مزاروں میں بھی جوتے پہن کر اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں جوتوں سمیت چلنے والے ایک شخص سے فرمایا تھا۔

يا صاحب السبتيتين ويحك الق سبتيتيك (عن بشير بن معبد نسائی ص ۲۳۳، ابن ماجة ص۱۱۲، أبوداود ج۳ ص ۲۱۱)

اے سبتی جوتے پہننے والے اپنے یہ جوتے اتار دو۔

دلیل حالانکہ عام ہے اور بظاہر اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں جوتوں سمیت نہیں چلنا چاہئے مگر بریلوی حضرات مسلمانوں کے عام قبرستان میں تو جوتوں سمیت چلتے ہیں اور بکنے والی قبروں کے پاس جوتے تہہ کر کے لے جانے کو بھی مکروہ جانتے ہیں جبکہ مسجدوں میں اس عمل کو برا نہیں سمجھتا جاتا۔ یعنی یہ اپنے مزاروں کا خانہ ہائے خدا سے بھی زیادہ احترام بجا لاتے ہیں۔ حالانکہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

والمشی فی المقابر بنعلین لا یکرہ عندنا (ج۱ ص ۱۷۶)
مقبروں میں جوتوں سمیت چلنا ہمارے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں جبکہ مسجدوں میں جوتوں سمیت داخل ہونا اور جوتوں سمیت نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے تو قبرستان میں جوتوں سمیت چلنا زیادہ لائق ہے کہ مکروہ نہ ہو۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے (شرح الاثار ج ۱ ص ۳۴۲ بحوالہ تحفہ الاحوذی ج ۱ ص ۳۱۰)
نیز فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شخص مذکور کو سبتیتین اتارنے کا حکم دینا اس وجہ سے نہیں تھا کہ قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا مکروہ ہے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں گندگی دیکھ لی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتارنے کا حکم دیا (ص ۳۴۲ بحوالہ عون المعبود ص ۲۱۱)۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (طه ۱۲)
اپنے جوتے اتار دو کیونکہ تم وادی مقدس طوی میں ہو۔

اسی کی بنا پر یہودی جوتے پہن کر نماز کے قائل نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ اس آیت میں جوتے اتارنے کی مصلحت علماء نے یہ بتلائی ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوتے پاک نہیں تھے (ابن کثیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میت کو قبر میں اتار کر لوگ واپس مڑتے ہیں تو میت ان کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے (عن انس بخاری ص ۱۷۸' مسلم ص ابوداؤد ص ۲۱۱' مشکوۃ ص) اس سے ثابت ہوا کہ قبرستان میں جوتے پہن کر جانا جائز ہے۔

جوتے کہاں رکھے جائیں پیچھے آپ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے اتار کر اپنے بائیں طرف رکھ لئے تھے (عن ابی سعید خدری' ابوداؤد ص ۲۴۷) نیز عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن

نماز پڑھائی تو اپنے جوتے اتار کر اپنے بائیں جانب رکھ لئے (نسائی ص ۸۹) یہ اس صورت میں ہے جب انسان امام یا اکیلا ہو۔ اگر بحیثیت مقتدی صف کے درمیان ہو تو پھر بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إذا صلی أحدکم فخلع نعلیه فلا یؤذبهما أحدا لیجعلهما بین رجلیه او لیصل فیهما (أبوداود ج۱ ص ۲۴۸)

نماز پڑھتے وقت جوتے اتارو تو ان کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ دو۔ یا تو انہیں اپنے پاؤں کے درمیان رکھو یا پھر جوتوں سمیت نماز پڑھ لو۔

پاؤں کے درمیان کا مطلب عین پاؤں کے درمیان نہیں بلکہ اپنی بیٹھک اور سجدہ والی جگہ کے درمیان ہے یعنی پاؤں کے آگے تاکہ بیٹھنے میں بھی تکلیف نہ ہو اور اگلی پچھلی صفوں میں کھڑے نمازیوں کو بھی دقت نہ ہو۔

مسجد سے جوتوں کی چوری ہمارے ہاں ایک مسلم روایت بن چکی ہے۔ عام طور پر قیمتی اور نئے جوتے چوری ہوتے ہیں۔ صاف ستھرے اور پاکیزہ جوتے اگر پہن کر نماز پڑھ لی جائے یا انہیں اپنے سامنے صفوں کے درمیان رکھ لیا جائے تو کم از کم چوری ہونے کا احتمال تو ختم ہو جاتا ہے۔ چوروں سے تنگ آکر ایک بزرگ کو کمال ترکیب سوجھی ہے وہ ایک جوتا ایک جگہ رکھتے ہو تو دوسرا کہیں اور رکھ دیتے ہیں۔ ڈھونڈتے پھریں۔

❊❊❊

نیت

اس میں شک نہیں ہر نیک عمل کیلئے نیت ضروری ہے بخاری شریف کی پہلی حدیث یہ ہے۔

إنما الأعمال بالنيات (عن عمر بن خطاب ص ٢) اعمال کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہے۔

نیت کا محل دل ہے۔ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ اس کا زبان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نبی ﷺ نے کسی بھی عمل کے لئے زبانی نیت کرنے کو مسنون نہیں فرمایا۔ اس لئے صحیح بات یہی ہے اور مستحب بھی یہی ہے کہ نیت کو اس کے ٹھکانے پر رکھا جائے۔ جس طرح کان سے سونگھا' ناک سے سنا اور آنکھوں سے چکھا نہیں جا سکتا اسی طرح زبان سے نیت کرنا بھی محال ہے۔ کیونکہ نیت دل کا فعل ہے۔ حنفیہ باوجود اس بات کے کہ محسوس کرتے ہیں کہ زبانی نیت کوئی چیز نہیں پھر بھی اسے مستحب جانتے ہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

أما الذكر باللسان فلا معتبر به ويحسن ذلك لاجتماع عزيمة (ص ٦٥) نیت کا زبانی ذکر معتبر نہیں البتہ یہ مستحب ہے تاکہ دل کے ارادہ کے ساتھ زبان بھی متفق ہو جائے۔

حیرت ہے کہ جو عمل نبی ﷺ سے صحابہ کرام سے تابعین سے حتیٰ کہ ائمہ اربعہ تک سے کسی طرح بھی ثابت نہ ہو اس میں استحباب کہاں سے پیدا ہو جاتا ہے۔

مصنف نماز مسنون بحر الرائق ج ا ص ۲۷۷ کے حوالے سے لکھتے ہیں نیت کا زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ نہ حضور ﷺ نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ سے نہ اسلاف کرام اور ائمہ اسلام سے لفظ نیت کا ثبوت ہے (ص ۲۷۳)

جو مسئلہ کہیں سے بھی ثابت نہ ہو سکے اس کے متعلق صرف یہ کہہ دینا

کہ ضروری نہیں کتنی غیر ضروری بات ہے۔ آگے خود یہی حضرت صاحب بھی ایک طرف تو لکھتے ہیں نیت تو فقط ارادہ کا نام ہے جس کا محل دل ہے نہ کہ زبان اور لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدعت فرمایا ہے (مکتوبات امام ربانی ص ۸۵ دفتر اول حصہ سوم مکتوب نمبر۱۸۶) اور دوسری طرف بدعت فرمایا ہے کہ آگے بریکٹ میں فرما دیتے ہیں یعنی اگر ضروری خیال کیا جائے (نماز مسنون ص ۲۷۴) سوال یہ ہے کیا بدعت کی یہی تعریف ہے کہ غیر ثابت شدہ مسئلہ کو ضروری سمجھا جائے پھر تو بریلوی حضرات بری الذمہ ہو گئے۔ وہ بھی عام طور پر اپنی بدعات کو ضروری نہیں سمجھتے صرف جائز اور مستحب ہی خیال کرتے ہیں۔ مولنا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشھود لھا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے (حمائل شریف ص ۷۰۲ بحوالہ راہ سنت طبع چہارم ص ۷۸)

نیت کے ثبوت میں سب نے انما الاعمال بالنیات سے استدلال کیا ہے۔ اس کے آگے حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة ينكحها فهجرته ألى ما هاجر إليه

پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سمجھی جائے گی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کیلئے ہو تو اس کی ہجرت انہی باتوں کیلئے متصور ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا نیت کا مطلب عمل کی تفصیلات زبان پر لانا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آیا یہ عمل اللہ کی رضا کیلئے ہے یا کسی دنیوی منفعت کے حصول کیلئے ہے۔

مثال کے طور پر احناف نے اپنے مقتدیوں کو نیت کیلئے اس قسم کے الفاظ رٹائے ہوئے ہیں۔ چار رکعت نماز فرض یا عصر پیچھے اس امام کے منہ طرف کعبہ کے۔ عرض ہے کہ پھر انہیں نیت میں یہ بھی بولنا چاہئے کہ ہر رکعت میں ایک قیام ایک رکوع ایک قومہ دو سجدے ایک جلسہ وغیرہ۔ اگر کہا جائے یہ تو ہر ایک کو علم ہی ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کیا پھر انہیں یہ علم نہیں ہوتا یہ نماز ظہر ہے یا عصر ہے فرض ہے یا نفل ہے۔ رکعتیں دو ہیں یا تین ہیں یا چار ہیں۔ اور کیا انہیں یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کس امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ چھپڑ والی مسجد کے امام کے پیچھے یا بوہڑ والی کے امام کے پیچھے اور کیا انہیں یہ علم نہیں ہوتا کہ ان کا منہ کدھر ہے۔ ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی ہوتا ہے خدانخواستہ کوفہ' دیوبند یا بریلی کی طرف تو نہیں ہوتا۔

زبانی نیت کے بارے میں میرا خیال ہے اور تو کسی کو کوئی دلیل نہیں سوجھی البتہ نماز حنفی مدلل (ص ٦٩) کے فقیہہ اعظم صاحب کو سوجھ گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔

إن الرجل لا يكون مؤمنا حتى يكون قلبه مع لسانه سواء ويكون لسانه مع قلبه سواء ولا يخالف قوله عمله ويأمن جاره بوائقه (عن انس ترغيب منذری ص ٤٣٥)

آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ اور اس کی زبان اس کے دل کے ساتھ موافق نہ ہو اور اس کا قول اس کے عمل کے مخالف نہ ہو اور اس کا پڑوسی اس کی زیادتیوں سے محفوظ نہ ہو۔

ان حضرت صاحب نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس میں شبہ نہیں کہ زبان اور دل میں مطابقت اور قول و عمل میں موافقت ہونی چاہئے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے محدث اعظم کو ضعیف روایت کا سہارا

لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ مضمون خود قرآن پاک میں بارہا بیان ہوا ہے۔ مثلا منافقوں کے بارے میں فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ ءَامَنَّا بِاللهِ وَبِالْيَوْمِ الأخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (بقرہ:۸)

بعض لوگ کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ (آل عمران:۱٦٧)

وہ اپنے مونہوں کے ساتھ وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔

مشرکین کے بارے میں فرمایا۔

يُرْضُوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوْبُهُمْ (التوبہ:۸)

راضی کرتے ہیں وہ تمہیں اپنے مونہوں کے ساتھ اور دل ان کے انکاری ہیں۔

نیز نبی ﷺ فرماتے ہیں۔

ما من أحد يشهد أن لا إلـه إلا الله وإن محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله على النار (عن انس بخاری ص ٢٤)

جو شخص بھی صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھے گا اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم کی آگ پر حرام کر دیا۔

لیکن ان کی پیش کردہ روایت یا کسی اور آیت یا حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی عمل کیلئے نیت کے رٹے رٹائے الفاظ بولنے چاہیں۔ اگر یہ الفاظ بولنے اتنے ہی مستحسن اور مستحب تھے تو آنحضرت ﷺ کا فرض تھا کہ امت کو بتلاتے۔ بقول ان حنفیہ کے نبی ﷺ نے ایسی حدیث بیان فرمائی ہے جس سے تلفظ بالنیت کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے نماز روزہ یا کسی اور رکن کیلئے نہ کبھی کوئی نیت پڑھی نہ سکھلائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے خود نبی ﷺ کا اپنا عمل بھی

اپنے قول کے موافق نہیں تھا۔ استغفر اللہ معاذ اللہ ۔ اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ سے بھی بڑھ کر امت کا ہمدرد اور بہی خواہ خیال کرتے ہیں۔ مصنف حنفی نماز مدلل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا ہے

فما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (مسند أحمد ج ۱)	جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اور پھر تلفظ بالنیت کے بارے میں عموماً حنفی علماء کے اقوال نقل کر دیئے ہیں (ص ۱۷) یہ بڑا آسان نسخہ ہے اس طرح تو واقعی ان کا سارا دین ہی مع بدعات کے مدلل ہو جاتا ہے۔ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی رنگ آئے چوکھا۔ میرے بھائی ابن مسعود رضی اللہ عنہما رواجی دین کے قائل نہیں تھے۔ وہ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی بات کو دین سمجھتے تھے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے پھر آپ ﷺ نے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا ان سب راستوں پر شیطان دعوت دے رہے ہیں (مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۶)

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ قول بدعات کے بارے میں نہیں۔ یہ غالبا کاروباری معاملات کے بارے میں ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اسے حدیث سمجھ کر کتاب الاجارہ میں بیان کیا ہے (ص ۲۵۲) یہ قول بالکل ایسے ہی ہے جیسے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ألمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما (عن عمرو بن عوف المزني- كتاب الاحكام ترمذی ج۲ ص ۲۸٤)	مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں سوائے ایسی شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرے۔

گو امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ لیکن ان کی اس تصحیح پر

تنقید کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عمرو بن عوف کا پوتا کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے۔

میں حیران ہوں یہ لوگ نیت کے الفاظ بولنے پر اتنا اصرار کیوں کرتے ہیں۔ جو شخص موسم کی شدت کو برداشت کرتا ہے۔ سینکڑوں قدم چل کر مسجد کا رخ کرتا ہے وضو کرتا ہے ابھی اس کی نیت میں کوئی کسر رہ جاتی ہے۔ ابھی انہیں اس پر شبہ ہوتا ہے۔ ابھی انہیں اس کی نیت پر اعتبار نہیں آتا؟

حنفی مسلک میں ایک تضاد یہ نظر آتا ہے کہ یہ تیمم میں نیت کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ بقول ان کے مٹی غیر مطہر ہے اور وضو میں نیت کو ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ پانی طہور بنفسہ ہے (ہدایہ ص ۶، ۲۸) بلکہ ہدایہ کے متن میں اسے صرف مستحب البتہ شرح میں سنت مانا گیا ہے (ص ۶) یعنی وضو کیلئے دل میں بھی نیت کا ہونا ضروری نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ جب پانی بذات خود مطہر ہے لہٰذا اس کے لئے دل میں بھی نیت کا ہونا ضروری نہیں تو کیا نماز بذات خود عبادت نہیں کہ جس کے لئے دل کے علاوہ زبانی الفاظ بولنے پر بھی اصرار کیا جائے۔ نیز بات یہ ہے اگر تیمم کیلئے نیت فرض ہے تو اس کے لئے بھی بلکہ ہر عمل کے لئے کوئی نہ کوئی نیت کے الفاظ وضع ہونے چاہئیں۔ صرف نماز تو ایک عمل نہیں رہ گیا؟

ایک اور چیز ملاحظہ ہو۔ چونکہ نیت کے یہ الفاظ خود ساختہ ہیں اس لئے یہ خود بھی اس بات پر متفق نہیں کہ نیت میں کیا شامل ہے اور کیا شامل نہیں ہے۔ مثلاً نماز پیمبر ص ۱۱۷ میں "کتنی رکعات ہیں" کو نیت میں شامل کیا گیا ہے جبکہ نماز مسنون ص ۲۸۳ میں اسے نیت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ تعداد رکعات نہیں۔ یہ دونوں حوالے گو دل کی نیت کے بارے میں ہیں تاہم ان کے نزدیک تلفظ بھی تو انہیں الفاظ کا معتبر ہے۔ مصنف عماد الدین کے نزدیک اتنا ہی تلفظ کافی ہے سنت فجر یا فرض فجر (ص ۱۰۲)

جماعت کھڑی ہوتی ہے۔ امام قرات کر رہا ہوتا ہے اور انجان مقتدی کانوں کو ہاتھ لگا کر لمبی چوڑی نیت پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حنفیہ کے

نزدیک قرات کا خاموشی کے ساتھ سننا فرض ہے۔ اسی لئے یہ لوگ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے جو کہ نماز کی جان ہے۔ اس چیز کو مصنف نماز مسنون نے بھی محسوس فرمایا ہے۔ وہ مقتدی کے بارے میں فرماتے ہیں لمبی چوڑی نیت کے الفاظ دہراتے رہنا فضول اور ناپسندیدہ ہے (ص ۲۷۴) میں کہتا ہوں جب امام قرات کر رہا ہو تو کیا تھوڑے سے الفاظ کہنا جائز ہیں۔ حضرت صاحب کو صاف لکھنا چاہیئے تھا کہ قرات شروع ہونے کے بعد ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہیئے مگر چونکہ ان کی نیت نہیں تھی کہ مسئلہ صاف ہو اس لئے گول مول اور واعظانہ بات کر گئے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے حنفیہ کے عوام و خواص سب نیت کے الفاظ بولتے ہیں حالانکہ مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ اگر دل سے ارادہ کر لیا اور زبان سے کچھ نہ کہا تو نماز درست ہے۔ البتہ عوام کیلئے دل کے ارادہ کے ساتھ زبان سے بھی تلفظ کرنا بہتر ہے (ص ۲۷۴) نماز پیمبر ص ۱۱۷ میں لکھا ہے اگر کسی کو وساوس آتے ہو یا نماز کے خشوع و خضوع اور دھیان میں کمی آتی ہو اس خیال سے کہ کہیں نیت میں غلطی تو نہیں رہ گئی اسکے لئے بہتر ہے کہ وہ زبان سے بھی یہ کلمات دہرائے۔

مصنف عماد الدین ایک طرف تو فرماتے ہیں نیت لسانی بجہر ہو یا بسر بدعت مخترعہ ہے نہ اس کا ثبوت حدیث نبوی سے ہے اور نہ اصحاب خیر القرون کے قول و فعل سے (ص ۱۰۰) پھر کہتے ہیں عوام کیلئے نیت لسانی بدعت بھی نہیں کیونکہ بدعت وہ فعل ہے جو دین میں داخل کیا گیا ہو لیکن ان کا یہ فعل احداث فی الدین نہیں بلکہ احداث للدین ہے اور احداث للدین ہرگز بدعت نہیں ہو سکتا (ص ۱۰۱) اپنے مسلک کا بھرم رکھنے کے لئے احناف کو کیا کیا قفیہانہ پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے اسلام میں شراب' جوا' سود'

زنا سب حرام ہیں مگر اسلام کیلئے سب جائز اور حلال ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

تکبیر تحریمہ

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا افتتح الصلوة كبر (عن علي مسلم ص ٢٦٤)

نبی ﷺ اللہ اکبر سے نماز شروع فرماتے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

تحريمها التكبير وتحليلها التسليم (عن علي ترمذی ص ١٣)

نماز کا آغاز اللہ اکبر سے اور اختتام السلام علیکم ورحمتہ اللہ سے ہے۔

تمام جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی بصری کہتے ہیں خواہ اللہ کے ننانوے نام لے لے مگر جب تک اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع نہ کرے اس کی نماز صحیح نہیں (ترمذی ص ۱۹۹) ہر مسلمان کے دل میں اتباع سنت کا یہی جذبہ ہونا چاہئے۔ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

يقول الله اكبر لا يجزئه غيره من الفاظ التعظيم (غنية الطالبين مترجم ص ٩)

اللہ اکبر کہے اس کے سوا تعظیم کا کوئی لفظ کفایت نہیں کریگا۔

مگر حنفیہ کہتے ہیں۔

فان قال بدل التكبير الله اجل أو اعظم أو الرحمن اكبر اولا إله الا الله أو غيره من اسماء الله تعالى اجزاه عند ابی حنيفة ومحمد (هدايه ص ٦٩)

اگر بجائے اللہ اکبر کے اسماء الٰہی میں سے کوئی اور نام لے لے جیسے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمٰن اکبر یا لا الہ اللہ وغیرہ تو امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز ہے۔

بلکہ آگے لکھا ہے۔

فان افتح الصلوة بالفارسية او قرا فيها بالفارسية أو ذبح وسمى بالفارسية وهو يحسن العربية اجزاه عند ابى حنيفة

اگر فارسی میں تحریمہ کہہ دے یا نماز میں فارسی میں قرات کرے یا ذبح کرتے وقت فارسی میں بسم اللہ پڑھے حالانکہ وہ بخوبی عربی میں ادا کر سکتا ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے۔

نبی ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو ایک دعا سکھلائی کہ سوتے وقت باوضو ہو کر اسے پڑھا کریں۔ اس میں ایک لفظ تھا و بنبیک الذی ارسلت دہراتے وقت ان کی زبان سے نکل گیا وبرسولک الذی ارسلت تو فرمایا یوں نہیں بلکہ یوں کہو وبنبیک الذی ارسلت (بخاری ص ۳۸) اس سے معلوم ہوا نبی ﷺ جو فرما دیں وہی حق ہوتا ہے اس میں خواہ مخواہ اپنی طرف سے ردوبدل نہیں کرنا چاہیئے۔

لہذا تحریمہ بھی انہی الفاظ میں کہنی چاہیئے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں۔ احناف میں یہ جرات نہیں کہ اپنے اس اصل فقہی مسئلہ پر عمل کر سکیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔

❋❋❋

افتتاحی رفع یدین

أن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلوة الحديث (عن ابن عمر بخاری ص ۱۰۲، مسلم ص ۱۶۸، عن وائل بن حجر مسلم ص ۱۷۳)

آنحضرت ﷺ شروع نماز میں کندھوں تک رفع یدین فرماتے۔

ان رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما اذنيه الحديث (عن قتاده عن نصر بن عاصم عن مالك بن حويرث مسلم ص ۱۶۸)

نبی ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک رفع یدین فرماتے۔

عن قتادة بهذا الاسناد (یعنی عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالک بن حویرث کی سند کے ساتھ) یوں بھی مروی ہے۔

إنه رأى نبى الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقال حتى يحاذى بهما فروع اذنيه (مسلم ص ۱۶۸)

کہ انہوں نے یعنی مالک بن حویرث نے نبی ﷺ کو کانوں کے بالائی حصہ کے برابر رفع یدین کرتے دیکھا۔

حنفیہ بھی انہی احادیث سے افتتاحی رفع یدین پر استدلال کرتے ہیں۔ ان سب احادیث میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر بھی ہے مگر یہ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ان کے مطلب کی نہیں ہے۔ اس سے ہاتھ تو بلند ہو جاتے ہیں مگر ان کا مسلک نیچے چلا جاتا ہے۔ نماز پیمبر کے مصنف لکھتے ہیں۔

وفى رواية مسلم عن قتاده أنه رأى نبى الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقال حتى يحاذى بهما فروع اذنيه

اور صحیح مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی کو دیکھا وہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے (ص ۱۱۹)

مصنف نے اپنے اس ترجمہ میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے جیسے یہ ایک مستقل اور مکمل حدیث ہو جس میں رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کا کوئی ذکر نہ ہو اور یہ قتادہ کوئی صحابی ہوں جنہوں نے نبی ﷺ کو صرف افتتاحی رفع یدین کرتے دیکھا حالانکہ یہ ساری بات ہی غلط ہے۔ مصنف نے یہ ہوشیاری اس طرح کی ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور عن قتادہ کے آگے بهذا الا سناد کا لفظ حذف کر دیا ہے۔ بهذا الاسناد کا مطلب یہ ہے کہ قتادہ نصر بن عاصم سے اور نصر بن عاصم مالک بن حویرث سے بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ وہی روایت ہے جو پہلے مذکور ہوئی ہے جس میں رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر بھی ہے اور جو حضرت مالک بن حویرث سے ہی مروی ہے ان حضرت صاحب نے بهذا الا سناد کا لفظ گرا کر اس قتادہ کو صحابی بنا ڈالا اور ایک ایسی مستقل حدیث بنا دی جس میں صرف افتتاحی رفع یدین کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ راوی قتادہ بن دعامہ سدوسی ہے۔ حضرت قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ یا حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں ان کا اس روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وقال کا ترجمہ بھی کھا گئے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حتی یحاذی بهما فروع اذنیه مکمل حدیث نہیں بلکہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اذنیہ اور فروع اذنیہ کا فرق ظاہر کرنے کیلئے دوسری سند لا کر الگ بیان کیا ہے۔ ورنہ کیا میں ان حضرت صاحب سے پوچھ سکتا ہوں کہ انہوں نے یہ جو ترجمہ کیا ہے کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔ یہ اٹھاتے تھے ان کی بیان کردہ حدیث کے مطابق کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ کیونکہ اس میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو سکے من و عن یہی کرتب حضرت صوفی عبدالحمید صاحب مدظلہ العالی نے اپنی مختصر کتاب نماز مسنون کی چالیس حدیثیں (ص ۹) میں بھی دکھلایا ہے۔ اسے ان علمائے کرام کا تسامح کہا جائے یا خیانت یہ فیصلہ میں انہی کے عقیدت مندوں پر چھوڑتا ہوں ان سے تو مصنف نماز مدلل ہی اچھے رہے جنہوں نے ان دونوں احادیث کو باقاعدہ مالک بن حویرث کی طرف ہی منسوب کیا ہے لیکن افسوس کہ ان دونوں احادیث میں موجود رکوع والی رفع یدینوں کا تذکرہ کئے بغیر (ص ٦٩) امام

نسائی نے اذنیہ اور فروع اذنیہ کا فرق ظاہر کرنے کے لئے ان دونوں احادیث کو الگ الگ اور مکمل بیان کیا ہے ان ہر دو میں رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر موجود ہے (ص ۱۰۳ و ۱۰۴) نیز معلوم ہونا چاہیئے مصنف نماز پیمبر نے فروع اذنیہ کا ترجمہ کانوں کی لو کیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ فروع کانوں کے اوپر والے حصہ کو کہتے ہیں جبکہ لو نچلے حصہ کیلیئے بولا جاتا ہے لو کیلیئے عربی میں شحمہ کا لفظ ہے۔

رفع یدین کہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر (بخاری ص ۱۰۲ مسلم ص ۱۶۸) اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ (ابوداؤد ص ۲۶۵ ترمذی ص ۲۴۹) کی روایتوں میں کندھوں تک اور مالک بن حویرث (مسلم ص ۱۶۸) اور وائل بن حجر (مسلم ص ۱۷۳) کی روایتوں میں کانوں تک رفع یدین کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ دونوں طرح جائز ہے۔ بعض نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ ہاتھ کندھوں تک اور انگلیاں کانوں تک ہوں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

رفع یدیہ حتی یحاذی بالبھامیہ شحمۃ اذنیہ (ص ٦٨)

رفع یدین کرے یہاں تک کہ اس کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں

دلیل میں وائل بن حجر رحمۃ اللہ علیہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایتوں کا حوالہ دیا ہے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد ص ۲۶۴ اور نسائی ص ۱۰۴ میں موجود ہے۔ مگر یہ ضعیف ہے۔ اس کی سند میں راوی عبدالجبار کا اپنے باپ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت دار قطنی ج ۱ ص ۳۰۰ میں ہے۔ اس میں ایک راوی حسین بن علی بن اسود متکلم فیہ ہے۔ ابوحاتم نے کہا۔

ھذا حدیث کذب لا اصل لہ

یہ حدیث جھوٹی اور بے اصل ہے۔

(نصب الرایہ ج۱ ص ٣٢٠)

نیز اس میں ایک راوی حمید مدلس ہے جو عن سے روایت کرتا ہے۔ براء

بن عازب والی روایت طحاوی اور مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۴ میں ہے۔ اس میں ایک راوی یزید بن ابی زیاد کے متعلق تقریب میں ہے۔

ضعیف کبر فتغیر صار یتلقن وکان شیعیا (ص ۳۸۲)	ضعیف ہے۔ بڑے ہو کر اس کا حافظہ متغیر ہوگیا اور اسے تلقین کی جاتی تھی اور وہ شیعہ تھا۔

صاحب ہدایہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل کو حنفیہ کے عمل سے مختلف یعنی کندھوں تک رفع یدین بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی بیان کردہ کندھوں تک والی روایت عذر پر محمول ہے (ص ۶۹) مگر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کندھوں کے برابر ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ اس کی انگلیوں کے کنارے کانوں کی بلندی (فروع اذنیہ) تک پہنچ جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو (شحمتی اذنیہ) اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہو جائیں۔ کندھوں کے برابر رفع یدین کا یہی مطلب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف روایات میں اسی طرح تطبیق دی ہے اور لوگوں نے اچھا سمجھ کر ان کی اسی بات کو قبول کیا ہے۔ (شرح مسلم ص ۱۶۸)

مصنف نماز پیمبر نے یہ کریڈٹ حنفی علماء کو دینے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں مگر فقہاء حنفیہ (غالبا ان میں صاحب ہدایہ شامل نہیں) کی نظر چونکہ صرف ایک حدیث پر نہیں بلکہ احادیث پر ہوتی ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہتے وقت اس طرح ہاتھ اٹھاؤ کہ تمام احادیث پر عمل ہو سکے کہ ہاتھ کی انگلیاں کانوں کے برابر انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں (ص ۱۱۹)

مصنف نماز مدلل (ص ۷۰) نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیق کا ذکر کر کے صاف لکھا ہے علمائے احناف نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا ہے۔ علامہ قاری فرماتے ہیں ھو جمع حسن (مرقات ج ۲ ص ۲۵۴) یعنی یہ اچھی تطبیق ہے۔ اس

صاف گوئی کے بعد مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تطبیق والا اعزاز کس کو ملنا چاہئے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سرے سے یہ تطبیق ہی ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر رکھے جائیں تو ہتھیلیاں کندھوں سے بہت اوپر کانوں کے برابر اور انگلیاں سر کے اوپر والے حصہ کے برابر ہو جاتی ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ کندھوں اور کانوں کے برابر رفع یدین کے درمیان تطبیق تو ممکن ہے جیسے اہل حدیث کا خیال ہے۔ لیکن اگر انگوٹھوں کو کانوں کی لو کے برابر رکھنا ہو تو پھر تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ دو بالکل مختلف عمل ہو جاتے ہیں۔ بعض اہل حدیث رفع یدین بالکل برائے نام کرتے ہیں یعنی کہنیوں تک اور بعض حضرات سر سے بھی اوپر لے جاتے ہیں یہ دونوں انتہائیں نادرست اور بے ثبوت ہیں۔ بعض لوگ رفع یدین کو کافی دیر تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ اس کا بھی کہیں ذکر نہیں۔

مصنف نماز پیمبر کا یہ فرمانا کہ فقہاء نیہ کی نظر ایک حدیث پر نہیں بلکہ تمام احادیث پر ہوتی ہے بھی محل نظر ہے گستاخی نہ ہو تو عرض کروں ان کی نظر تو بمصداق حفظت شیا وغابت عنک اشیاء ایک پوری حدیث پر بھی نہیں ہوتی کجا یہ کہ تمام احادیث پر۔ جیسے ابھی آپ رفع یدین والی احادیث اور اس سے پہلے اذانوں والی احادیث کے متعلق ملاحظہ فرما چکے ہیں اور ابھی پتہ نہیں آپ کیا کیا ملاحظہ فرمانے والے ہیں۔

نیز حنفیہ کا مسئلہ حالانکہ یہ ہے کہ انگوٹھوں کو کانوں کی لو کے برابر کرے۔ مگر یہ بالکل ساتھ لگا لیتے ہیں۔ کوئی شریف آدمی انہیں سمجھاتا بھی نہیں۔

رفع یدین کس وقت؟ عموماً دیکھا گیا ہے حنفی بھائی کانوں کے ساتھ انگوٹھے لگا کر دیر تک نیت پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسے اذان دینے لگے ہوں۔ ساری رفع یدینوں کی کسر اسی ایک رفع یدین پر نکال دیتے ہیں اور پھر آخر میں اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ ابے اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ جبکہ

خود ان کی پیش کردہ وائل ابن حجر کی روایت کے مطابق (ابوداؤد ص ۲۶۴) بھی اور فقہ حنفی کی رو سے بھی رفع یدین کا نیت کے ساتھ نہیں بلکہ تکبیر کے ساتھ تعلق ہے۔

ویرفع یدیه مع التکبیر (ھدایہ ص ۶۸) اور تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھاتے۔

یعنی ہاتھ اس وقت اٹھانے چاہیں جب نمازی اللہ اکبر کہنے لگے نہ کہ نیت پڑھتے وقت مگر یہ لوگ نیت کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اللہ اکبر کے وقت ہاتھ نیچے کرتے ہیں۔

رفع یدین کی کیفیت نبی ﷺ نے فرمایا رفع یدین کے وقت ہتھیلیاں قبلہ رخ ہونی چاہیں۔ (عن ابن عمر۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲) اور ہتھیلیوں کو پھیلا کر رکھنا چاہیے۔ ترمذی میں ایک روایت ہے۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا كبر للصلوة نشر اصابعه — نبی ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنی انگلیاں پھیلا دیتے۔

(عن ابی ھریرہ ترمذی ص ۲۰۰)

مصنف نماز مسنون اس روایت کو نقل کرنے سے پہلے بحوالہ کبیری (ص ۳۰۰) لکھتے ہیں تحریمہ میں رفع یدین کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا دے (ص ۳۱۴) مگر امام ترمذی نے ان الفاظ کو خطا قرار دیا ہے اور ایک دوسری سند لا کر ان الفاظ کو ترجیح دی ہے۔

رفع یدیه مدا — آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر رکھتے۔

چنانچہ مصنف نماز پیمبر نے بھی اسی روایت کا ذکر کیا ہے مگر ترجمہ یہ کیا ہے کہ ہاتھوں کو اچھی طرح اٹھاتے (ص ۱۱۹) حالانکہ ترجمہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو پھیلاتے نشر والی روایت اگر صحیح ہو تو بقول سیوطی رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ

انگلیوں کو بند کر کے نہیں رکھنا چاہیئے (تحفتہ الاحوذی ص ۲۰۰) یعنی نہ انہیں اکڑانے کی ضرورت ہے نہ بند کرنے کی ضرورت ہے اور نہ چوڑا کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ علامہ عبدالحی لکھنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض علماء احناف نشر اصابع والی روایت سے استدلال کر کے تفریج یعنی انگلیوں کو دائیں بائیں کھول کو رکھنے کے قائل ہیں۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ روایت معتبر نہیں۔ بعض علماء احناف کہتے ہیں انگلیوں کو کھول کر رکھنے یا ملانے کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے وہ پہلے تھیں رفع یدین کے وقت بھی انہیں اسی (قدرتی) حالت پر رہنے دینا چاہیئے (سعایہ شرح وقایہ بحوالہ تحفہ الاحوذی ص ۲۰۰)

❋❋❋

ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل	لوگوں کو حکم تھا کہ آدمی دایاں ہاتھ اپنی
اليد اليمنى على ذراعه اليسرى	بائیں کلائی پر رکھے۔

(عن سهل بن سعد بخارى ص ١٠٢ مؤطأ امام مالك ص ٥٥)

معلوم ہوا نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا چاہئے انہیں کھلا نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں نیچے ہونا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے مجھے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھے دیکھا۔ آپ ﷺ نے دائیں کو بائیں پر کر دیا (ابوداوٗد ج ۱ ص ۲۷۴) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۳) بعض مالکیہ ہاتھ نہیں باندھتے کیونکہ بقول ان کے امام مالک سے ایک روایت ہاتھ نہ باندھنے کی ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی یہ بات ان کی طرف منسوب کی ہے (ص ۷۰) حالانکہ امام مالک نے موطا میں باقاعدہ وضع الیدین احدھما علی الاخری کا باب باندھ کر سہل بن سعد کی ہاتھ باندھنے والی مذکورہ روایت بیان کی ہے بلکہ اس کے علاوہ عبدالکریم بن ابی المخارق سے بھی بیان کیا ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا سنت ہے (ص ۵۵) من حیث اللغت ذراع کا اطلاق کو کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے آخری سرے تک ہے لیکن لغت کے لحاظ سے ہی اس کے متعارف معنی ساعد یعنی کلائی کے ہیں (المنجد ص ۲۳۳) نماز مسنون میں بھی اس کا ترجمہ کلائی ہی کیا گیا ہے (ص ۳۱۷) اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھنا چاہئے اور پھر اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ہاتھ سینے پر باندھنے چاہیں کیونکہ اگر دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھا ہوا ہو تو پھر ہاتھ نہ اوپر جا سکتے ہیں نہ نیچے جا سکتے ہیں۔ مصنف نماز مسنون نے اس مشکل سے بچنے کا یہ طریقہ نکالا ہے کہ بائیں ہاتھ کی کلائی کو دائیں ہاتھ کی چھنگلی اور انگوٹھے سے پکڑ لے (ص ۳۱۷)

کچھ اہل حدیث دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر گردن کے قریب باندھ لیتے ہیں اور احناف عموماً دائیں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر انتہائی زیر ناف لے جاتے ہیں۔ گزارش ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا ہوتا تو اس حدیث میں الید الیسری کے آگے الید الیری ہونا چاہئے تھا۔ لفظ بدل کر ذراعه الیسری کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ صحیح ترین روایت ہے جو ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰ (بحوالہ فتح الباری ج ۳ ص ۷۲) میں باسند اور بخاری شریف میں بلا سند "تعلیقا" مذکور ہے۔

وضع علی رضی الله عنه کفه علی رسغه الایسر (ص ۱۵۹) — حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے پہنچے پر رکھا۔

اس عمل صحابی کا ماقبل حدیث سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تاہم اگر اس صورت پر عمل کیا جائے تو اس سے جس طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہاتھ گردن کے قریب باندھتے ہوں گے اسی طرح یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ زیر ناف باندھتے ہوں گے۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق آگے فوق السرة (یعنی ناف کے اوپر) کے الفاظ بھی ہیں (عن جریر الضبی ابوداؤد ص ۲۷۵) گو اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔

ھلب طائی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

یضع هذه علی صدره (مسند احمد ج۵ ص ۲۱٤) — میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سینے پر ہاتھ رکھتے تھے۔

اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ صرف سماک بن حرب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔ لہٰذا عکرمہ سے انہوں نے جو روایتیں بیان کی ہیں ان میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ یہ روایت قبیصہ بن ھلب

سے ہے۔ ان سے سماک اور سماک سے سفیان ثوری بیان کرتے ہیں۔ سفیان نے سماک سے بہت پہلے سنا تھا (تحفتہ الاحوذی ج ا ص ۲۱۶) اس حدیث کا حوالہ آثار السنن میں بھی ہے (ص ٦٧ باب وضع الیدین علی الصدر) اس کی تعلیق میں علامہ نیموی رحمہ اللہ حنفی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے البتہ کہا ہے۔

لکن قوله على صدره غير محفوظ	علی صدرہ کے الفاظ محفوظ نہیں

علامہ نیموی کا علی صدرہ کو غیر محفوظ کہنا کسی معقول وجہ کے بغیر ہے۔
وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی نماز کا نقشہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ والساعد (صحيح ابن خزيمه ج١ ص ٢٤٣)	پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت پہنچے اور کلائی پر رکھا۔

یہ حدیث سنداً" اور متناً" صحیح ہے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں۔

هذاه الكيفية تستلزم أن يكون الوضع على الصدر (تعليق مشكوة)	یہ کیفیت سینے پر ہاتھ رکھنے کو مستلزم ہے۔

یہ روایت نسائی (ص ۱۰۵) میں بھی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں اسی صفحہ پر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں ہے۔

فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره	نبی ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا سینے کے اوپر۔

ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۹۵ تحفہ ۲۱۶)
شیخ البانی فرماتے ہیں اس کی سند میں مومل بن اسماعیل سئی الحفظ ہے۔ اس لئے اس کی سند تو کمزور ہے تاہم حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ اسی مفہوم میں دوسری

سندوں سے بھی آئی ہے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی اور بھی احادیث ہیں جو اس کی شاہد ہیں (تعلیق صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳)

سید بدیع الدین شاہ صاحب پیر آف جھنڈا رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ وہ مومل نہیں ہے۔ جسے تہذیب وغیرہ میں ضعیف کہا گیا ہے (تخریج فتح الغفور)

صحاح ستہ کے محشی شیخ ابوالحسن سندھی حنفی نے ابوداؤد کے حاشیہ (فتح الودود) پر سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایتوں کو ترجیح دی ہے۔ نیز حاشیہ ابن ماجہ میں زیر ناف والی روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لطف یہ کہ شیخ صاحب موصوف باوجود حنفی المذہب ہونے کے سینے پر ہاتھ باندھتے اور رفع یدین کرتے تھے۔ حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے انہوں نے ایک حنفی قاضی کی طرف سے دی گئی قید و بند کی سخت سزا بھی کاٹی (تراجم الشیوخ از شیخ محمد عابد سندھی) شیخ محمد قائم سندھی حنفی نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے (فوز الکرام بحوالہ تحفۃ الا حوذی ص ۲۱۶)

ابن امیر الحاج حنفی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

لم يثبت حديث يوجب تعيين المحل الذى يكون فيه الوضع من البدن الا حديث وائل المذكور (شرح المنية - بحواله فتح الغفور از علامه حيات سندهى ص ١٥-١٦، تحفه ص ٢١٥)

ایسی کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس کی رو سے بدن کے کسی مقام پر ہاتھ رکھنے کا وجوب معلوم ہو۔ سوائے وائل کی حدیث کے۔

مرزا مظہر جان جاناں کا قول ہے۔ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت زیر ناف کی روایت سے زیادہ راجح ہے۔ (مسلک الختام ج ۱ ص ۲۱۷)

حنفیہ نے اس حدیث میں اضطراب ثابت کرنے کی بلکہ یوں کہئے اضطراب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں "ابن خزیمہ میں علی صدرہ مسند بزار میں عند صدرہ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں تحت السرۃ کے الفاظ ہیں"۔ علی صدرہ اور عند صدرہ میں تو کوئی خاص فرق نہیں۔ اگرچہ علی صدرہ کے الفاظ اصح ہیں کیونکہ

اس کا شاہد (ھلب طائی والی روایت) موجود ہے۔ جب کہ عند صدرہ کا کوئی شاہد نہیں۔ جہاں تک تحت السرۃ کا تعلق ہے جو کہ حنفیہ کی سب سے بڑی دلیل ہے اور جسے یہ عام طور پر اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں اس کے متعلق شیخ محمد حیات سندھی اپنے رسالہ فتح الغفور میں فرماتے ہیں تحت السرۃ کے الفاظ دراصل سہو کاتب ہیں۔ مجھے مصنف ابن ابی شیبہ کے صحیح نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ دراصل یہ نخعی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں جنہیں شاید کاتب نے غلطی سے حدیث کے ساتھ لکھ دیا ہے (ج ۱ ص ۳۹۰ بحوالہ تحفتہ الاحوذی ص ۲۱۴) علامہ شوق نیموی نے بھی اس زیادتی کو غیر محفوظ قرار دیا ہے (تعلیق آثار السنن) اس چیز کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی سند کے ساتھ وائل بن حجر کی یہ روایت بعینہ مسند احمد (ج ۴ ص ۴۰۶) اور دار قطنی میں بھی موجود ہے مگر اس میں تحت السرۃ کے کوئی الفاظ نہیں (بحوالہ تحفہ ص ۲۱۴) یہ مصنف ابن ابی شیبہ حنفیوں نے چھاپی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے اپنی عادت سے مجبور ہو کر تحت السرۃ کے الفاظ انہوں نے قصدا بڑھا دیئے ہوں۔

(۲) حنفیہ کی دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے۔

السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوة تحت السرة (عن ابی جحیفه أبوداود ص ۲۷٤)

سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر زیر ناف رکھا جائے۔

اس حدیث کے متعلق امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے یہ دار قطنی اور بیہقی میں عبدالرحمٰن بن اسحاق سے مروی ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے (شرح مسلم ص ۱۷۳) علامہ نووی کا یہ حوالہ محشی ہدایہ نے بھی نقل کیا ہے (ص ۷۰) اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ' امام بخاری رحمہ اللہ ' ابوحاتم رحمہ اللہ ' ابن معین رحمہ اللہ ' امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرھم سب نے ضعیف کہا ہے۔ (تعلیق المغنی ص ۱۰۷۔ عون المعبود ص ۲۷۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے (تقریب

التہذیب ص ۲۲۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل فوق السرۃ مروی ہے (عن جریر الضبی ابوداؤد ص ۲۷۵) یہ شافعیہ کا استدلال ہے گو یہ بھی ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے۔

جریر الضبی عن علی لا یعرف

جریر ضبی کا حضرت علی سے روایت کرنا نامعلوم ہے۔

نماز حنفی مدلل کے فقیہہ اعظم مصنف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث لکھ کر فرماتے ہیں اس حدیث کو ابوداؤد نے اخراج کیا ہے اور اس پر سکوت کیا اور جس حدیث پر ابوداؤد سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے۔ (ص ۹۳) حالانکہ یہ حضرت صاحب ذرا غور فرماتے تو صرف ساڑھے تین سطریں چھوڑ کر آگے روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تحت لکھا ہے۔

قال أبوداود سمعت أحمد بن حنبل یضعف عبد الرحمن بن اسحاق الکوفی (ص ۲۷۵)

امام ابوداؤد نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کو ضعیف کہتے تھے۔

کیا اتنی بات عدم سکوت کیلئے کافی نہیں۔ ضرور امام صاحب لاوڈ اسپیکر لگا کر اعلان فرماتے تبھی انہیں اعتبار آتا۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے تو یہاں تک لکھا ہے۔

إن هذا الحديث لم يوجد فيما رأيته من نسخ ابی داود (نصب الرأیه ج۱ س ۳۱٤، عون ص ۲۷٤)

یہ حدیث مجھے اپنے زیر نظر ابوداؤد کے کسی نسخہ میں نہیں ملی۔

صاحب ہدایہ ارقام فرماتے ہیں۔

لقوله علیه السلام ان من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة (ص ۷۰)

نبی علیہ السلام نے فرمایا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھنا سنت ہے۔

یہ نبی علیہ السلام سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ غالبًا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے متفق علیہ ضعیف قول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھوپ دیا ہے۔

(۳) حنفیہ کی تیسری دلیل۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

أخذ الاكف على الاكف في الصلوة تحت السرة (أبوداود ص ۲۷۵)	نماز میں ہتھیلیوں کا ہتھیلیوں پر رکھنا ناف کے نیچے۔

اس میں وہی عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی ہے جس کا ابھی تذکرہ ہوا۔

(۴) حنفیہ کی چوتھی دلیل۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ثلاث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع اليمنى على اليسرى تحت السرة (محلى ابن حزم تعليقا بحواله تحفه الاحوذى ص ۲۱۵)	تین چیزیں نبوت کے اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں روزہ جلدی افطار کرنا، سحری دیر سے کھانا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھنا۔

تحفۃ الاحوذی ص ۲۱۵ میں ہی صاحب الدرہ کے حوالے سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے کہ اس کی سند نامعلوم ہے نیز یہ کہ شیخ ہاشم سندھی اپنے رسالہ دراھم الصرہ میں لکھتے ہیں میں اس حدیث کی سند پر واقف نہیں ہو سکا۔ کچھ اقوال بھی حنفیہ پیش کرتے ہیں جن کی اہل حدیث کے نزدیک کچھ وقعت نہیں۔ یہ ہے کل کائنات ان کے دلائل کی جن کا حال آپ نے جان لیا۔ حنفیہ پھر بھی انہیں بار بار پیش کرتے ہیں تاکہ جنہیں نہیں پتہ ان کی لاعلمی کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

مصنف نماز مدلل اپنے یہ تمام "دلائل" نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں بعض روایات میں ناف یا سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے لیکن محدثین کے نزدیک سب روایات متکلم فیہ اور ضعیف ہیں۔ (ص ۷۴)

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے رقیب
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے یا ناف کے اوپر یا سینہ پر۔ اس بارہ میں سب مرفوع روایات درجہ دوم اور سوم کی ہیں یا ضعاف ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کو زیادہ اقرب الی التعظیم خیال کرتے ہیں اور روایات کے اعتبار سے بھی ان روایتوں کو راجح قرار دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی ترجیح سے تعلق رکھتا ہے۔ (ص ۳۲۰)

دوسرے لفظوں میں اس اعتراف کا مطلب یہ ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی اصل وجہ امام ابو حنیفہ کی تقلید ہے۔ احناف عام طور پر اپنی کتابوں میں سینے پر ہاتھ باندھنے کو غیر مقلدین کا مسلک بتلاتے ہیں۔ حالانکہ خود صاحب ہدایہ نے اسے امام شافعی کا مسلک تسلیم کیا ہے (ص ۷۰) جن کی تقلید ان کے نزدیک مسلم ہے۔ حنفیہ عام طور پر اعتدال کی بات کیا کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ میں ان سے یہ اصول چھوٹ گیا ہے۔ ہاتھوں کو اتنا نیچے لے جانا کہ اس سے نیچے جانا ممکن ہی نہ ہو اور باندھنے اور نہ باندھنے میں خاص فرق ہی محسوس نہ ہو اس کو اعتدال نہیں ارسال کہنا چاہئے۔ حنفیہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ سینے پر ہاتھ باندھنے اور ارسال کے درمیان زیر ناف ہاتھ باندھنا اعتدال ہی تو ہے۔ مگر یہ جواب اس لئے صحیح نہیں کہ ہاتھ باندھنے میں اعتدال چاہئے نہ کہ باندھنے اور نہ باندھنے میں۔

کتنا عجیب سا لگتا ہے کہ یہ لوگ رفع یدین تو سر پر پہنچا دیتے ہیں اور وضع یدین مثانے پر گرا دیتے ہیں۔ نہ جانے اس مقام سے انہیں کیا دلچسپی ہے۔ سینے میں دل ہوتا ہے اور مثانے میں پیشاب بھرا ہوتا ہے۔ خود ہی فیصلہ کر لیں کہاں ہاتھ باندھنا بہتر ہیں۔ نماز پیمبر کے مصنف لکھتے ہیں عقلی دلیل اور فطری عادت کے مطابق جب انتہائے ادب و تعظیم مقصود ہو تو انسان ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے (ص ۱۲۳) سوال یہ ہے کہ اس طرح انسان کہاں کھڑا ہوتا ہے کسی حاکم کے سامنے؟ کسی پیر و مرشد کے حضور؟ کسی قبر کے اوپر؟ ایک موحد مسلمان

کی ہرگز یہ فطرت نہیں کہ بارگاہ ایزدی کے سوا کہیں بھی دست بستہ کھڑا ہو۔ تو یہی تو دعویٰ ہے۔ لہٰذا دعویٰ تو دلیل نہیں بن سکتا۔

ہمارے شرعی اور روحانی رہنما امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ حنفیہ کے سب سے بڑے شرعی راہنما امام "اعظم" ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور سب سے بڑے روحانی راہنما "غوث اعظم پیر پیراں" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک شاہ جیلانی سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ تعظیم ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں ہے۔ یا ناف کے اوپر باندھنے میں ہے۔ ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے۔

وضع اليمين على الشمال فوق السرة (غنية الطالبين مترجم ص ۱۰)

دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے اوپر رکھنا۔

بعض معتدل احناف ناف سے ذرا اوپر ہاتھ باندھتے ہیں۔ شاید اس طرح اہل حدیث اور حنفیوں دونوں کو بیک وقت خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ صحیح حدیثیں سینے پر ہاتھ باندھنے کی ہیں اور ضعیف حدیثیں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی ہیں۔ ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی حدیث ہی کوئی نہیں۔ نہ صحیح نہ ضعیف۔ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کے (ابوداؤد ص ۲۷۷) کہ اس کی صحت بھی مشکوک ہے۔ میں آخر میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اہل حدیث بھائی گردن کے قریب ہاتھ باندھتے ہیں وہ بھی زیادتی کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں شاید سینہ یہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دل کے مقام کو بھی سینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

إِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: ۴۶)

آنکھیں اندھی نہیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

عورت کی رفع یدین حنفیہ مرد عورت کی نماز میں فرق کرتے ہیں۔ ان میں

سے ایک مقام یہ بھی ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

والمراۃ ترفع یدیھا حذاء منکبیھا ھو الصحیح لانہ استرلھا (ص ٦٩)	عورت اپنے کندھوں کے برابر رفع یدین کرے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ اس کے لئے استر ہے۔

صحاح ستہ میں اس کے متعلق کچھ منقول نہیں البتہ مصنف نماز مسنون (ص ۳۱۷) نے دلیل میں ایک حدیث پیش کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت وائل بن حجر سے فرمایا۔

إذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمراۃ تجعل یدیھا حذاء ثدییھا (بحوالہ طبرانی کنز العمال ج۷ ص ۳۰۷)	نماز میں کانوں تک رفع یدین کرو اور عورت اپنے ہاتھ چھاتی کے برابر اٹھائے۔

مسئلہ منکبین تک ہے اور دلیل ثدیین تک ہے حالانکہ ان دونوں کے درمیان کم از کم نو انچ کا فاصلہ ہے۔

تائید کیلئے نماز مسنون میں حضرت ام درداء حماد زھری اور عطاء سے بھی آثار بیان کئے گئے ہیں (بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۹)

ام درداء والی روایت انہوں نے صرف یہاں تک بیان کی ہے۔

ترفع کفیھا حذو منکبیھا حین تفتح الصلوۃ	وہ رفع یدین کرتی تھیں اپنے کندھوں کے برابر جب نماز شروع کرتیں۔

کاش حضرت صاحب اگلے الفاظ بھی نقل فرما دیتے تو لطف آجاتا جو یہ ہیں۔

فإذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ رفعت یدیھا	جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا تو وہ تب بھی رفع یدین کرتیں۔

ان شیوخ الحدیث کا یہی کمال ہے کہ حق کو چھپانا جانتے ہیں۔
بروایت حسن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عورت کانوں تک رفع یدین کرے (حاشیہ ہدایہ ص ۶۹)

عورت ہاتھ کہاں باندھے ؟ مصنف نماز مسنون (ص ۳۲۰) نے اپنا حنفی مسلک بیان کرنے کیلئے مولنا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے (ترجمہ) علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینے پر رکھیں (السعایہ ج ۲ ص ۱۵۶) نہ جانے یہاں سے کس کی سنت مراد ہے۔ یہ فرق والی بات کہ مرد زیر ناف اور عورتیں سینے پر ہاتھ رکھیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے۔ بطور دلیل نماز مسنون میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت نماز میں بیٹھتی ہے تو وہ اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھدے (تورک اختیار کرے) اور جب وہ سجدہ کرتی ہے تو اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملائے۔ یہ اس کے لئے زیادہ ستر کا باعث ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف ایسی حالت میں نگاہ رحمت ہوتی ہے اور وہ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے ملائکہ تم گواہ بن جاؤ کہ میں نے اس عورت کو بخش دیا ہے (سنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳) ہمارے نزدیک تو مسئلہ یہی ہے کہ مرد ہو یا عورت اسے سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ مگر اس روایت میں عورت کے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ عورت کے سجدہ کی کیفیت کے بیان میں اس روایت کا حوالہ مصنف نماز مدلل (ص ۱۱۶) اور مصنف نماز حنفی مدلل (ص ۱۸۵) نے بھی دیا ہے۔ بیہقی میں اس سے پہلے بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کے لئے اگلی صف اور عورتوں کے لئے پچھلی صف بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے تھے کہ مرد کھل کر اور عورتیں سمٹ کر سجدہ کریں اور یہ کہ تشہد میں وہ بصورت افتراش اور عورتیں بصورت تورک بیٹھیں۔

یہ دونوں حدیثیں نقل کرنے سے پہلے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد روی فیہ حدیثان ضعیفان لا یحتج بامثالھما

اس بارے میں دو ضعیف حدیثیں مروی ہیں۔ ایسی احادیث سے استدلال جائز نہیں۔

آخر میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن ابی حبیب سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والی عورتوں سے فرمایا کہ تم سجدے میں زمین کے ساتھ لگ جایا کرو کیونکہ عورت مرد کی طرح نہیں ہے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے منقطع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس میں ایک راوی سالم متروک ہے۔ (دار قطنی بحوالہ میزان)

صاحب نماز مسنون عورت کے ہاتھ باندھنے کے بارے میں ص ۳۲۱ پر لکھتے ہیں سینہ پر رکھنے میں بھی ستر ہی ملحوظ ہے۔ ص ۳۲۰ پر بحوالہ شرح نقایہ ج ۱ ص ۷۳ و کبیری ص ۳۰۱ لکھتے ہیں سینہ پر رکھنا زیادہ استر ہے اور ص ۳۷۱ پر انہی حوالوں سے لکھتے ہیں کہ دونوں ہاتھ پستانوں کے نیچے رکھیں۔ سوال یہ ہے کہ اب ستر والا مسئلہ کدھر گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک نماز کا تعلق ہے ازروئے احادیث صحیحہ مرد و عورت کی نماز میں سرمو کوئی فرق نہیں ہے۔

❋❋❋

دعائے استفتاح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يسكت بين التكبير وبين القراءة اسكاتة قال احسبه قال هنية فقلت بابى انت وامى يارسول الله اسكاتك بين التكبير وبين القرأة ما تقول قال اقول

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قرات کے درمیان ذرا سی دیر خاموشی اختیار فرماتے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اس خاموشی کے دوران میں آپ کیا پڑھتے ہیں۔ فرمایا میں یہ پڑھتا ہوں۔

اللهم باعد بيني وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد (بخاری ص ۱۰۳، مسلم ص ۲۱۹)

اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان مشرق و مغرب جتنی دوری فرما دے۔ اے اللہ میرے گناہ اسی طرح صاف فرما دے جیسے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ میرے گناہوں کو پانی برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد (سورہ انعام کی یہ تین آیتیں) پڑھتے۔

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۷۹)

میں نے موڑ دیا رخ اپنا اس اللہ کے لئے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین یکسو ہو کر۔ اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

میری نماز میری عبادتیں میری زندگی

وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (١٢٦،١٦٣- مسلم ص ٢٦٣، أبوداود ص ٢٧٧)	اور میری موت اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا میں حکم دیا گیا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔

مسلم میں اس سے متصل پہلے بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیات کے علاوہ اور دعائیں پڑھنا بھی منقول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح ترین روایت ہے جو دعائے استفتاح کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استفتاح کے طور پر یہ پڑھتے۔

سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك (ترمذی ص ٢٠٣)	اے اللہ تو پاک ہے۔ ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں۔ تیرا نام بابرکت ہے تیری شان بلند ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی سند میں حارثہ بن ابی الرجال متکلم فیہ ہے (ترمذی) یہی روایت ابوداؤد میں ایک دوسری سند کے ساتھ مروی ہے جس کے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

هذا الحديث ليس بالمشهور عن عبد السلام بن حرب لم يروه الا طلق بن غنام (ص ٢٨٢)	یہ حدیث عبدالسلام بن حرب سے مشہور نہیں ہے۔ اسے صرف طلق بن غنام نے روایت کیا ہے۔

دعا کے یہی الفاظ بروایت حضرت ابوسعید خدری بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں (ترمذی ص ۲۰۲' ابوداؤد ص ۲۸۱) امام ترمذی فرماتے ہیں اس کی سند علی بن

علی کی وجہ سے متکلم فیہ ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ امام ابوداؤد نے بھی اس پر تنقید کی ہے (ص ۲۸۱) امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک سبحانک اللھم کی دعا ثابت نہیں ہے۔ (عون ص ۲۸۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے۔

کان یجھر بھؤلاء الکلمات یقول سبحانك اللھم الخ (عن عبدۃ بن ابی لبابہ مسلم ص ۱۷۲)

کہ آپ رضی اللہ عنہ سبحانک اللھم بالجہر پڑھتے تھے۔

عبدہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس سند کا منقطع ہونا مصنف نماز مدلل کو بھی تسلیم ہے (ص ۷۶) یہ حدیث نہیں۔ صرف اثر صحابی ہے جسے امام مسلم نے ضمناً ذکر کر دیا ہے۔ نہ ہی باب سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

امام بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کی بنا پر اس دعا کو افضل قرار دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں پر عمل کیا جائے تو بھی اچھا ہے کیونکہ وہ روایتیں صحیح ہیں (بحوالہ نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۳)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے وہی ترجیح کے لائق ہے۔ سب سے زیادہ صحیح روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ("اللھم باعد بینی" والی) روایت ہے۔ دوسرے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ("وجھت وجھی" والی) روایت ہے حضرت عائشہؓ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ("سبحانک اللھم" والی) روایتیں تو متکلم فیہ ہیں (ایضاً)

حنفی بھائی سبحانک اللھم کو ترجیح دیتے ہیں نماز حنفی مدلل میں لکھا ہے جن روایتوں میں دوسری دعائیں آتی ہیں وہ ہمارے نزدیک محمول بر نوافل و تہجد ہیں۔ چنانچہ صحیح ابوعوانہ اور نسائی میں اس کی تصریح بھی آئی ہے (ص ۱۰۱) کچھ اسی قسم کا خیال مصنف نماز مسنون نے بھی ظاہر فرمایا ہے (ص ۳۲۲) بات یہ ہے کہ

یہ کوئی قانون نہیں کہ جو دعا نفلوں میں پڑھی جاتی ہے اس کا فرضوں میں پڑھنا غیر افضل ہو بلکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں تو صاف الفاظ موجود ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

اسکاتك بين التكبير والقرأة ما تقول — کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان خاموشی میں کیا پڑھتے ہیں۔

اس سے بالصراحت معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوران امامت میں اللهم باعد بینی والی دعا پڑھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی دعا کے متعلق بے شک نسائی میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجهت وجهی والی دعا نفلی نماز میں پڑھتے تھے (ص ۱۰۷) مگر ترمذی میں اسی دعا کے متعلق یہ بھی آتا ہے۔

كان إذا قام إلى الصلوة المكتوبة — جب آپ فرضی نماز شروع فرماتے۔

(ج ٤ ص ٢٣٩)

اور سبحانک اللهم کے بارے میں بھی آتا ہے۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا قام من الليل كبر ثم يقول سبحانك اللهم الخ — کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل میں تکبیر تحریمہ کے بعد سبحانک اللهم پڑھتے۔
(عن ابی سعید خدری ابوداود ص ٢٨١)

ہمارے نزدیک ان دعاؤں میں سے کوئی دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ حنفیہ کو ضعیف سند کے ساتھ ثابت صرف سبحانک اللهم پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

تعوذ

استفتاح کے بعد قراءت شروع کرنے سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (نحل:٩٨) — جب قرآن پڑھنے لگو تو اعوذ پڑھو۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنا کے بعد یوں پڑھا۔

أعوذ باللہ من الشيطان من نفخه نفثه وهمزه (ابن ماجه ص ٥٩)

پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالے کے ساتھ شیطان کے تکبر سے اس کے شعروں سے اور اس کے وسوسہ سے۔

بعض آیتوں میں من الشیطان کے آگے الرجیم بھی ہے۔ مثلاً ترمذی ص ۲۰۹ ابن ماجہ ۵۹ میں تعوذ کا نماز میں بالجہر پڑھنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ جائز سمجھتے ہیں۔ بقول ان کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسا ثابت ہے (املاء۔ الام۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۴) تعوذ نبی ﷺ سے صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ثابت ہے۔ تعوذ کیلئے احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ علماء نے سب طرح پڑھنے کو درست قرار دیا ہے۔

تسمیہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا (مسلم ص ۱۷۲) یہ اس باب میں صحیح ترین روایت ہے۔ نعیم المجمر کہتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بسم اللہ (بالجہر) پڑھی اور سلام کے بعد فرمایا بخدا میں تم سب سے زیادہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں (نسائی ص ۱۰۸)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يجهر فى الصلوة بسم الله الرحمن الرحيم فترك الناس ذلك

کہ نبی ﷺ نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے۔ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

(بیہقی ج۲ ص ٤٧)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں تشریف لائے۔ لوگوں کو نماز پڑھائی نہ بسم اللہ

پڑھی نہ تکبیریں کہیں۔ فارغ ہونے کے بعد مہاجرین وانصار کہنے لگے۔ اے معاویہ آپ نے نماز کی چوری کی ہے بسم اللہ کدھر گئی اور اٹھتے بیٹھتے آپ نے تکبیریں بھی نہ کہیں۔ (بیہقی ج ۲ ص ۵۰' مسند شافعی ص ۲۰)

کئی صحابہ تابعین اور تبع تابعین بسم اللہ بالجہر کے قائل رہے ہیں (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۷) ترجیح بہرحال صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اخفات کو ہے اور جہر کی بھی گنجائش ہے کبھی کبھی اس پر بھی عمل کرنا چاہیے۔

❋❋❋

سورہ فاتحہ

سورہ مزمل میں ہے

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن (٢٠)

پڑھو جو آسان ہو قرآن سے

یہ آیت کریمہ قیام الیل کے بارے میں ہے مگر اس سے نماز میں قراءت کی فرضیت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

إن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وابابکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوۃ بالحمد لله رب العالمین (مسلم ص ١٧٢)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما الحمد سے نماز کا آغاز فرماتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری ص ١٠٤ مسلم ص ١٦٩)

جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں۔

یہ روایت حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماتیسر میں فاتحہ کا ہونا ضروری ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ نماز کا رکن نہیں ہے۔ یہ مطلق قرات کو فرض کہتے ہیں۔ ہدایہ میں لکھا ہے۔

وارنی ما یجزئ من القراءۃ فی الصلوۃ ایۃ عند ابی حنیفۃ (ص ٨١)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں کم از کم ایک آیت بھی کفایت کرتی ہے۔

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

ولو قرا ایتہ قصیرۃ ولم یقرأ بفاتحۃ

سورہ فاتحہ نہ پڑھے صرف ایک چھوٹی

الکتاب جاز فی قول ابی حنیفة

سی آیت پڑھ لے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وفرضها عند ابی حنیفة یتادی بایة واحدة وإن کانت قصیرة (ج۱ ص۶۹)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض قراءت صرف ایک آیت ہے۔ خواہ چھوٹی سی ہو۔

یعنی صرف مدھا متان یا صرف والفجر یا طه یا یسین ہی پڑھ لے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز ہو جائے گی۔ مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں کم از کم ایک آیت طویلہ یا تین چھوٹی آیات ایک رکعت میں ہوں (ص ۳۳۲) یہ دراصل صاحبین کا مذہب ہے۔ معلوم ہوا مصنف نماز مسنون کے نزدیک اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب درست نہیں۔

ہدایہ میں نماز کے یہ چھ فرائض لکھے ہیں۔ تحریمہ' قیام' قراءۃ' رکوع' سجود اور قعدہ اخیرہ مقدار تشہد باقی واجبات سمیت سب افعال کو سنت لکھا ہے جن میں فاتحہ کا پڑھنا بھی شامل ہے۔ سنت اس لئے لکھا ہے کہ ان کا وجوب سنت سے ثابت ہے (ص ۶۷)

میں پوچھتا ہوں اگر واجب ہونے کے لئے یہی دلیل ہے کہ جو صرف سنت سے ثابت ہو اور قرآن سے ثابت نہ ہو اور اسی لئے ان کے نزدیک سورہ فاتحہ کی قراءت کو صرف وجوب کا درجہ حاصل ہو سکا ہے تو بتلایا جائے کہ آخری قعدہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کے لئے کونسی قرآنی دلیل ہے۔ مصنف نماز مسنون اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ ان ائمہ کرام نے اجتہاد کے ساتھ اس کو فرض قرار دیا ہے۔ یہ فرض اجتہادی کے درجہ میں ہے (ص ۵۲۱) معلوم ہوا ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی مسئلہ کو فرض قرار دیں البتہ ان کے ائمہ کرام کو یہ حق

حاصل ہے بلکہ میں ان سے یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ نمازوں میں رکعتوں کی تعداد اور ہر رکعت میں رکوع کا ایک ہونا اور سجدوں کا دو ہونا اور نماز کی ترتیب جو صرف سنت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں جس کا تذکرہ نہیں ہے یہ سب کچھ ان کے نزدیک فرض ہے یا واجب و سنت وغیرہ ہے۔

نیز گزارش ہے صاحب ہدایہ نے فاقرءوا ما تیسر من القران سے مطلق قراءۃ کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ حکم قیام اللیل کے بارے میں ہے۔ حنفیہ کو فرضی نماز کے بارے میں قراءت کی فرضیت پر قرآن مجید سے کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے کیونکہ ان کے نزدیک کئی مسائل میں فرضی نماز نفلی نماز سے جدا حیثیت رکھتی ہے۔

حقیقت یہ ہے اس آیت سے مطلق قراءت کی فرضیت پر استدلال کرنا یقینی چیز نہیں ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں یہاں قرآن سے مراد قراءت بھی ہو سکتی ہے اور نماز بھی۔

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر روح المعانی میں اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔

فصلوا ما تیسرلکم من صلوۃ اللیل عبر عن الصلوۃ بالقرأۃ کما عبر بسائر ارکانھا (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج۱ ص ۲۰۷)

آسانی کے ساتھ رات کو جتنی نماز پڑھ سکتے ہو پڑھو اللہ تعالیٰ نے نماز کو قرآن سے تعبیر فرمایا جیسے نماز کو نماز کے دیگر ارکان سے تعبیر فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

عبر عن الصلوۃ بالقراءۃ کما قال فی سورۃ سبحان ولا تجھر بصلاتك ای بقراءتك ولا تخافت بھا (تفسیر ج٤ ص ٤٣٩)

نماز کو قراءت سے تعبیر فرمایا جیسے سورہ بنی اسرائیل کی آیت میں قراءت کو نماز سے تعبیر فرمایا۔

تکبیر تحریمہ کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کے لئے صاحب ہدایہ نے ور

بک فکبر سے استدلال کیا ہے۔ یہ استدلال بالجبر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے الفاظ یہ ہیں قم فانذر یعنی کھڑا ہو اور ڈرا۔ اگر ربک فکبر سے مراد تحریمہ ہے تو پھر قیام اور تحریمہ کے درمیان انذار بھی تو ہونا چاہئے ایک اور ستم ظریفی ملاحظہ ہو ربک فکبر سے تحریمہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے اللہ اکبر کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے بجائے کوئی بھی اللہ کا نام لیا جاسکتا ہے (ہدایہ ص ۶۹) اصل بات یہ ہے کہ حنفیہ کا نماز کو چھ فرائض میں محدود کرنا بھی بلا دلیل اور توہین سنت کے مترادف ہے۔ محشی ہدایہ کے نزدیک نماز کے صرف چار ارکان ہیں (ص ۶۷)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کے پندرہ ارکان گنوائے ہیں (غنیتہ الطالبین ص ۹)

احناف سورہ فاتحہ کو صرف وجوب کا درجہ دیتے ہیں جس کی تلافی ان کے نزدیک سجدہ سہو سے ہو جاتی ہے۔ ہدایہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

ویلزمه إذا ترك فعلا مسنونا ــــ أو ترك قراءة الفاتحة لانها واجبة أو القنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين لانها واجبات (ص ۱۱۶)

سجدہ سہو لازم ہوگا جب نمازی کسی فعل مسنون یعنی فعل واجب کو ترک کر دے یا فاتحہ ترک کر دے کیونکہ یہ واجب ہے۔ یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین کو ترک کر دے۔ کیونکہ یہ واجب ہیں۔

سوال یہ ہے اگر فاقرؤا ماتیسر من القران سے مطلق قرات کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے تو جو شخص اس اطلاق پر عمل کر کے سورہ فاتحہ کے بغیر کہیں سے بھی قراءت کر لے تو اس پر سجدہ سہو کیوں لازم ہو جاتا ہے۔ کیا قرآن مجید پر عمل کرنا بھی ایک غلطی ہے جس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔ نیز جب خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز ہو جاتی ہے تو کسی مقلد کو کیا حق پہنچتا ہے اس پر سجدہ سہو لازم کرے کیا امام صاحب نے کہیں فرمایا ہے فاتحہ کے بغیر

نماز جائز ہے مگر سجدہ سہو لازم ہے اگر بالفرض فرمایا ہے تو بڑا ہی عجیب فرمایا ہے۔

❊❊❊

سورت ملانا

نبی ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت بھی تلاوت فرماتے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیچھے بیان ہوئی ہے اس کی ایک سند میں فصاعدا کا بھی لفظ آیا ہے (مسلم ص ۱۶۹۔ ابوداؤد ص ۳۰۳ ابن حبان) جس سے فاتحہ کے علاوہ بھی کچھ قرآن پڑھنے کی فرضیت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر ابن حبان کا کہنا ہے اس میں معمر یہ لفظ بیان کرنے میں زہری سے متفرد ہے۔ یعنی زہری کا اور کوئی شاگرد یہ لفظ بیان نہیں کرتا (بحوالہ تنقیح الرواۃ ص ۵۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے معلول قرار دیا ہے (جزء القراءۃ ص ۳ تنقیح ص ۵۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے سوال کیا اگر میں فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھوں تو؟ فرمایا

ان زدت علیها فهو خیر وأن انتهیت الیها اجزءت عنك (مسلم ص ۱۷۰) اگر فاتحہ سے زائد پڑھو تو بہتر ہے صرف فاتحہ پر اکتفا کرو تو کفایت کر جائے گی۔

اگلی روایت میں اس طرح الفاظ ہیں۔

من قراء بام الکتاب فقد اجزات عنه ومن زاد فهو افضل جس نے صرف فاتحہ پڑھی تو اس سے کفایت کریگی جس نے زائد پڑھا تو یہ افضل ہے۔

بخاری شریف میں الفاظ یوں ہیں۔

أن لم تزد علی أم القران أجزات وإن زدت فهو خیر (ص۱۰٦) اگر تم فاتحہ سے زائد نہ پڑھو تو کافی ہے۔ پڑھو تو بہتر ہے۔

امام نووی اس روایت کے تحت فرماتے ہیں۔

هو سنة عند جميع العلماء وحكى القاضي عياض عن بعض اصحاب مالك وجوب السورة وهو شاذ مردود (ص ۱۷۱)

فاتحہ سے زائد پڑھنا تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔ قاضی عیاض نے بعض مالکیوں سے وجوب کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

ہدایہ میں بھی اسے واجبات میں شمار کیا گیا ہے (ص ٦٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

إن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قام فصلى ركعتين لم يقراء فيهما إلا بفاتحة الكتاب (ابن خزيمه بحواله فتح البارى ج۲ ص ۲٤۳)

نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں جن میں آپ ﷺ نے فاتحہ سے زائد نہ پڑھا۔

ہر رکعت میں قراءت

ہر رکعت میں قراءت فرض ہے۔ مسئ الصلوۃ کو نبی ﷺ نے نماز کا جو طریقہ بتلایا تھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

ثم أقرا ما تيسر معك من القران

پھر پڑھ جو تجھے آسان ہو قرآن سے۔

پھر آخر میں ارشاد فرمایا۔

ثم أفعل ذلك فى صلاتك كلها (عن ابى هريرة مسلم ص ۱۷۰)

پھر تم پوری نماز اسی طرح پڑھو۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الصحيح الذى عليه جمهور العلماء من السلف والخلف وجوب الفاتحة فى كل ركعة

صحیح بات یہ ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ چنانچہ جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی مسلک ہے۔

مگر حنفیہ کہتے ہیں۔

والقراۃ فی الفرض واجبۃ فی الرکعتین..... وھو مخیر فی الأخرین معناہ إن شاء سکت وإن شاء قرا وإن شاء سبح کذا روی عن ابی حنیفۃ (ھدایۃ ص ۱۰۶، ۱۰۷)

فرض نمازوں میں قراء ت صرف دو رکعتوں میں واجب ہے بقایا رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے۔ چاہے تو خاموش رہے چاہے قرآن پڑھے اور چاہے تسبیح کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اسی طرح مروی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں صاف لکھا ہے۔

واما محل القراۃ ففی الفرائض الرکعتان . . . . ثنائیا کان أوثلاثیا أو رباعیا وسواء کانتا أولیین أو اخریین أو مختلفتین (ص ۶۹ بحوالہ شرح نقایہ)

نماز دو رکعتی ہو یا تین رکعتی یا چار رکعتی فرائض میں محل قراءت صرف دو رکعتیں ہیں پہلی ہوں یا پچھلی ہوں یا مختلف ہوں۔

مصنف نماز مسنون فرماتے ہیں فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قراءۃ کیلئے متعین کرنا بھی واجب ہے۔

(ص ۳۰۶ بحوالہ شرح نقایہ ج ا ص ۷۰ کبیری ص ۲۹۵)

یہ حوالے مذکورہ بالا حوالوں سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ہدایہ اور عالمگیری والے اپنی ان مذکورہ عبارتوں میں کسی بھی دو رکعتوں میں قراءت کرنے کا اختیار دے رہے ہیں جبکہ نماز مسنون والی عبارت سے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کے تعین کا ثبوت ملتا ہے حالانکہ اختیار اور وجوب میں بڑا فرق ہے۔ احناف خود لکھتے ہیں ترک واجب یا تاخیر واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے (ہدایہ ص ۱۱۶، فتاویٰ عالمگیری ص ۱۲۶) اور اختیاری مسئلہ میں تو تاخیر کا سوال ہی نہیں۔ کیونکہ ان کے

نزدیک کوئی بھی دو رکعتیں محل قراءت ہیں۔ کیا وجوب کے خلاف اختیار دینا بھی کوئی ایسا مسلک ہے جو سمجھ میں آنے والا ہو۔

ہر رکعت میں ضم سورت؟

فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں ضم سورت سنت ہے۔ (عن قتادہ بخاری ص ۱۰۵، مسلم ص ۱۸۵) اگر چاہے تو پچھلی دو رکعتوں میں بھی سورت ملا سکتا ہے (عن ابی سعید خدری مسلم ص ۱۸۶)۔ البتہ نوافل کی ہر رکعت میں سورت ملانی چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی جدید قول یہی ہے (شرح مسلم نووی ص ۱۷۱) حنفیہ کے نزدیک فرائض کی پچھلی دو رکعتوں میں ضم سورت مکروہ تنزیہی اور خلاف سنت ہے۔ (نماز مسنون ص ۳۰۵) البتہ بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ فرض نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں اگر الحمد کے بعد کوئی سورت پڑھ لی تو نماز میں کچھ نقصان نہیں۔ نماز بالکل صحیح ہے۔ (حصہ دوم ص ۲۰)

قراءت خلف الامام

امام جس وقت جہری قراءت کر رہا ہو اس وقت مقتدی کو سورہ فاتحہ کے سوا کچھ نہیں پڑھنا چاہئے۔ نبی ﷺ نے ایک جہری نماز پڑھا کر ارشاد فرمایا۔

فلا تقرأوا بشيئ من القران إذا جهرت الا بام القران (عن عبادہ بن صامت أبوداود ص ٣٠٤)

جب میں بالجہر پڑھوں تو سورہ فاتحہ کے سوا کوئی قراءت نہ کیا کرو۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ (ج ۱ ص ۳۲۰) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں (عون المعبود ص ۳۰۴)

اس سے قبل حضرت عبادہ ہی سے ایک روایت میں نماز فجر کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شائد تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں تو فرمایا۔

لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فأنه لا صلوة لمن لم يقرا بها

فاتحہ کے سوا کچھ مت پڑھو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اخرجه أبوداود باسناد رجاله ثقات (دراية)

یہ ابوداؤد میں ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔

یہ حدیث ترمذی ص ۲۵۳ وغیرہ میں بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت عن محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت مسند احمد اور جزء القراءۃ بخاری میں مروی ہے۔ اسے ابوداؤد ترمذی دار قطنی ابن حبان حاکم اور بیہقی نے صحیح کہا ہے۔

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۳۱ تحفہ ص ۲۵۴)

محمد بن اسحاق یہ حدیث چونکہ حنفیہ کے خلاف پڑتی ہے اس لئے وہ اسے سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ بہانہ یہ ہاتھ آگیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے حالانکہ ان کے امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہے ثقہ ہے ہمارے نزدیک اور محقق محدثین کے نزدیک اس میں ذرا شبہ نہیں نیز فرماتے ہیں محمد بن اسحاق کا ثقہ ہونا ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بارے میں جو جرح منقول ہے وہ ثابت نہیں بالفرض ثابت ہو تو اہل علم نے اسے قبول نہیں کیا شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو انہیں امیر المومنین فی الحدیث کا خطاب دیا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ابن ادریس' حماد بن زید' یزید بن زریع' ابن علیہ' عبد الوارث' ابن مبارک' امام احمد' ابن معین اور عام اہلحدیث مغفور لھم نے ان سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب (قراءۃ خلف الامام) میں ان کی توثیق پر لمبی بحث کی ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جرح سے رجوع فرمالیا تھا اور ان سے صلح کرلی تھی اور ان کی طرف ہدیہ بھیجا تھا (فتح القدیر)

علامہ عینی فرماتے ہیں :

إن ابن اسحاق من الثقات الكبار عند الجمهور (عمدة القاری بحوالہ تحفة الحوذی ج۱ ص ۲۵۳)	جمہور کے نزدیک ابن اسحاق عظیم ثقہ راویوں میں سے ہے۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نصب الرایہ ج ۷ ص ۷ میں فرماتے ہیں۔

وإبن اسحاق الاكثر على توثيقه وممن وثقه البخاری	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمیت اکثر نے محمد بن اسحاق کو ثقہ کہا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے اپنے شیخ سے یہ حدیث سنی ہے اور یہ حدیث متصل صحیح ہے یعنی اس میں تدلیس کا شبہ نہیں (نصب الرایہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۳) جناب مولنا محمد ادریس

کاندھلوی حنفی فرماتے ہیں۔ جمہور علماء نے اس کی توثیق کی ہے (سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۷۶) شھد شاھد من اھلھا کے مصداق یہ حنفیہ کے گھر کی شہادتیں ہیں۔ اس شاندار خراج تحسین کے بعد حنفیہ کو محمد بن اسحاق سے عداوت نہیں رکھنی چاہئے خاص طور پر جب کہ مصنف احسن الکلام نے خود اعتراف کیا ہے کوئی بھی ایسا ثقہ نہیں جس پر جرح کا کوئی نہ کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو۔ (ج ۱ ص ۴۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فالذی یظهر لی أن ابن اسحاق حسن الحدیث صالح الحال صدوق (میزان الاعتدال)

میرے علم کے مطابق محمد بن اسحاق اچھی حدیث والا درست حال والا اور سچا ہے۔

ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محمد بن اسحاق وہ شخص ہیں کہ جن کی روایت قبول کرنے پر اکابر اہل علم کا اجماع ہے (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۴) اس سے قبل فرماتے ہیں۔ بعض علماء نے ذکر کیا کہ بہت سے ہم عصر علماء نے امام مالک رحمہ اللہ کی اس عادت کو معیوب جانا کہ وہ بسا اوقات ایسے لوگوں پر بھی جرح فرما دیتے ہیں جن میں ایک ثقہ راوی کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

حنفیہ نے کئی ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جن کی سندوں میں محمد بن اسحاق موجود ہے۔ مثلاً

(۱) عن ابن عباس قال قیمة المجن الذی قطع فیه رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عشرة دارهم (شرح معانی الآثار للطحاوی ج۲ ص ۹۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس ڈھال کی قیمت جس کی چوری پر نبی ﷺ نے قطع ید کا حکم دیا تھا دس درہم تھی۔

(۲) لا تزال أمتی بخیر ما عجلوا

میری امت اس وقت تک خیر کے

المغرب واخروا العشاء (هداية ص ٥٤) ساتھ رہے گی جب تک وہ نماز مغرب کو جلدی اور عشاء کو تاخیر سے پڑھیں گے۔

گو ان الفاظ میں کوئی حدیث نہیں تاہم جس حدیث سے یہ شکل تبدیل کی گئی ہے وہ عن ابی ایوب ابوداؤد میں ہے (ص ۱۶۱)

(۳) اسفروا بالفجر فانه اعظم للأجر (هداية ص ٥٣) صبح کو روشن کر کے پڑھو۔ یہ زیادہ اجر کا باعث ہے۔

یہ حدیث عن رافع بن خدیج ترمذی میں ہے (ص ۱۴۴)۔

(۴) مولانا سرفراز احمد صاحب گکھڑوی سماع موتی کے سلسلے میں ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

یہ روایت مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰ اور مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۹۵ میں ہے اور حاکم اور علامہ ذہبی اس کو صحیح کہتے ہیں۔ نیز اس کو ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے اور مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱ میں ہے۔

رجاله رجال الصحيح

------------ اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عند القبر آنحضرت ﷺ کا صلوٰۃ و سلام کا سماع متحقق ہے اور آپ کا جواب دینا ثابت ہے اور اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے (تسکین الصدور طبع اول ص ۱۹۱) ان سب روایتوں میں محمد بن اسحاق موجود ہے مولنا احمد رضا خاں صاحب بریلوی حنفی فرماتے ہیں ہمارے علماء کے نزدیک بھی محمد بن اسحاق کی توثیق ہی راجح ہے (منیر العینین فی حکم تقبیل العینین ص ۱۱۶)

محمد بن اسحاق قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب الخراج میں ان سے بے شمار روایتیں لی ہیں پھر بھی انہیں کذاب کہنا حنفیہ کی دوغلی

پالیسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ فاتحہ خلف الامام والی حدیث کا یہ لوگ صرف اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ دراصل ان کے موافق نہیں ہے۔

حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب (بخاری ۱۰۴، مسلم ۱۶۹)

صحیحین کے علاوہ یہ روایت حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں موجود ہے۔ اور یہ امام منفرد اور مقتدی سب کو شامل ہے۔ اس کے مقابلے میں یقیناً کوئی ایسی روایت نہیں جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو فاتحہ پڑھنے سے مستثنیٰ فرما دیا ہو۔ بلکہ عبادہ بن صامت کی روایت سے مقتدی بالا دلی مراد ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو خطاب کر کے ہی تو [illegible] بیان فرمائی تھی۔ اسکی ایک بہت عمدہ دلیل معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہہ دیا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اپنے اس مقتدی سے فرمایا۔

لا یصلح فیھا شیئ من کلام الناس إنما ھو التسبیح والتکبیر وقراءۃ القران (مسلم ص ۲۰۳)

نماز میں گفتگو مناسب نہیں۔ نماز تو تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔

قائلین فاتحہ خلف الامام حنفیہ نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کو صرف پاک و ہند کے غیر مقلدین کا مذہب مشہور کر رکھا ہے (مثلاً نماز پیمبر ص ۱۳۸) ایک لحاظ سے یہ سچ کہتے ہیں۔ حدیث پیغمبرؐ کو مان لینا یقیناً ایسے ہی لوگوں کا شعار ہے جنہوں نے غیر کی تقلید کا پٹہ اپنے گلے میں نہیں ڈال رکھا۔ لیکن سنئے ترمذی شریف میں ہے اکثر اہل علم صحابہ و تابعین و بعدھم قراءت خلف الامام کے قائل ہیں۔ یہی مذہب

ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد ہیں) سے مروی ہے میں بھی امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور لوگ بھی پڑھتے ہیں سوائے ایک کوفی قوم کے (ص ۲۵۶)۔ شیخ القراء امام الحدیث علامہ حافظ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی حنفی مصنف فاتحہ خلف الامام نے ترمذی (ص ۲۵۶) کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

واختار اصحاب الحديث ان لا يقرأ الرجل إذا جهر الإمام بالقراءة	اور حدیث پر عمل کرنے والوں کا مسلک یہ ہے کہ امام جہری طور پر قراءت کرے تو امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھے (ص ۷۸)

یہ امام الحدیث صاحب متصل اگلی عبارت کھا گئے کیونکہ اس سے ان کے اپنے مسلک کا بورا الٹ جاتا تھا' وہ عبارت یہ ہے۔

وقالوا يتبع سكتات الإمام	یعنی اصحاب الحدیث یہ کہتے ہیں کہ جہری قراءت کے وقت مقتدی کو امام کے سکتات میں پڑھنا چاہیے۔

اسی طرح مصنف ہذا نے ترمذی ص ۲۵۷ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہاں تک بیان کیا ہے۔

هذا إذا كان وحده	یعنی فاتحہ کا مسئلہ منفرد کیلئے ہے۔

اگلی عبارت نقل نہیں فرمائی جو یہ ہے۔

واختار احمد مع هذا القراءة خلف الإمام وإن لا يترك الرجل فاتحة	اس کے باوجود امام احمد کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ

الكتاب وإن كان خلف الإمام	ترک نہیں کرنی چاہیے۔

یہی ظلم مصنف نماز پیمبر نے بھی کیا ہے (ص ۱۳۱ و ۱۵۰)

علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فاتحہ خلف الامام کے قائلین میں ان کے علاوہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوثور رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر کیا ہے (عمدۃ القاری بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت کی روایت جس باب کے تحت بیان کی ہے اس کا عنوان یوں باندھا ہے۔

باب وجوب القراءة للإمام والماموم في الصلوت كلها في الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت	قراءت کا واجب ہونا امام اور مقتدی کیلئے تمام نمازوں میں حضر میں بھی سفر میں بھی جہری میں بھی سری میں بھی۔

(ص ١٠٤)

ہدایہ میں لکھا ہے۔

ويستحسن على سبيل الإحتياط فيما يروى عن محمد (ص ۸۳)	بطور احتیاط جیسا کہ امام محمد سے مروی ہے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے۔

صاحب ہدایہ کا "تسامح"

مصنف نماز مسنون کو صاحب ہدایہ کے یہ الفاظ پسند نہیں آئے۔ ان کے خیال کے مطابق صاحب ہدایہ کو امام محمد کا مذہب نقل کرنے میں اشتباہ اور تسامح ہوا ہے (ص ۳۳۴) اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک صاحب ہدایہ کسی کا قول یا مذہب نقل کرنے میں غلطی کر سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کم از کم اس مقام پر صاحب ہدایہ نے غلطی نہیں کی ہے کیونکہ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ مقتدی کو الحمد نہیں

پڑھنی چاہئے یہ ان کا پرانا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس پرانے قول سے رجوع کر لیا اور مقتدی کیلئے سری نماز میں الحمد پڑھنے کو مستحسن اور مستحب بتلایا ہے (بحوالہ غیث الغمام حاشیہ امام الکلام ص ۱۵٦ از علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی)

علامہ بنوری علامہ انور شاہ کشمیری کا قول نقل فرماتے ہیں۔

إن رواية الا ستحسان فى السرية لابد أن تكون ثابتة فان صاحب الهداية مثبت فى النقل متقن المذهب (معارف السنن ج۳ ص ۱۸۸)

سری نمازوں میں استحسانا فاتحہ پڑھنے والی روایت یقیناً ثابت ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نقل میں قابل اعتماد اور مذہب کو مضبوط کرنے والے ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔

ابوحنيفة رحمه الله تعالى فالمحقق عندى من مذهبه أنه حجر عن القراءة فى الجهرية واجاز بها فى السرية كما نقله صاحب الهداية عن محمد بن الحسن رحمه الله (فيض البارى ج۲ ص ۲۷۲)

میری تحقیق کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہری نماز میں قراءت سے روکا ہے اور سری میں اجازت دی ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے۔

نیز عبادہ بن صامت والی روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

هو فص الختام ونص الفاتحة خلف الإمام (فصل الخطاب حاشيه الكتاب المستطاب ص ۱۷٤)

یہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں انگوٹھی کے چمکتے ہوئے نگینے کی طرح دلیل ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔

عن ابى حنيفة لا بأس بان يقرا

امام ابوحنیفہ سے روایت ہے ظہر و عصر

الفاتحة فی الظهر والعصر وبما شاء من القراءة (إمام الکلام ص ٣٩)

کی نمازوں میں سورہ فاتحہ اور کچھ مزید قرآن پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

نیز فرماتے ہیں الحمد پڑھنا سری نماز میں مستحسن و مستحب ہے اور جہری نماز میں بھی سکتات امام کے وقت (امام الکلام ص ۱۵٦) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولنا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم مسلک کو چھوڑ کر فاتحہ خلف الامام کے قائل ہوگئے تھے (امام الکلام ص ۲۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فإن جهر الإمام لم يقرا إلا عند الاسكاتة وإن خافت فله الخيرة فان قرا فليقرا الفاتحة قراءة لا يشوش على الإمام وهذا أولى الا قوال عندی (حجة الله ج٢ ص ٩)

امام جہری قرات کرے تو مقتدی صرف سکتات میں پڑھے سری قراءت کرے تو اسے اختیار کرے۔ مگر امام کی قراءت میں خلل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ یہ میرے نزدیک سب سے بہتر ہے۔

علامہ ابن ہمام نے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

أهل الكوفة إنما اختاروا ترك القراءة فقط لا إنهم لم يجيزوه (فتح القدير ص ١٣٧)

اہل کوفہ نے ترک قراءت کو اختیار کیا ہے اس سے منع نہیں کیا۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے اور اسے مستحسن جانتے تھے۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۰۹)

امام غزالی فرماتے ہیں مقتدی فاتحہ پڑھے (احیاء العلوم ج ا ص ۱۳۹) مرزا مظہر جان جاناں فاتحہ خلف الامام کو منع نہیں سمجھتے تھے۔

(معمولات مظہریہ ص ۷۰، ۱۱۹)

حضرت مخدوم جہاں گشت فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔
(ابجد العلوم ص ۹۰۰)

شاہ شمس الدین بھی قائل تھے (تقصار ص ۱۱۳)
حضرت نظام الدین اولیاء بھی فاتحہ خلف الامام پڑھتے تھے اور فرماتے تھے آنحضرت ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی (نزھتہ الخواطر ص ۱۲۶)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

منهم من يامر بالقراءة فى صلوة السر وفى حال سكتات الإمام فى صلوة الجهر والبعيد الذى لا يسمع الإمام واما القريب الذى يسمع قراءة الإمام فيامرونه بالانصات لقراءة امامه اقامة الاستماع مقام التلاوة وهذا قول الجمهور كمالك واحمد وغيرهم من فقها إلا مصار وعليه يدل عمل اكثر الصحابة وتتفق عليه اكثر الاحاديث (مجموعة فتاوى ابن تيميه ج۲۳ ص ۳۲۷)

بعض علماء سری نماز میں اور جہری کے سکتات میں اور دور والے کو جو امام کی قراءت نہ سن سکے قراءت کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن قریب کھڑے شخص کو جو امام کی قراءت سنتا ہے وہ انصات کا حکم دیتے ہیں امام کی قراءت کیلئے۔ کیونکہ سننا بھی تلاوت ہی کے قائم مقام ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے جیسے امام مالک امام احمد اور دیگر شہروں کے فقہاء و اکثر صحابہ کا عمل بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور اسی پر اکثر احادیث کا اتفاق ہو جاتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔

والدعاء الذى روى ابوهريرة فى هذا السكوت يمكن فيه قراة الفاتحة- فكيف إذا قرا بعضها فى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں اللھم باعد بینی کیلئے جس سکتہ کا ذکر ہے اس میں بھی فاتحہ پڑھی جا سکتی

سکتة وبعضها فی سکتة اخری (ایضًا)

ہے۔ اگر کچھ فاتحہ اس سکتہ میں پڑھ لے اور باقی کسی دوسرے سکتہ میں تو یہ بھی درست ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ عین جہر کے وقت مقتدی کو فاتحہ پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لکن يظهر بعد التامل فی الدلائل أن القراءة أولى من تركها فقد عولنا فيه على قول محمد كما نقل عنه صاحب الهداية وتركنا الكلام (تنویر العینین ۲۹)

(ترجمہ) دلائل میں غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ ہم نے اس مسئلہ میں امام محمد کے قول پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے ان سے نقل کیا ہے اور بحث چھوڑ دی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر الحمد پڑھے نماز نہیں ہوتی اور نزدیک اس فقیر کے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ترجیح رکھتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول جا بجا وارد ہے کہ جس جگہ صحیح حدیث وارد ہو اور میرا قول اس کے خلاف پڑے تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو (فتویٰ شاہ عبدالعزیز) مصنف نور الانوار ملا جیون فرماتے ہیں مذہب حنفی کے مشہور فقیہہ امام ابو حفص کبیر جو امام محمد کے کبار تلامذہ میں سے ہیں نے بھی اسی مسلک (قراءۃ فاتحہ خلف الامام) کو اختیار فرمایا ان کے علاوہ اور بہت سے فقہاء' مشائخ حنفیہ اور جماعت صوفیہ کے نزدیک بھی یہی مسلک مختار ہے (تفسیر احمدی)

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض فقہاء حنفیہ سری و جہری ہر نماز میں فاتحہ خلف الامام کو احتیاطاً" مستحسن بتلاتے ہیں اور بعض فقہاء فقط

سری میں۔ مکہ مدینہ اور ملک شام کے فقہاء کا اسی پر عمل ہے (عمدۃ القاری بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۴)

واذا قرئ القرآن ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْءَانُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الأعراف: ٢٠٤)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

احناف کا دعویٰ ہے کہ استماع اور انصات کا یہ حکم مقتدیوں کیلئے ہے لہٰذا انہیں خاموش رہنا چاہیئے اور امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ لیکن یہ بات انتہائی خلاف حقیقت ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور نماز باجماعت کا اہتمام مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد ہوا۔ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی حنفی مسجد نبویؐ کی تعمیر کا ذکر کرنے کے بعد اذان کی ابتداء کا عنوان دے کر لکھتے ہیں اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلائیں (سیرۃ النبی ص ۲۰۶)

نیز حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد تک نماز میں گفتگو کی اجازت رہی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

إن كنا نتكلم في الصلوة على عهد النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يكلم أحدنا صاحبه بحاجة حتى نزلت حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ فامرنا بالسكوت (بخاری ص ١٦٠)

ہم عہد نبویؐ میں نماز کے بیچ میں ایک دوسرے سے ضرورت کی گفتگو کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی حفاظت کرو نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور اللہ کی بارگاہ میں چپکے کھڑے ہو جاؤ پس ہمیں

خاموش رہنے کا حکم دیدیا گیا۔

اور یہ معلوم ہے کہ سورہ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اس سے متصل پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کو حالت نماز میں سلام کہہ لیا کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب بھی مرحمت فرما دیتے۔ جب ہم نجاشی کے ملک سے واپس (مدینہ) لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کہا مگر آپ نے جواب نہ دیا اور پھر فرمایا کہ نماز کی اپنی مصروفیت ہوتی ہے۔

اس کے متعلق محشی بخاری مولنا احمد علی سہارنپوری حنفی علامہ عینی حنفی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

إن الصحیح فی حدیث ابن مسعود إنه لم یکن إلا بالمدینة وبها نهی عن الکلام فی الصلوة

ابن مسعود کا واقعہ مدینہ میں ہوا اور وہیں نماز میں کلام سے منع کیا گیا۔

اور خطابی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

إنما نسخ الکلام بعد الهجرة بمدة یسیرة وهذا یدل علی اتفاق حدیث ابن مسعود و زید بن ارقم علی ان التحریم کان بالمدینة

نماز میں کلام کرنا ہجرت کے تھوڑی دیر بعد منسوخ ہوا۔ ابن مسعود اور زید بن ارقم کی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حرمت مدینہ میں ہوئی۔

تو گزارش ہے کہ جب واذا قری القران سے نماز میں گفتگو منع نہیں ہو سکی تھی تو فاتحہ خلف الامام کیسے منع ہو جاتی تھی۔

ایک حنفی مصنف اپنی کتاب الفرقان میں لکھتے ہیں بہت سے علمائے احناف نے اذا قری القران والی آیت سے قراءت مقتدی کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور اس پر بڑا زور لگایا ہے۔ حالانکہ یہ محض بلا دلیل ڈھکوسلا ہے۔ علوم دینیہ میں بحر بیکراں ہونے کے باوجود علمائے احناف کا اس آیت سے نسخ کا دعویٰ

کرنا باعث تعجب ہے (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۸)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلی آیات میں کافروں سے خطاب ہے اگر اس آیت سے قراءت مقتدی مراد لی جائے تو اس آیت کا اپنے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رہتا نظم ٹوٹ جاتا ہے اور ترکیب بگڑ جاتی ہے جو کلام الٰہی کی شان کے لائق نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں یہ آیت دراصل کافروں کی اس بات کے جواب میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ — کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آؤ۔

(حم السجدۃ ۲۶، تفسیر کبیر بحوالہ ص ۲۵۹)

واذا قرئی القران الایۃ کے تحت مولنا عبدالماجد دریا آبادی حنفی لکھتے ہیں حکم کے مخاطب ------ ظاہر ہے کفار و منکرین ہیں۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علمائے حنفیہ نے اس کے حکم میں توسیع پیدا کر کے اس سے حالت نماز میں مقتدی کیلئے قرآنی سورہ فاتحہ کی ممانعت بھی نکال لی ہے (تفسیر ماجدی ص ۳۷۳)

مولنا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں۔ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا۔ جب سورہ بقرہ کی آیت وقوموا لله قنتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا اور آیت واذا قری القران الایۃ بالاتفاق مکی ہے ان کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ (فاران دسمبر ص ۹۶۰ ص ۳۵)

مولنا سرفراز احمد صاحب گکھڑوی فرماتے ہیں صحیح روایات سے ثابت ہے کہ عام تکلم فی الصلوۃ کی ممانعت قوموا لله قانتین سے ہوئی۔ (احسن الکلام ج ا ص ۱۵۴)

اتنے واضح اور مبرھن حقائق کے باوجود حنفیہ کو اصرار ہے کہ یہ آیت مقتدیوں کے بارے میں ہے لہٰذا استماع وانصات سے کام لیتے ہوئے انہیں سری و جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھنی چاہیے۔ کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ دینے کی بجائے مصنف نماز پیمبر (ص ۱۳۳) نے تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۸۱ وغیرہ

سے حضرات عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کہا ہے کہ انہوں نے اس آیت کو نماز اور خطبہ کے بارہ میں سمجھا ہے۔ نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے۔

اجمع الناس علی ان ھذہ الایۃ فی الصلوۃ (المغنی ج۱ ص ۴۰) — سب کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔

یہ سب حوالے غیر معتبر ہیں تاہم ان سے خاص فاتحہ خلف الامام کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تو مشہور ہے (مسلم ص ۱۶۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

اقرأ خلف الإمام جهرا ولم يجهر (كتاب القراءة بيهقى ص ٦٤) — میں جہری و سری نماز میں امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔

اقرأ خلف الإمام بفاتحة الكتاب (ایضاً) — میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہوں۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

(ترمذی ص ۲۵۷)

خود حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے واذا قرئی القران الایۃ اور وقال الذین کفرو الا تسمعوا الایۃ کے تحت ہر دو مقامات پر یہ بات لکھی ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت کے جواب میں ہے (ج ا ص ۲۸۰ ج ۴ ص ۹۸) میں کہتا ہوں اگر واذا قرئی القران والی آیت قرات خلف الامام کے بارے میں ہی ہے تو اسی آیت سے متصل اگلی آیت بھی تو پڑھنی چاہیۓ فرمایا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ — اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کرو عاجزی اور خوف کے ساتھ آواز بلند کیۓ بغیر۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ امام کے پیچھے جہری قراءت نہیں کرنی چاہئے۔

دراصل یہ کہنا ہی غلط ہے کہ واذا قرئی القران والی آیت ہے ہی نماز اور قراءۃ خلف الامام کے بارے میں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

إن الروایات من الصحابة ومن بعدهم فی شان نزولها مختلفة (امام الکلام ص ۱۱۰)

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں صحابہ اور بعد کے علماء سے روایات مختلف ہیں۔

جن لوگوں نے اس آیت کو نماز کے بارے میں کہا ہے ان کے قول کی حیثیت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یوں ہے۔

قولهم نزلت هذه الآیة فی کذا یرادبه تارة سبب النزول ویرادبه تارة أن ذلك داخل فی الأیة وإن لم یکن السبب (الاتقان للسیوطی ج۲ ص ۳۱)

لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی اس کا مطلب کبھی تو شان نزول ہوتا ہے اور کبھی یہ مراد ہوتا ہے کہ یہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ خواہ وہ اصل شان نزول نہ ہو۔

چنانچہ بے شک واذا قرئی القران الایة اپنی عمومیت کے لحاظ سے نماز کو بھی شامل ہے اور اس کا مقصد فقط اتنا ہے کہ تلاوت قرآن پاک کے دوران میں استماع وانصات سے کام لینا چاہئے اور شوروغل نہیں کرنا چاہئے۔ یہ مقصد نہیں کہ سرے سے فاتحہ ہی نہیں پڑھنی چاہئے۔ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہے۔

اگر اس آیت کا یہ معنی لیا جائے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے تو اس وقت قرآن مجید ہی پڑھنا منع ہو جائے تو پھر احناف کے مدرسے بھی بند ہو جائیں گے اور ختم قرآن کی محفلیں بھی موقوف ہو جائیں گی۔ یہ ان کا نہایت ہی کمزور پوائنٹ ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے انہوں نے یہ موقف گھڑلیا ہے کہ یہ آیت ہے ہی نماز کیلئے۔ یعنی آگے پیچھے اگر قرآن پڑھا جائے تو جو مرضی کرو مگر امام جب قراءت کرے تو فاتحہ نہ پڑھو اس سے آپ ان کی فاتحہ دشمنی کا بخوبی اندازہ فرما سکتے ہیں۔

واذا قری القران والی آیت عام ہے یا نماز کے ساتھ خاص ہے شان نزول کے اس اختلاف نے حنفیہ کو عجیب کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اپنی کتاب فاتحہ خلف الامام میں یہ آیت درج فرمائی ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْءَانَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا أَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (الأحقاف ٢٩)

اور جب پھیرا ہم نے تیری طرف جنوں کی ایک جماعت کو وہ قرآن سنتے تھے۔ جب وہ اس کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ جب تلاوت تمام ہوئی تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے کے لئے چلے گئے۔

پھر لکھتے ہیں گویا ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہوا کہ جب بھی تلاوت کلام اللہ ہو اسے غور سے سنیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں بصورت دیگر وہ ان کافر جنات سے بھی بدتر ہیں (ص ۵۷) اور ص ٦٨ پر فرماتے ہیں خاموش رہنے کا حکم صرف نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ بہت خوب گویا ان کے نزدیک شان نزول موم کی ناک ہے جسے حسب موقع جدھر چاہا گھما لیا۔ پھر حیرانی کی بات ہے ان مسلمان ہونے والے جنوں کو حضرت صاحب نے کافر بنا دیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا خاموشی سے قرآن سننے والے یہ جن ان کے نزدیک کافر تھے اور خاموشی سے

قرآن سننا کافروں کا کام ہے۔ لاحول ولا قوۃ الاباللہ۔

مصنف نماز مدلل لکھتے ہیں اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں مختلف قول ہیں کہ یہ آیت خطبہ و وعظ میں نازل ہوئی یا مطلق قراءت کے سلسلے میں اتری یا نماز کے بارے میں نازل ہوئی راجح قول یہ ہے کہ یہ نماز کے متعلق نازل ہوئی (ص ۸۴) مصنف نماز پیمبر نے صاف لکھا ہے کہ یہ آیت قرآنیہ نماز میں فاتحہ خلف الامام کی بابت نازل ہوئی (ص ۱۳۴) دلائل کی روشنی میں جو ہرگز اس کا شان نزول نہیں ہے اپنی تقلیدی مجبوریوں کی وجہ سے انہوں نے وہی اس کا شان نزول مقرر کر رکھا ہے۔

میں پوچھتا ہوں اگر ان لوگوں کو یہ اجازت ہے کہ یہ واذا کے عموم کو بلا دلیل نماز کے ساتھ مخصوص کرلیں تو کیا ہمیں یہ اجازت نہیں کہ ہم بحکم نبویؐ (لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحتہ الکتاب) اس آیت سے فاتحہ کو مستثنیٰ کر سکیں اسی طرح یہ لوگ اگر اس حدیث کو بلا دلیل امام اور منفرد سے خاص کر لیتے ہیں تو کیا ہم اس حدیث کی روشنی میں واذا قری القران الآیۃ سے فاتحہ کو خاص نہیں کر سکتے۔ حنفیہ کو قراءۃ فاتحہ خلف الامام سے جو ضد ہے اس کا اندازہ اس ایک حوالہ سے لگائیے۔ مصنف عماد الدین تحریر فرماتے ہیں جو چیز دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک فرض ہے اس پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے البتہ ایک مسئلہ فاتحہ خلف الامام کا ہے جس میں لامحالہ اپنی ہی امام کے صحیح مسلک کا اقتدا ناگزیر ہے (ص ۱۲۶) حالانکہ کئی علمائے احناف نے سمجھداری سے کام لے کر اس مسئلہ میں اپنے امام کے مسلک کو چھوڑا ہے اور ضد سے دستبرداری فرمائی ہے یعنی انہوں نے ترک فاتحہ پر ترک مسلک کو ترجیح دی ہے مولنا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی باوجود عظمت و شان امکان خطا سے منزہ نہیں۔ کیا عجب کہ امام شافعی علیہ الرحمتہ ہی صحیح فرماتے ہوں اور ہم ہنوز ان کے قول کی وجہ نہ سمجھتے ہوں اور اس امرمیں زیادہ تعصب کو پسند نہیں کرتے (توثیق الکلام فی انصات خلف الامام ص ۲۳)

علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لا شك فی ثبوت السكتات عن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعد التكبير وبعد القراءة وبعد الفاتحة (امام الكلام ص ٢٣٥)

اس میں شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیر کے بعد قراءت کے بعد اور فاتحہ کے بعد سکتات ثابت ہیں۔

امام کے سکتہ اولی کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا يكفی لقراءة المامومين (امام الكلام ص ٢٤٣)

یہ وقفہ مقتدیوں کی قراءت کیلئے کافی ہے۔

علامہ لکھنوی فرماتے ہیں۔

فاذن ظهر حق الظهور أن اقوى المسالك التی سلك عليها اصحابنا هو مسلك استحسان القراءة فی السرية كما هو رواية عن محمد بن الحسن واختارها جميع من فقهاء الزمن وارجوا رجاء موثقا أن محمدا جوز القراة فی السرية واستحسنها لا بدان أن يجوز القراة فی الجهرية عند وجدانها لعدم الفرق بينه وبينه هذا هو مذهب جماعة من المحدثين جزاهم الله يوم الدين (امام الكلام ص ٢١٦)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ سب سے قوی ترین مسلک جس پر ہمارے اصحاب چلے ہیں وہ سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا مستحسن ہونا ہے جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اسے تمام فقہائے زمانہ نے اختیار کیا ہے اور میں پختہ امید رکھتا ہوں کہ جب امام محمد نے سری میں قراءت کو جائز رکھا ہے تو لازما وہ جہری میں اس کو سکتات میں جائز رکھتے کیونکہ ان دونوں میں فرق نہیں ہے چنانچہ محدثین کا یہی مذہب ہے۔ اللہ تعالٰی انہیں جزا دے۔

نیز لکھتے ہیں۔

فلو قرا المقتدی عند سكتة الامام واستمع حين قراءته لم يكن عليه باس ولا مخالفة للاحاديث النبوية المرفوعة (السعايه ج۲ ص ۳۰۵)	اگر امام کے سکتہ کے وقت مقتدی قراءت کرے اور امام کی قراءت کے وقت سنے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نہ ہی اس میں احادیث نبویہ مرفوعہ کی مخالفت ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پس جب اس (فاتحہ) کو اس قدر خصوصیت بالصلوۃ ہے تو اگر سکتات میں اس کو پڑھ لیں تو رخصت ہے اور یہ قدر قلیل آیات ہیں جو محل ثنا میں بھی ختم ہو سکتی ہیں اور یہ خلط قراءت کی نوبت نہیں آتی۔ (سبیل الرشاد ص ۳۲ و ۳۳ مطبع ادارہ اسلامیات لاہور)

مولنا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حكمها ههنا للمقتدى هو الا باحة	فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔

(فصل الخطاب ص ۲۴۲)

مولنا عبدالحی لکھنوی کے شاگرد مولنا نور محمد ملتانی فرماتے ہیں۔

إذا رويت سكتات متعددة غير منحصرة فی الاثنتين بروايات مختلفة فيقرا الماموم فی ای سكتة شاء (تذکره المنتهی ص ۱۸)	جبکہ مختلف روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سے زیادہ سکتات فرمایا کرتے تھے تو مقتدی جس سکتہ میں چاہے قراءت کرے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی فرماتے ہیں۔

واستثناء ام القران يقتضی قراءتها عند السكتات جمعا بين الأحاديث وعملا لقوله تعالى وإذا قری القران	سورہ فاتحہ کا استثناء تقاضا کرتا ہے کہ اسے سکتات میں پڑھ لیا جائے تاکہ قرآن کی آیت وا ذا قرئی القران

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۱۹) اور احادیث میں تطبیق ہو جائے۔

مولنا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں ہم تو جہری میں بھی امام کی قراءت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قراءت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔

(ماہنامہ فاران دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۲۹)

استماع وانصات ان حوالہ جات سے ان احناف کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو بہرحال فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں جو استماع اور انصات کے مفہوم میں فرق کرتے ہوئے نہ جہری میں قراءت خلف الامام جائز سمجھتے ہیں نہ سری میں۔ مصنف نماز پیمبر نے احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۹ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

فإذا جهر فعلينا الاستماع وإذا اخفى فعلينا الانصات بحكم اللفظ لعلمنا بانه قارى

جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو ہم پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ اور جب وہ آہستہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا بہرحال ضروری ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہے۔ (ص ۱۳۴)

حالانکہ خود احناف عین نماز کے بیچ میں اپنے اس اصول کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں آخری قعدہ میں امام اور مقتدی سب رب اجعلنی مقیم الصلوۃ اور ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ پڑھتے ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

اما القول بان الاستماع فی الجهرية والانصات بمعنى السكوت فی السرية فباطل عقلا ونقلا (غيث الغمام ص ۱٤۸)

یہ کہنا کہ استماع جہری نمازوں میں ہوتا ہے اور انصات بمعنی سکوت سری نمازوں میں ہوتا ہے عقلاً و نقلاً باطل ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں۔

نزل التنزيل بامر الاستماع والانصات للقران ويختص بالجهر باتفاق ائمة اللغة (فصل الخطاب ص ١١)

قرآن مجید کیلئے استماع اور انصات کا حکم نازل ہوا اور یہ باجماع اہل لغت جہر کے ساتھ مخصوص ہے

نیز فرماتے ہیں

لم أجد في كلام فصيح إنه استعمل فيه الانصات في السر دون الجهر (معارف السنن ج٣ ص ١٩٠ للبنوری)

میں نے کسی فصیح کلام میں جہر کی بجائے حالت سر میں انصات کا استعمال نہیں پایا۔

علامہ سندھی حنفی اس آیت کی تشریح یوں فرماتے ہیں۔

اي اسكتوا للاستماع وهذا لا يكون الا حالة الجهر (حاشية نسائی ج١ ص ١١٢ طبع سلفيه)

یعنی سننے کیلئے خاموش ہو جاؤ اور یہ صورت صرف حالت جہر میں ممکن ہے۔

علامہ بنوری فرماتے ہیں۔

فإن غرض الاية النهي عن القراءة خلف الامام في الجهرية فلا علاقة لها بالسرية (معارف السنن ج٣ ص ١٨٩)

آیت کا مطلب جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام سے روکنا ہے۔ سری نمازوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

دوران خطبہ میں درود شریف پیچھے آپ پڑھ آئے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک استماع و انصات کا تعلق صرف فاتحہ خلف الامام سے ہے اور اس کا مقصد صرف اپنے آپ کو متعدد اعتراضات سے بچانا ہے۔ حالانکہ ہدایہ "کالقران" کے

مصنف نے استماع و انصات کی فرضیت کو نماز اور خطبہ دونوں کے لئے یکساں قرار دیا ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔

إلا أن يقرا الخطيب قوله تعالى يا ايها الذين امنوا صلوا عليه الاية فيصلى السامع فى نفسه (ص ٨٣)

الا یہ کہ خطیب درود شریف کے حکم والی آیت پڑھے تو سامع کو اپنے جی میں درود شریف پڑھنا چاہئے۔

اور کنایہ میں لکھا ہے۔

فيصلى بلسانه خفيا

سامع اپنی زبان کے ساتھ آہستہ درود شریف پڑھے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ درود پڑھنے سے واذا قرئی کی مخالفت لازم آتی ہے تو فرماتے ہیں۔

قلت إذا صلى فى نفسه ونصت وسكت يكون اتيا بموجب الامرين (البنايه)

میں کہتا ہوں جب وہ اپنے جی میں درود شریف پڑھے گا اور خاموشی اختیار کرے گا تو اس سے دونوں حکموں کی تعمیل ہو جائے گی۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عن ابى يوسف ينبغى أن يصلى فى نفسه لان ذلك مما لا يشغله عن سماع الخطبة فكان احرازا للفضيلتين وهو الصواب وهل يحمد إذا عطس والصحيح نعم فى نفسه (فتح القدير ج١ ص ٤٢١)

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سامع کو چاہئے کہ اپنے جی میں درود شریف پڑھے۔ یہ بات اسے خطبہ کے سماع میں مشغول نہیں کرے گی اور دونوں فضیلتیں حاصل ہوں جائیں گی۔ یہی مسلک درست ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ

ہے کہ وہ اپنے جی میں چھینک کے جواب میں الحمد للہ بھی کہہ سکتا ہے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والصحیح انه یقول فی نفسه فذلك لا یشغله عن الاستماع (المبسوط ج۲ ص ۲۸)

صحیح مسئلہ یہی ہے کہ وہ اپنے جی میں پڑھ سکتا ہے یہ چیز اسے سماع خطبہ سے مانع نہیں ہوگی۔

مصنف نماز مسنون فرماتے ہیں قراءۃ قران اور خطبہ میں نام مبارک آئے تو سامعین درود نہ پڑھیں کیونکہ قراءۃ اور خطبہ سننا واجب ہے (ص ۴۰۲) نیز فرماتے ہیں خطبہ جمعہ وغیرہ کے دوران بھی سامعین پر لازم ہے کہ وہ سکوت کریں اگر خطیب آیت صلوۃ صلوا علیه وسلموا تسلیما پڑھے تو بھی زبان سے کچھ نہ بولیں بلکہ دل سے صلوٰۃ کا تصور کریں۔ (ص ۴۳۰) سوال یہ ہے کیا خالی تصور کر لینے سے آیت صلوۃ پر عمل ہو جاتا ہے؟ درحقیقت یہ باتیں ان کے اپنے اکابر کی تصریحات کے برعکس ہیں۔ البتہ ایک بات ضرور ثابت ہو رہی ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک آیت وا ذا قری الایۃ نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ یعنی جب بھی قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی کے ساتھ سننا واجب ہے۔ اب میں ان حضرت صاحب سے دریافت کرتا ہوں حفظ و ناظرہ کے مدرسوں میں سب طلبہ بیک وقت قرآن پاک پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ختم کلام پاک کی محفلوں میں بھی ان کے ہاں سب لوگ اپنی اپنی تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں۔ جلسوں میں قاری صاحب کی تلاوت کے ساتھ ساتھ سامعین کی طرف سے ماشاء اللہ' اللہ اللہ اور آہاہاہا کا شور برپا ہوتا ہے۔

فجر کی سنتیں

ہدایہ میں لکھا ہے۔

ومن انتهی إلی الإمام فی صلوة

آیا تو فجر کی نماز ہو رہی تھی اور ابھی

الفجر ان خشی أن تفوتہ رکعۃ ویدرك الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد (ص ۱۱۱)

اس نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ اگر اسے ڈر ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری کو وہ پا لے گا تو فجر کی سنتیں مسجد کے دروازہ کے پاس پڑھ لے۔

حاشیہ میں لکھا ہے اگر دروازے میں جگہ نہ ہو تو کسی ستون کی اوٹ میں پڑھ لے۔ نماز مسنون میں لکھا ہے عند البعض قعدہ میں شریک ہو جانے کا یقین ہو تو بھی سنتیں پڑھ لے (ص ۵۳۵) یہ عجیب بات ہے دوران خطبہ جمعہ میں آنے والے کو دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے (عن جابر بن عبداللہ مسلم ص ۲۸۷) مگر حنفیہ نہیں پڑھتے۔ فرضی نماز ہو رہی ہو تو سنتیں پڑھنے کی اجازت نہیں (عن ابی ہریرہ مسلم ص ۲۴۷) مگر حنفیہ پڑھتے ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

لو تذکر الفجر عند خطبۃ الجمعۃ یصلیھا مع ان الصلوۃ حینئذ مکروھۃ (تحقیق ج۲ ص ۵۱)

خطبہ جمعہ کے دوران میں اسے یاد آگیا کہ ابھی اس نے نماز فجر پڑھنی ہے تو اب پڑھ لے گو اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تکبیریں جماعت کھڑی ہے امام جہری یا سری قراءت کر رہا ہے۔ آنے والا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ اکبر کہہ کر نماز میں شامل ہوگا۔ یہ تو خیر ایک تکبیر کا معاملہ ہے۔ علامہ ابن نجیم حنفی تکبیرات عیدین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

من فاتہ أول الصلوۃ مع الإمام یکبر فی الحال ویکبر برای نفسہ (البحر الرائق ج۲ ص ۱۷۴)

جو شروع نماز میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو سکے وہ اب تکبیریں کہے اور اپنے مسلک کے مطابق کہے۔

یعنی تکبیر تحریمہ کے علاوہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں یا حنفی مسلک کے مطابق پانچ تکبیریں کہے۔

ثناء حنفیہ کی کتاب منیتہ المصلی میں ہے

والمسبوق یاتی بالثناء إذا ادرك الإمام حالة المخافتة ثم إذا قام الی قضاء ما سبق یأتی به أیضا كذا ذكره فی الملتقط وإذا أدرك الإمام وهو یجهر یستمع وینصت وقال بعضهم یاتی بالثناء عند سكتات الامام كلمة كلمة وعن الفقیه ابی جعفر إذا أدرك الامام فی الفاتحة یثنی بالاتفاق ذكره فی الذخیره (ص ٨٦)

مسبوق ثناء پڑھے جب امام کو سری حالت میں پائے اور جب بقایا رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو دوبارہ پڑھے....... اور جب امام کو جہری قرات کرتا ہوا پائے تو سنے اور خاموش رہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ امام کے سکتات میں ایک ایک کلمہ کر کے ثناء پڑھے۔ فقیہ ابو جعفر سے مروی ہے جب امام کو فاتحہ پڑھتے ہوئے پائے تو بالاتفاق ثناء پڑھے۔

مولنا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ مقتدی اگر اپنے امام کو لقمہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ امام بقدر ضرورت قراءت کر چکا ہو یا نہیں (بہشتی زیور بہشتی گوہر حصہ ۱۱ ص ٦٣) تو میرے بھائی اگر ان مسائل سے استماع و انصات کی مخالفت لازم نہیں آتی تو فاتحہ خلف الامام سے کیسے لازم آجائے گی۔

تعارض سچ پوچھئے تو حنفیہ وا ذا قری القران الا یۃ سے استدلال کے مجاز ہی نہیں۔ اصول فقہ حنفیہ کی مشہور کتابوں میں لکھا ہے کہ وا ذا قری القران الا یۃ اور فاقرءوا ما تیسر الا یۃ میں تعارض ہے اس لئے ہر دو آیات (بہ اصول

اذا تعارضا تساقطا) ساقط عن العمل ہیں (نور الانوار ص ۱۹۴ توضیح مع التلویح ج ۲ ص ۶۴۱) آیت واذا قری القران حنفیہ کی سب سے بڑی دلیل ہے جو خود حنفی اصول فقہ کی رو سے استدلال کے قابل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ لوگ اسے بار بار اپنی کتابوں میں دہراتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ عوام کو اس کی خبر نہیں بلکہ نور الانوار میں لکھا ہے۔

إذا تعارض المثبت والنافي فالمبثت أولى بالعمل (ص ۱۹۷)	جب مثبت اور نفی متعارض ہو جائیں تو مثبت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ فاقرؤا ما تیسر جو مثبت ہے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت واذا قری القران الایۃ کے جو کہ نافی ہے۔

وا ذا قرا فا نصتوا حنفیہ اپنی کتابوں میں صحیح مسلم ص ۱۷۴ کے حوالے سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ محل استدلال یہ الفاظ ہیں۔

ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فـانصتوا الحديـث (نماز بيمبر ص ۱۳۸ نماز مسنون ص ۳۳۵)	پھر تم میں سے ایک تمہاری امامت کرائے۔ جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب قراء ت کرے تو خاموش رہو۔

حالانکہ صحیح مسلم میں اس ترتیب کے ساتھ یہ الفاظ ہرگز نہیں ملتے۔ امام مسلم نے یہ حدیث مفصل بیان فرمائی ہے اس میں اذا کبر فکبروا کے آگے وإذا قال غير المغضـوب عليهـم ولا الضالين فقولوا آمين کے الفاظ ہیں۔ اس حدیث میں واذا قرا فانصتوا کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ حنفیہ ان الفاظ کو یوں بیان کرتے ہیں جیسے صحیح مسلم میں یہ حدیث اسی طرح لکھی ہوئی ہو۔ اصل بات یہ ہے امام صاحب رحمہ اللہ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وفي حديث جرير عن سليمان عن قتادة من الزيادة وإذا قرأ فانصتوا	جریر عن سلیمان عن قتادہ کی حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو۔

یعنی قتادہ کے شاگردوں میں صرف سلیمان ایک ایسا راوی ہے جو وا ذا قرا فانصتوا کی زیادتی بیان کرتا ہے۔ اس کے تحت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد محدثین عظام دار قطنی ابوعلی نیشاپوری حاکم اور بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ ان حفاظ کا اس کی تضعیف پر اجتماع امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر مقدم ہے خاص طور پر جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کو اپنی صحیح میں سند کے ساتھ روایت نہیں کیا (ص ۱۷۵)

ان الفاظ کو غیر محفوظ کہنے والوں میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ' دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ ' ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن یحیٰ ذہلی بھی شامل ہیں۔

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سلیمان تیمی کے متعلق فرماتے ہیں۔

وصفه النسائي وغيره بالتدليس (طبقات المدلسين ص ۳۲)	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے مدلس قرار دیا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی روایت ابوداؤد میں بھی ہے اس میں بھی واذا کبر فکبروا کے آگے واذا قرا فانصتوا کی بجائے وا ذا قرا غیر المغضوب الایۃ کے الفاظ ہیں اور آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وانصتوا ليس بمحفوظ لم يجئ به الا سليمان التيمى فى هذا الحديث ص ۳٦۸)	لفظ انصتوا غیر محفوظ ہے جسے صرف سلیمان تیمی نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح بروایت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر	امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی

فکبروا وإذا قرأ فانصتوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد (نسائی ص ۲۱۱ ابن ماجه ص ٦١)

اقتداء کی جائے۔ لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب پڑھے تو خاموش رہو اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم الھم ربنالک الحمد کہو۔

حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نصب الرایہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقی نے معرفتہ میں ابوموسی اشعری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتیں لانے کے بعد کہا ہے کہ تمام حفاظ مثلاً ابوداؤد' ابوحاتم' ابن معین حاکم اور دار قطنی کا ان الفاظ کے خطا پر اجماع ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں (بحوالہ تحفہ ص ۲۶۰)

امام مسلم نے نسائی وغیرہ میں مروی ابوہریرہ کی حدیث کے الفاظ واذا قرا فانصتوا کو صحیح تو کہا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ان کی صحت متفق علیہ نہیں ہے اسی لئے وہ اس حدیث کو اپنی کتاب میں نہیں لائے (ص ۱۷۴)

یہ الفاظ اپنی جگہ صحیح بھی ہوں تو بھی جس طرح آیت وا ذا قری القران فاستمعوا لہ وانصتوا سے قرات فاتحہ خلف الامام کی نفی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح ان سے بھی ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے (مسلم ص ۱۶۹)

قراءة الإمام له قراءة حنفیہ کو اپنی جس دلیل پر سب سے زیادہ ناز ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من كان له أمام فقراءة الإمام له قراءة (عن جابر بن عبد الله ابن ماجه ص ٦١، مسند احمد ج٣ ص ٣٣٩ طحاوی ج١ ص ١٤٩، دارقطنی نماز مسنون ص ٣٣٦)

جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کے تمام طرق کو ضعیف اور معلول قرار دیا ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۲ التلخیص الحبیر ج ۱ ص ۷۸)۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے

کہ اس کی کوئی سند صحیح نہیں (ج ا ص ۲۱) علامہ قرطبی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے (تفسیر ج ا ص ۱۲۲)

یہ روایت بالفرض صحیح بھی ہو تو عام قراءت کے بارے میں ہے جبکہ گفتگو خاص فاتحہ کے بارے میں ہو رہی ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں۔ یہ روایت ترک قراءت فاتحہ پر نص نہیں...... جبکہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایات قراءت فاتحہ کے وجوب یا استحسان پر نص ہیں لہٰذا وہ اس پر قطعاً مقدم ہیں (امام الکلام بحوالہ تحفہ ص ۲۶۰)

فانتھی الناس عن القراءۃ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہری نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تم میں سے کوئی اب میرے ساتھ قراءت کر رہا تھا؟ ایک آدمی نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! فرمایا میں بھی کہوں مجھ پر قراءت میں منازعت (مداخلت) کیوں ہو رہی ہے کہا پس یہ سن کر لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری نمازوں میں قراءت سے رک گئے (ترمذی ص ۲۵۴' موطا امام مالک ص ۲۹ ابوداؤد ص ۳۰۶' نسائی ص ۱۱۱)

یہ حنفیہ کا استدلال بھی ہے اور مالکیہ کا بھی جو کہ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں۔ لیکن یہ استدلال تب درست ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس مقتدی نے سرا فاتحہ پڑھی تھی منازعت اور ٹکراؤ صرف جہر کی صورت میں ہی ممکن ہے جو واقعی جائز نہیں۔ لمبی بحث کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ حنفی ائمہ صاحبان کے پیچھے اہل حدیث بلکہ بحمداللہ کئی دیوبندی حضرات بھی سرا فاتحہ پڑھتے ہیں تو کیا انہیں کبھی منازعت محسوس ہوئی ہے۔ نیز عرض ہے جیسا کہ خود آگے امام ترمذی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کے آخری الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں بلکہ یہ زہری کے الفاظ ہیں کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو فاتحہ خلف الامام کے زبردست قائل تھے (ترمذی ص ۲۵۵) علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں کہ تمام حفاظ متفق ہیں کہ یہ زیادتی زہری کی طرف سے اندراج ہے (التعلیق الحسن ص ۲۸) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے

ہیں ان الفاظ سے یہ مفہوم نکلا کہ صحابہ کرام سری نمازوں میں سری قراءت کرتے تھے جیسا کہ ہمارے امام محمد سمیت اکثر کا مذہب ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۳۰۲)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس روایت میں منازعت سے اگر ترک قراءت ثابت ہوتی ہے تو اس سے ایسی قراءت مراد ہے جو جہری نماز میں منازعت کا سبب بن سکے۔ (بحوالہ تحفہ ص ۲۵۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں امام کے پیچھے جہری قراءۃ بالاتفاق منع ہے اختلاف صرف سری میں ہے۔ (مسوی) مطلب یہ ہے اس انداز سے قراءت نہیں ہونی چاہیے جو جہری (بلکہ سری میں بھی) امام کی قراءت سے ٹکرائے۔ یقیناً اس مقتدی نے بالجہر قراءت کی ہوگی یا کم از کم اتنی آواز پیدا کی ہوگی جس سے آنحضرت ﷺ کو اپنی قراءت میں خلجان محسوس ہوا۔

ایک اور گزارش ہے کہ اس روایت میں قراءت فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قراءت کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے اس مقتدی نے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کچھ قراءت کی ہو تو اس صورت میں زہری کے الفاظ کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ جہری نمازوں میں فاتحہ کے علاوہ کچھ قرآن پڑھنے سے باز آگئے کیونکہ سری نمازوں میں مقتدی فاتحہ کے علاوہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

خلطتم لوگ نبی ﷺ کے پیچھے قراءت کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

خلطتم علی القران (عن ابی مسعود، طحاوی ج۱ ص ۱۴۹، مسند احمد ج۱ ص ۴۵۱، نماز مسنون ص ۳۳۷) تم نے مجھ پر قراءت خلط ملط کر دی۔

یہ بھی حنفیہ کا استدلال ہے مگر یہی روایت عن ابی الاحوص عن ابن مسعود کتاب القراءت بیہقی ص ۱۱۶ اور جزء القراءۃ بخاری ص ۱۵۹ میں موجود ہے اس میں باقاعدہ وضاحت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ تخلیط والی بات ان لوگوں سے کہی تھی جو جہری قراءت کر رہے تھے (تحفہ ص ۲۵۵) پھر اس میں سورہ فاتحہ کا بھی تو کوئی ذکر نہیں۔ نیز اس حدیث کے راوی عبداللہ بن مسعود خود سری

نمازوں میں فاتحہ پڑھتے تھے (کتاب القراء ت، بیہقی ص ٦٤) اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس روایت کی سند میں ابواسحاق راوی مدلس ہے جو عن سے روایت کرتا ہے اور مدلس کی معنعن روایت قبول نہیں ہوتی۔

خالجنیها　عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا میرے پیچھے سورہ سبح رسم ربک الا علی کس نے پڑھی ایک آدمی بولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اور میرا ارادہ نیک تھا تو فرمایا۔

قد علمت أن بعضكم خالجنيها (مسلم ص ١٧٢، نسائی ص ١١١، نماز مسنون ص ٣٣٧)	میں نے جانا کہ تم میں سے بعض نے میری قراءت میں خلجان ڈال دیا

یہاں سے بھی حنفیہ استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ شخص مذکور نے باواز بلند یہ سورت پڑھی تھی تبھی آپ نے پوچھا سبح اسم ربک الا علی کس نے پڑھی بلکہ اگلی روایت میں عمران بن حصین کہتے ہیں کہ وہ شخص یہ سورت پڑھنے لگا۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنا اور مقتدیوں نے بھی سنا کہ وہ سورہ اعلی پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے اس پر باب ہی یہی باندھا ہے۔

نهي المأموم عن جهره بالقراءة خلف الامام	امام کے پیچھے مقتدی کو جہری قراءت سے منع کرنا

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں اس میں اصل قراءت سے نہیں بلکہ جہر سے انکار ہے نیز اس میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام کا نہیں بلکہ دوسری سورت کا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

لم يروفي حديث مرفوع صحيح النهي عن قراءة الفاتحة خلف الامام	کسی مرفوع صحیح حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی نفی وارد نہیں ہوئی جو کچھ لوگ

وكل ما ذكروه مرفوعا فيه اما لا اصل له واما لا يصح (التعليق الممجد ص ٩٩، امام الكلام ص ١٥٦)

بیان کرتے ہیں یا تو وہ بے اصل ہے یا ضعیف ہے۔

حنفیہ کا آثار صحابہؓ سے استدلال

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول

من صلى ركعة لم يقرا فيها بام القران فلم يصل إلا أن يكون وراء الامام (ترمذی ص ٢٥٧، موطا ص ٢٨ كتاب القراة بيهقى ص١١٠)

جس نے ایک رکعت بھی سورہ فاتحہ کے بغیر پڑھی اس نے نماز نہ پڑھی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو

حنفیہ جہری اور سری میں بلا تفریق فاتحہ خلف الامام کے منکر ہیں۔ مگر حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔

كنا نقرا فى الظهر والعصر خلف الامام فى الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب وسورة وفى الاخريين بفاتحة الكتاب (ابن ماجة ص ٦١، السنن الكبرى بيهقى ج٢ ص ١٧٠، كتاب القراءة بيهقى ص ٦٧)

ہم ظہر و عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔

نیز اوپر والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کے نزدیک نماز میں فاتحہ فرض ہے اور ہر رکعت میں فرض ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاتحہ فرض نہیں اور واجب بھی صرف کسی دو رکعتوں میں ہے۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر امام کے پیچھے (جہری نماز میں) فاتحہ کو فرض نہیں سمجھتے یہ مطلب نہیں کہ حنفیہ کی طرح جائز ہی نہیں سمجھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

إذا صلى أحدكم خلف الامام فحسبه قراءة الامام وإذا صلى وحده فليقرا قال وكان عبدالله بن عمر لا يقرا خلف الامام (عن نافع موطا ص ۲۹)

امام کے پیچھے امام کی قراءت کافی ہے۔ اکیلا ہو تو قراءت کرے حضرت نافع نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

یاد رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کو جس باب کے تحت لائے ہیں اس کا عنوان یوں ہے۔

باب ترك القراءة خلف الامام فيما يجهر فيه

جہری نماز میں قراءت خلف الامام کے ترک کا بیان

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف جہری نماز میں قراءت خلف الامام کے قائل نہیں تھے جبکہ حنفیہ سری میں بھی قائل نہیں۔

حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

ان ابن عمر كان ينصت للامام فيما يجهر فيه ولا يقرء معه (كتاب القراءة بيهقي ص ۱۰۰)

ابن عمر رضی اللہ عنہما جہری نماز میں امام کیلئے خاموش رہتے تھے اور امام کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

بلکہ یحییٰ البکاء سے مروی ہے۔

سئل ابن عمر عن القراءة خلف الامام فقال ما كانوا يرون باسا أن يقرا بفاتحة الكتاب في نفسه (أيضا ص ٦٥)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا قراءت خلف الامام جائز ہے تو فرمایا صحابہ کرام اپنے جی میں فاتحہ پڑھنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان بعضها محمولة على ترك القراءة في الجهرية فقط لا في السرية كاثر ابن عمر وغيره على مامر فلا يصح سندًا للحنفية (امام الكلام ص ۲۲۱)

بعض روایتیں صرف جہری نماز میں ترک قراء ت پر محمول ہیں جیسے اثر ابن عمر وغیرہ پس یہ حنفیہ کیلئے دلیل نہیں۔

نیز بات یہ ہے کہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ترک قراءت کا ذکر ہے جو کہ عام ہے ترک فاتحہ کا ذکر نہیں جو کہ خاص ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول

لا قراءة مع الامام في شيئ (عن عطاء بن يسار مسلم ص ۲۱۵ باب سجود التلاوة)

امام کے ساتھ کسی نماز میں قراء ت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے۔

من قرأ خلف الامام فصلاته تابت (التعليق الممجد ص ۱۰۲ بحواله ابن عبد البر)

جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز پوری ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول

انصت للقران فان في الصلوة شغلا وسيكفيك ذلك الامام (مصنف عبد الرزاق ج۲ ص ۱۲۸، مصنف ابن ابی شيبه ج۱ ص ۳۲۷، طحاوی ج۱ ص ۱۵۰، كتاب القرءة بيهقي ص ۱۱۷)

قرآن کیلئے خاموش رہو نماز میں ایک شغل ہے قراء ت کے لئے تمہیں امام کافی ہے۔

مگر عبداللہ ابن زیاد اسدی سے روایت ہے۔

صليت الى جنب عبد الله بن مسعود خلف الامام فسمعته يقرا

میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے ساتھ امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ میں نے

فی الظهر والعصر (السنن الکبری، بیهقـی ج۲ ص ۱۶۹، کتـاب القـراءات بیهقـی ص ٦٤، جـزء القراءات بخاری ص ۸، طحـاوی ج۱ ص ۱۲۳)

سنا کہ آپ ﷺ ظہر و عصر میں قراءت کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

تکفیك قراءة الامام (مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص۳۷٦)

تجھے امام کی قراءت کافی ہے

مگر یزید بن شریک سے مروی ہے۔

انه سال عمر عن القراءة خلف الامام فقال اقرأ بفاتحة الکتاب قلت وان کنت انت قال وان کنت انا قلت وان جهرت، قال وان جهرت (السنن الکبری، بیهقی ج۲ ص ۱٦۷)

میں نے حضرت عمر سے قراءت خلف الامام کے متعلق پوچھا تو فرمایا سورہ فاتحہ پڑھو میں نے عرض کیا چاہے آپ امامت فرما رہے ہوں فرمایا ہاں میں نے کہا خواہ آپ بالجہر پڑھ رہے ہوں فرمایا ہاں پھر بھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول

من قرا خلف الامام فلیس علی الفطرة (الجوهر النقی مع البیهقی ج۲ ص ۱٦۹، طحـاوی ص ۱۲۹، مصنف عبد الرزاق ج۲ ص ۱۳۹)

جو امام کے پیچھے پڑھے وہ فطرت پر نہیں

یہ روایت محمد بن عجلان سے ہے، جس کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں لہٰذا یہ منقطع ہے نیز ابن عجلان مدلس بھی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

یقراء الامام ومن خلفه فی الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة وفـی

امام اور مقتدی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھیں اور پچھلی

الاخریین بفاتحۃ الکتاب (السنن الکبری بیھقی ج۲ ص ۱۶۸) دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھ لیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ وہ قراءت خلف الامام کا حکم دیتے تھے (مستدرک ج ۱ ص ۲۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ابو حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا میں امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہوں۔ تو فرمایا نہیں (طحاوی ج ۱ ص ۱۲۹) اس میں حماد بن سلمہ راوی ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ثقہ' عابد اثبت الناس فی ثابت و تغیر حفظہ باخرہ (تقریب) ان کے تغیر حفظ کو مولنا حبیب اللہ ڈیروی حنفی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے (نور الصباح ص ۲۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

اقرأ خلف الامام بفاتحۃ الکتاب (عن عیزار بن حریث، السنن الکبری بیھقی ص ٦٤) میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہوں۔

نیز فرماتے ہیں۔

لا تدع ان تقرأ بفاتحۃ الکتاب فی کل رکعۃ خلف الامام جھر او لم یجھر (عن عطا ایضا) فاتحہ پڑھنی ترک نہ کرو ہر رکعت میں امام کے پیچھے نماز جہری ہو یا سری۔

خلفاء ثلاثہ کا قول موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قراءت خلف الامام سے منع فرماتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کجا موسیٰ بن عقبہ کا تو صحابہ سے بھی سماع ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ روایت مرسل بھی ہے اور منقطع بھی۔

حنفیہ قراءۃ خلف الامام کے خلاف پائے جانے والے مذکورہ آثار کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں مگر مولنا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی ان پر یوں تبصرہ فرماتے

ہیں۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (حنفی) وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کا قول اسی وقت حجت ہوتا ہے جب وہ سنت کے خلاف نہ ہو۔ مرفوع احادیث قراءت خلف الامام کی اجازت پر دال ہیں۔ تو سنت کو چھوڑ کر اقوال کو کیسے قبول کیا جائے گا (امام الکلام ص ۲۲۲۔ تحفہ ص ۲۶۱)

اصل بات یہ ہے عام طور پر ان آثار میں اور احادیث میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان آثار کا مطلب یا تو یہ ہے کہ مقتدی کو جہری قراءت نہیں کرنی چاہیئے یا یہ مطلب ہے کہ جب امام جہری قراءت کر رہا ہو تو مقتدی کو سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کے سوا ان مذکورہ آثار میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے کا تو ذکر ہی نہیں اصل زیر بحث مسئلہ تو یہی ہے۔

نماز حنفی مدلل کے فقیہ اعظم صاحب نے ص ۱۴۳ سے لے کر ص ۱۴۷ تک کتاب القراءۃ بیہقی کے حوالہ سے چند مرفوع روایتیں نقل کی ہیں جن سے قراءت خلف الامام کی نفی ثابت ہوتی ہے مثلاً حضرت عمر سے (کتاب القراءت بیہقی ص ۹۳) حضرت ابن عمر سے (ایضا ص ۱۲۷) حضرت ابوہریرہ سے (ص ۱۳۵) حضرت ابن عباس سے (ص ۱۳۷) حضرت ابوسعید خدری سے (ص ۱۳۸) اور حضرت یزید بن عیاض سے (ص ۱۴۵)

حالانکہ امام بیہقی نے ان تمام روایتوں کو تردید کیلئے بیان کیا ہے اور زور دار لفظوں میں ان کا ضعف اور کذب ظاہر فرمایا ہے اور انہی صحابہ کرام سے صحیح سندوں کے ساتھ قراءۃ خلف الامام کی تائید میں روایتیں لائے ہیں۔ فقیہ اعظم اور محدث اعظم اور نہ جانے کیا کیا کہلوانے والوں کو یہ کتمان حق زیب نہیں دیتا۔

انگارا حنفیہ اپنی کتابوں میں اس قسم کے اقوال بیان کرنے سے بھی نہیں گھبراتے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں دوست رکھتا ہوں جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کے منہ میں انگارا ہو (عمدۃ القاری ص ۶۷، موطا امام محمد ص ۹۸) علقمہ بن قیس (تابعی) نے کہا مجھے انگارا کھانا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کہ کے امام کے پیچھے قراءت کروں (موطا امام محمد ص ۹۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوں (ایضا) ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سب سے پہلے جس نے امام کے پیچھے پڑھا تھا وہ بدعتی تھا (ایضا بحوالہ نماز حنفی مدلل ص ۱۳۷، ۱۳۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش اس کا منہ مٹی سے بھر جائے (طحاوی ص ۱۰۷)

یہ سب حنفی حوالے ہیں اور بے سروپا و موضوع حوالے ہیں۔ اگر ان میں رتی بھر صداقت ہو بھی تو ان کا تعلق جہری قراءت کرنے سے ہے یا جہری رکعتوں میں فاتحہ کے علاوہ پڑھنے سے ہے۔ فاتحہ خلف الامام پڑھنے یا نہ پڑھنے کا یہاں ذکر ہی نہیں۔

شیخ التسلیم نظام الھروی فرماتے ہیں۔

لو کان فی فمی جمرۃ یوم القیامۃ	روز قیامت میرے منہ میں انگارہ ہو یہ
احب الی من ان یقال لی لا صلوۃ	بہتر ہے اس سے کہ مجھے کہا جائے کہ
لك (امام الکلام ص ۳۸)	تیری نماز نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کئی وجوہ سے یہ اہل علم کا کلام نہیں ہے آگے چل کر فرماتے ہیں کوئی شخص یہ پسند نہیں کرے گا کہ صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرھم کے مونہوں میں انگارے ڈالے جائیں یا کیچڑ یا مٹی بھری جائے (جزء القراءۃ ص ۱۳)

"حسن اخلاق" کا ایک نمونہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کے متعلق حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب اپنی کتاب فاتحہ خلف الامام میں تحریر فرماتے ہیں ان میں جو صاحب علم تصور کئے جاتے ہیں ان میں بیشتر کی حالت دیکھ کر (ابن ماجہ ص ۲۰ کی) وہ روایت یاد آجاتی ہے کہ نااہل کے سامنے علم کی بات کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سور کے گلے میں موتیوں کا ہار پہنانا (ص ۸۰)

اسی ایک روایت پر ان حضرت صاحب کا ٹسٹ ہو جانا چاہئے۔ میں پوچھتا

ہوں کیا یہ روایت صحیح ہے؟ محترم یہ روایت بالکل ضعیف ہے۔ اس میں مسلسل تین راوی غیر ثقہ ہیں۔ یہی حال قراءۃ خلف الامام کے خلاف ان کی پیش کردہ روایتوں کا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس لئے نہیں کہ اسے ہمارے خلاف استعمال کیا گیا ہے بلکہ اس لئے کہ یہ حضور ﷺ کا انداز گفتگو نہیں تھا آپ کا دامن اور آپ کی سیرت ایسی ہلکی باتوں سے پاک تھی۔ اس قسم کی بولی علمائے احناف ہی کو زیب دیتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو پوچھوں یہ عام مقلدین اہل ہیں یا نااہل۔ اگر اہل ہیں تب انہیں تقلید کی ضرورت نہیں اور اگر نااہل ہیں تو ان کے سامنے ان حضرات کا علمی گفتگو فرمانا کس زمرہ میں آئے گا۔ مقلدین خود ہی سمجھ لیں کہ ان کے علماء انہیں کیا سمجھتے ہیں۔

خیر بات ہو رہی تھی فاتحہ خلف الامام کی تو گزارش ہے کہ صرف ہم گنہگار ہی اس کے قائل نہیں یہ صحابہ کرام بھی اس کے قائل تھے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ھزیل کہتے ہیں میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں فرمایا ہاں (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۶۹ جزء القراءۃ بیہقی ص ۶۲)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان سے کسی نے قراءت خلف الامام کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا جب امام پڑھے تو تم فاتحہ اور قل ھو اللہ پڑھو اور جب تمہیں سنائی نہ دے تو اپنے جی میں پڑھو اور اپنے دائیں بائیں والوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ (ایضا)

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا امام جہری پڑھے یا سری قراءت خلف الامام کو نہ چھوڑا جائے (جزء القراءۃ ص ۶۸ و سنن الکبری ج ۲ ص ۱۷۰ للبیھقی)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ابو نضرہ نے یہ مسئلہ پوچھا تو فرمایا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے (جزء القراءۃ ص ۶۷ سنن الکبری ج ۲ ص ۱۷۰ بیہقی)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ ثابت سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمیں قراءت

خلف الامام کا حکم دیتے تھے میں آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا آپ فاتحہ بھی اور مفصلات میں سے کوئی سورت بھی پڑھتے اور ہمیں اپنی قراءت سناتے تاکہ ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہو جائے (جزء القراءۃ ص ٦٨ سنن الکبری ج ٢ ص ١٧٠ بیہقی)

ہشام بن عامر کا بھی یہی عمل تھا (جزء القراءۃ ص ٦٧ سنن کبریٰ بیہقی ج ٢ ص ١٧٠)

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ عمر بن سیحم سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا ہمیں حکم دیتے تھے (سنن الکبریٰ بیہقی ج ٢ ص ١٧١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی حکم دینا ثابت ہے (ایضا)

اسی طرح بے شمار تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ کرام رحمہم اللہ سے فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ہے۔ لہٰذا حنفیہ کو فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کے مونہہ میں انگارا ڈالنے کا مسئلہ ذرا سوچ سمجھ کر بیان کرنا چاہیئے۔

مذکورہ بالا آثار صحابہ صحیح حدیث کی تائید میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی اسنادی حیثیت پر یقیناً تنقید کی گئی ہے۔ جسے احناف بہت اچھالتے ہیں۔ مگر ان کی یہ عادت ہے۔ کوئی حدیث یا اثر ان کے موافق ہو چاہے وہ ضعیف اور موضوع ہی کیوں نہ ہو وہ ان کے نزدیک دلیل ہے اور اگر مخالف ہو تو کوئی نہ کوئی نقص اس کے خلاف کونوں کھدروں سے بھی نکال لاتے ہیں ان کے لینے کے باٹ اور ہیں اور دینے کے اور ہیں۔

فصاعدا " حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔ یہ امام منفرد اور مقتدی سب کو شامل ہے۔ ایک سند میں آگے فصاعدا کا اضافہ بھی ہے (مسلم ص

۱۶۹، نسائی ص ۱۱۰) جس کا مطلب یہ ہے فاتحہ کے علاوہ کچھ مزید بھی پڑھنا چاہئے۔ حنفیہ مقتدی کیلئے تو قراءت قطعا جائز نہیں سمجھتے البتہ امام اور منفرد کے لئے وہ یہاں سے فاتحہ کے علاوہ ضم سورت کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں اور ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مقتدی پر سورہ فاتحہ کو لازمی قرار دیتے ہیں اور زائد پڑھنے سے روکتے ہیں جبکہ حدیث میں دونوں کا ذکر ہے (نماز پیمبر ص ۱۵۲)

بظاہر ان کی یہ بات دل کو بہت لگتی ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قال ابن حبان تفرد بها معمر عن الزهری واعلها البخاری فی جزء القراءة (تلخیص ج۱ ص ۸۷)

ابن حبان نے کہا فصاعدا کا لفظ زہری سے بیان کرنے میں معمر متفرد ہے اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ میں معلول قرار دیا ہے۔

چنانچہ جزء القراءۃ (ص ۲) بخاری میں ہے۔

عامة الثقات لم یتابع معمرا فی قوله فصاعدا وقوله فصاعدا غیر معروف

عام ثقہ راویوں نے فصاعدا کا لفظ بیان کرنے میں معمر کی متابعت نہیں کی یہ لفظ غیر معروف ہے۔

ابوداؤد میں یہ روایت عن سفیان عن الزہری بھی مروی ہے اس روایت کو دار قطنی نے منقطع اور ضعیف قرار دیا ہے (عون ص ۳۰۳)

ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا۔

اخرج فناد فی المدینة انه لا صلوة الا بقران ولو بفاتحة الکتاب فما زاد ولو بفاتحة الکتاب فما زاد (أبوداود ص ۳۰۱)

جا کر مدینہ میں اعلان کر دو کہ قراءت کے بغیر کوئی نماز نہیں چاہئے وہ سورہ فاتحہ اور کچھ زائد ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے وہ سورہ فاتحہ اور کچھ زائد ہی کیوں نہ ہو۔

اس میں جعفر بن میمون ضعیف ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کی تعیین واجب نہیں جو کہ حنفی مسلک کے بھی خلاف ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

امرنا ان نقرء بفاتحة الكتاب وما تيسر (أبوداود ص ٣٠٠)

ہمیں حکم دیا گیا کہ سورہ فاتحہ اور جو آسان ہو پڑھیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری حنفی فرماتے ہیں۔

ثم زعم الاحناف مراد الحديث وجوب الفاتحة ووجوب ضم السورة ولكنه يخالف اللغة فان ارباب اللغة متفقون على ان ما بعد الفاء يكون غير ضروری وصرح به سيبويه فی الكتاب فی باب الاضافة (العرف الشذی ص ١٥٠)

احناف نے حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ فاتحہ اور ضم سورت دونوں واجب ہیں لیکن یہ لغت کے خلاف ہے ارباب لغت اس بات پر متفق ہیں کہ فا کا مابعد ضروری نہیں ہوتا۔ اس چیز کی صراحت سیبویہ نے بھی اپنی کتاب باب الاضافہ میں کی ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں یہ تو نبی ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

لا تقطع اليد الا فی ربع دينار فصاعدا وقد تقطع اليد فی دينار وفی اكثر منه (جزء القراءة ص ٣)

چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار اور اس سے زیادہ میں۔ حالانکہ ہاتھ ایک دینار میں بھی کاٹا جاتا ہے اور اس سے زیادہ میں بھی۔

ثابت ہوا کہ فصاعدا ضروری نہیں ہوتا۔

صاحب نماز مسنون نے اپنے مسلک کی حمایت میں کئی صفحات بھرے ہیں۔

کاش وہ حضرت عبادہ بن صامت سے مروی وہ چھوٹی سی حدیث بھی ذکر فرما دیتے جس میں صرف فاتحہ کی فرضیت کا ثبوت ہے جو متفق علیہ اور جو بالکل بے داغ ہے۔ ایسے عظیم بزرگوں سے ایسی عظیم خیانت اچھی نہیں۔

خداج حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا۔

من صلی صلوۃ لم یقراء فیہ بام القران فھی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرا بھا فی نفسک

جس نے نماز میں فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز مردہ ہے، مردہ ہے، مردہ ہے، نامکمل ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے کہا گیا ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو فرمایا اپنے جی میں پڑھو۔

کیونکہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دی ہے جب بندہ الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی جب الرحمن الرحیم پڑھتا ہے تو کہتا ہے میرے بندے نے میری ثناء بیان کی جب ملک یوم الدین پڑھتا ہے تو کہتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی جب ایاک نعبد و ایاک نستعین پڑھتا ہے تو کہتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کیلئے ہے جو وہ مانگے پھر جب آخر سورت تک پڑھتا ہے تو کہتا ہے یہ سب میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے ہے جو وہ مانگے (مسلم ص ۱۶۹، ۱۷۰)

کتربیونت افسوس کہ اس روایت کے ساتھ بھی مصنف نماز مسنون نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ صرف اس کا پہلا حصہ ذکر کیا ہے یعنی غیر تمام تک جس سے انہوں نے صرف فاتحہ کا وجوب ثابت کیا ہے باقی حصہ ترک کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت فاتحہ ہی تو نماز ہے۔ جو مقتدی کو بھی پڑھنی چاہئے۔

حضرت صاحب نے یہ نامکمل روایت جس بات کو ثابت کرنے کے لئے بیان کی ہے وہ ان کے الفاظ میں اس طرح ہے نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے ماسوا مقتدی کے (ص ۳۰۳)

سبوتاژ البتہ بڑے میاں (یعنی مولنا سرفراز احمد صاحب گکھڑوی) نے اپنی مخصوص لیبارٹری کی میز پر رکھ کر اس حدیث کو سبوتاژ کرنے کیلئے اس کا نہایت مقلدانہ تجزیہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اصل حدیث یوں ہے۔

کل صلوۃ لا یقراء فیھا بام القران فھی خداج فھی خداج الا صلوۃ خلف الامام (کتاب القراءۃ بیھقی ص ۱۳۵) کوئی نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے مردہ ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

فرماتے ہیں الا خلف الامام کے یہ الفاظ علاء کی غلطی سے چھوٹ گئے ہیں۔ صحیح مسلم کی اس روایت کے بارے میں مزید فرماتے ہیں پس یہ روایت شاذ ہے۔ امت مسلمہ کا ایسی روایتوں کی صحت پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ آج تک جمہور نے ان کو قبول کیا (ملخص احسن الکلام ج ۲ ص ۲۴۸، ۲۴۹، ج ا ص ۲۴۰)

حالانکہ آنجناب ایک مقام پر ایک روایت کے بارے میں خود ہی ارقام فرماتے ہیں یہ روایت مسلم کی ہے اور بخاری مسلم کی جملہ روایات کے صحیح ہونے پر امت کا اتفاق و اجماع ہے (احسن الکلام ج ا ص ۲۰۰) ایک جگہ صحیحین کی روایتوں پر شک کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں تو پھر پرویز اور مودودی کا کیا قصور ہے (احسن الکلام ج ا ص ۲۰۳)

اصل بات یہ ہے کتاب القراءۃ بیہقی والی یہ روایت جس میں الا صلوۃ خلف الامام کے الفاظ ہیں صحیح نہیں۔ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق ایک راوی ہے جس کے متعلق امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسے یحییٰ بن معین نے ضعیف اور امام احمد نے منکر الحدیث فرمایا ہے (جزء القراءۃ ص ۱۳۵) بلکہ امام بیہقی نے دوسری روایات لا کر ثابت کیا ہے کہ اصل الفاظ یہ تھے راوی نے پوچھا وان کنت

خلف الامام یعنی اگرچہ میں امام کے پیچھے ہوں تو عبدالرحمٰن بن اسحاق نے یا بعض کے خیال کے مطابق خالد بن عبداللہ واسطی نے غلطی سے الا صلوٰۃ خلف الامام نقل کر دیا۔ یعنی یہ قلب متن ہوا ہے نیز لکھتے ہیں کہ قراءت خلف الامام کے بارے میں ابوہریرہ کا مسلک تو مشہور اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

بیہقی والی روایت کے مطابق لفظ خداج کے آگے الا صلوۃ خلف الامام کے اضافہ کے غیر صحیح ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ جب بقول احناف کے نبی ﷺ نے خود ہی فرما دیا تھا کہ مقتدی قراءت فاتحہ سے مستثنیٰ ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بتلا بھی دی تھی تو پھر پوچھنے والے کو یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔

انا نکون وراء الامام　　کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟

رئیس المقلدین کو اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ شتر بے مہار تحریریں نتیجہ ہے ایک غیر مقلد امام کی تقلید کرنے کا۔

اقرا بھا فی نفسک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھنے والے کو یہ جواب دیا کہ سورہ فاتحہ اپنے جی میں پڑھا کرو جس سے مراد آہستہ پڑھنا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں اس میں دونوں احتمال ہیں پہلا تو یہ ہے کہ زبان کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھے اور دوسرا یہ ہے کہ دل ہی دل میں پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث زبان کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھنے کے بارے میں صریح نہیں ہے (نماز پیمبر ص ۱۵۶)

قراءت نفسی سوال یہ ہے کہ جب خود حنفیہ کے بقول الا صلوۃ خلف الامام کی رو سے مقتدی قراءت فاتحہ سے مستثنیٰ ہے تو پھر وہ دل ہی دل میں پڑھنے کا مکلف بھی کیوں ہے؟ ایک ہی حدیث کے انہیں متضاد ایریشن نہیں کرنا چاہئیں بلکہ میں ان سے یہ پوچھنے کا بھی حق رکھتا ہوں کہ اگر زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنا استماع کے منافی ہے تو کیا دل ہی دل میں پڑھنا استماع کے منافی نہیں ہے؟

کیا اس سے توجہ نہیں ہٹ جاتی؟ بلکہ ان سے یہ بھی پوچھنا چاہئے کیا قرآن و حدیث میں کوئی ایک ایسی مثال ہے جہاں لفظ قراءۃ سے زبان ہلائے بغیر فقط دل کی قراءت مراد لی گئی ہو ایسی تاویل نہیں کرنی چاہئے جس کی تائید ہی نہ ہو سکے۔

بعض احناف اقرا بها فی نفسک کو تفکر فی النفس پر محمول کرتے ہیں۔ اس کے متعلق علامہ انور شاہ کشمیری حنفی فرماتے ہیں۔

والذی یذکره أهل التدریس من المعاصرین من حمله علی التفکر فی النفس والتدبر فی القراءة فلا یساعده لغة ولم یثبت القراءة فی النفس بهذا المعنی اصلا نعم ثبت القول فی النفس بهذا المعنی	موجودہ مدرسین اقراء بها کو غور و فکر کرنے پر محمول کرتے ہیں مگر لغت اس کی تائید نہیں کرتی قراء ت فی النفس اس معنی میں قطعا ثابت نہیں البتہ قول فی النفس اس معنی میں ثابت ہے۔

(معارف السنن ج۳ ص ۲۸۱، العرف الشذی ص ۱۵۷)

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔

اقرأ بها فی نفسك سرا غیر جهر (مرقاۃ ج۲ ص ۲۸۳)	یعنی اپنے جی میں پڑھو کا مطلب یہ ہے کہ آہستہ پڑھو اونچی آواز میں نہیں

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت فاتحہ خلف الامام کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ رکوع کی رکعت کے قائل ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

عن ابی بکرة انه انتهی الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو راکع فرکع قبل أن یصل الی الصف فذکر ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم فقال زادك الله حرصا ولا تعد (بخاری ص ۱۰۸)	حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے۔ صف تک پہنچنے سے پہلے ہی میں بھی رکوع میں چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ تیرا شوق زیادہ کرے آئندہ ایسے نہ کرنا۔

اس حدیث سے واقعی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تھی لیکن ساتھ ہی یقیناً یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے قیام بھی نہیں کیا تھا۔ اب کیا حنفیہ یہ فتوی دے دیں گے کہ مقتدی پر قیام بھی فرض نہیں ہے؟ یاد رکھئے اس حدیث میں ہرگز اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ بعد میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو شمار کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔ حنفیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا مطلب صرف یہ لیتے ہیں کہ صف میں پہنچنے سے پہلے مقتدی کو رکوع میں نہیں جانا چاہئے۔ گزارش ہے کہ حنفیہ کا یہ کہنا کہ مقتدی کو فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا عجیب قسم کا استدلال ہے۔ اگر فاتحہ نہ پڑھنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا تو چلتے پھرتے رکوع میں چلے جانے کے باوجود بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ یعنی اگر اس حدیث سے فاتحہ کی نفی ثابت ہو رہی ہے تو قیام کی نفی بھی ثابت ہو رہی ہے بلکہ چلتے پھرتے رکوع کا جواز بھی ثابت ہو رہا ہے۔

ممنوعہ باتوں سے استدلال اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرما دینا کہ آئندہ ایسے نہ کرنا ہر قسم کے غلط استدلال کے دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تو اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے شراب کے بارے میں فرمایا۔

لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فیما طعموا (الانعام ۹۳)

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا (الانعام: ۹۳) — نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے حرج اس چیز میں جو (پہلے) کھا چکے۔

سود کے بارے میں فرمایا

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ (بقرہ: ۲۷۵)

پس جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے نصیحت آگئی اور باز آگیا تو اس کے لئے ہے جو گزر چکا۔

یا قبلہ کی تبدیلی کے بارے میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (بقرہ ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان ضائع نہیں کرنے کا۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے سابقہ اعمال کو نظر انداز فرما دیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب شراب جائز ہو جائے گی یا سود حلال ہو جائے گا یا بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنا درست ہو جائیں گی ------ فا فہم -----

یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے چونکہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا اس لئے فاتحہ خلف الامام کی نفی ثابت ہوگئی ایک ایسا استدلال ہے کہ جس سے پھر اور بھی بہت کچھ جائز ہو جائے گا مثلاً معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز میں باتیں کیں۔ آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا (لیکن نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا) (مسلم ج ۱ ص ۲۰۳) اب کیا نماز میں باتیں جائز ہو جائیں گی؟

اسی طرح ایک صاحب نے غسل جنابت کیا ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی۔ اسی حالت میں نماز پڑھ لی۔ نبی ﷺ نے انہیں بھی سمجھایا (مگر نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا) (عن علی رضی اللہ عنہ ابن ماجہ ص ۴۸ مشکوۃ ص ۸۱) اب کیا اس طرح کا غسل اور نماز جائز ہو جائے گی۔

جابر بن عبداللہ والی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

من كان له امام فقراءة الامام له قراءة

جس کا امام ہو پس امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

مصنف نماز مسنون یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یعنی مقتدی کو

پڑھنے کی ضرورت نہیں امام کی قراءت سے فریضہ قراءت ادا ہو جاتا ہے (ص ۳۳۶) معلوم ہوا حنفیہ کے نزدیک مقتدی پر بھی قراءت فرض ہے مگر یہ فرض امام کے ادا کرنے سے مقتدی کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مقتدی نے امام کو حالت قیام اور حالت قراءت میں پایا ہی نہیں بلکہ حالت رکوع میں پایا ہے اس کی طرف سے یہ فریضہ کیسے ادا ہو جائے گا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی پر نہ صرف قراءت فرض نہیں بلکہ سرے سے قیام بھی فرض نہیں ہے۔ اس کی تائید ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ فاتحہ نہیں پڑھی تھی بلکہ انفرادی طور پر بھی قیام نہیں کیا تھا حنفیہ کو ایک منع کردہ واقعہ سے استدلال کرنے پر خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔

ایک امام الحدیث صاحب شیخ القران و امام الحدیث علامہ حافظ قاری حبیب الرحمٰن کاندھلوی صدیقی حنفی نے رکوع کی رکعت ثابت کرنے کے لئے حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من ادرك الركوع مع الامام فقد ادرك الركعة (سنن الكبرى بيهقى ج۲ ص ۹۰)

جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔

حالانکہ سرے سے یہ حدیث ہی کوئی نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض وفات میں نماز پڑھانا مصنف نماز مدلل لکھتے ہیں۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت کے مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے نماز کے دوران آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور امام بنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبر بنے آگے حدیث کے الفاظ ہیں۔

وأخذ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من القراءة من حيث كان بلغ ابوبكر (ابن ماجه ص ۸۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نے وہاں سے قراءت کا آغاز فرمایا جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچے تھے۔

مسند احمد (ج ا ص ۲۷۴ بتویب المسند) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فقرأ من المكان الذی بلغ ابوبكر من السورة — نبی ﷺ نے سورت کے اس مقام سے پڑھنا شروع کیا جہاں ابوبکر پہنچے تھے۔

مسند احمد و ابن ماجہ کی سندیں قوی ہیں (فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۹ باب الوصایا)

اس قوی حدیث کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ رکعت قراءۃ فاتحہ کے بغیر ادا ہوئی۔ (ص ۸۹)"

گو حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۴) تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس کی سند میں ابواسحاق السبعی مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے اور آخر عمر میں اس کا حافظہ بھی متغیر ہو گیا تھا۔ یہ روایت حضرت عائشہؓ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصدیق کے ساتھ بخاری شریف میں بالتفصیل موجود ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں کہ نبی ﷺ نے قراءت وہاں سے شروع کی جہاں تک ابوبکر پہنچے تھے۔ بلکہ اس میں صاف ذکر ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی (بخاری ص ۹۵) اب ظہر کی سری نماز کے بارے میں یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے ابوبکر کی قراءت کے آگے سے قراءت شروع کی بہت مشکل ہے۔ اگر ان الفاظ کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے خیال کے مطابق احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کے قریب ہونے سے کوئی آیت سن لی ہوگی (جہاں سے آگے آپ نے قراءت شروع فرما دی) جیسا کہ آپ خود بھی سری نماز میں کوئی آیت بالجہر تلاوت فرما دیا کرتے تھے (فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۵) یہ چونکہ سری نماز تھی اس لئے عین ممکن ہے نبی ﷺ نے پہلے اپنی فاتحہ مکمل کر کے قراءت کا آغاز وہاں سے کر دیا ہو جہاں سے ابوبکر نے چھوڑا تھا بلکہ ہو سکتا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابھی سورہ فاتحہ کی ایک آدھ آیت ہی پڑھی ہو جسے پڑھنے میں نبی

ﷺ کو دیر نہ لگی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمجھ لیا کہ شاید آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قراءت کے آگے سے آغاز فرمایا ہے۔ تطبیق کی ایک یہ صورت بھی ہو سکتی تھی کہ بخاری شریف کی روایت ظہر کے بارے میں ہو اور ابن ماجہ کی روایت کسی جہری نماز کے بارے میں ہو۔ یعنی یہ دو نمازیں الگ الگ تصور کی جائیں تب حنفیہ کے استدلال میں وزن پیدا ہو سکتا تھا لیکن بات یہ ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرض وفات میں آپ نے ایک ہی بار جماعت کرائی ہے اور وہ ظہر کی نماز ہے۔ اسی خیال کا اظہار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جس کی تائید علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں فرمائی ہے۔ احسن الکلام کے حاشیہ میں لکھا ہے یہ ایک ہی نماز تھی جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی (ص ۲۴۷) لہذا یہ یقین کر لینا کہ نبی ﷺ نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تھی غلط بات ہے۔

ابن ماجہ والی روایت میں ایک یہ بات بھی کھٹکتی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔

فجلس عن یمینه (ص ۸۷) نبی ﷺ حضرت ابوبکر کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔

حالانکہ نبی ﷺ نے اس نماز میں امامت فرمائی ہے۔ اور امام مقتدی کی دائیں طرف نہیں بلکہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ ایک اور مزیدار بات یہ کہ حنفیہ مانتے ہیں کہ نبی ﷺ اس نماز میں امام تھے پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں آپ نے فاتحہ نہیں پڑھی تھی۔ ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک مقتدی تو کیا امام پر بھی فاتحہ واجب نہیں۔ چلو بالکل خلاصی ہو گئی۔

***

آمین بالجہر

حضرت وائل بن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے

سمعت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قرأ غَـیْرِ الْمَغْضُـوْبِ عَلَیْہِـمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَ وقال امین ومدبھا (ترمذی ص ۲۰۸)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سنا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا اور اپنی آواز کو لمبا کیا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ یہ روایت ابوداوٗد میں بھی ہے جس میں رفع بھا صوتہ کے الفاظ ہیں (ص ۳۵۱) یعنی آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (تلخیص ج ۱ ص ۲۳۶) اس مضمون کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم اور دار قطنی میں بھی موجود ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے دار قطنی نے حسن حاکم نے صحیح علی شرط الشیخین اور بیہقی نے حسن صحیح فرمایا ہے۔ (تلخیص ج ۱ ص ۲۳۶) نیز حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے نصب الرایہ میں اسے ذکر کر کے اس پر سکوت کیا ہے اور حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ حاکم نے اسے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے (تحفہ ص ۲۰۸) نعیم مجمر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو ولا الضالین کے بعد انہوں نے بھی اور لوگوں نے بھی آمین کہی اور فرمایا خدا کی قسم میں بلحاظ نماز تم سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہ ہوں (نسائی ص ۱۰۸) اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۷ میں اور دار قطنی نے صحیح قرار دیا ہے (بحوالہ تعلیقات نسائی ص ۱۰۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا الضالین کے بعد آمین کہتے۔

حتی یسمع من یلیہ من الصف الأول (أبوداود ص ۳۵۲)

یہاں تک پہلی صف والے سن لیتے۔

یہ روایت ابن ماجہ (ص ۶۲) میں بھی ہے جس میں آگے یہ الفاظ ہیں۔
فیرتج بها المسجد　پھر آمین کے ساتھ مسجد گونج اٹھتی۔

اس حدیث کو بیان کر کے دار قطنی (ج ۱ ص ۳۳۵) نے حسن حاکم نے حسن صحیح علی شرط الشیخین اور بیہقی نے حسن صحیح فرمایا ہے۔ (بحوالہ عون المعبود ص ۳۵۲) جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے اس روایت سے نماز مدلل کے حنفی مصنف نے بھی استدلال کیا ہے (ص ۹۸) علامہ شوکانی رحمہ اللہ ' ابوداؤد اور ابن ماجہ کی اس حدیث کو صحیح قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں۔

وهو يدل على مشروعية التامين للامام ومشروعية الجهرية (نيل الاوطار ج۲ ص ۲۳۱)　یہ حدیث امام کے بالجہر آمین کہنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔

اس حدیث کو امام کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس حدیث کے مطابق نبی ﷺ کی آمین کو تو صرف پہلی صف والے ہی سنتے تھے۔ باقی مسجد کا گونج اٹھنا تو ظاہر ہے کہ یہ مقتدیوں کی آمین کے سبب سے ہی ہوتا تھا۔

علامہ البانی اس روایت سے مطمئن نہیں ہیں انہوں نے اس کی سند میں بشر بن رافع کو ضعیف اور ابوعبداللہ بن عم ابی ہریرہ کو غیر معروف ثابت کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

إذا قال مروان ولا الضالين قال ابوهريرة امين يمدبها صوته (بيهقى ج۲ ص ۵۹)　جب مروان ولا الضالین کہتا تو ابوہریرہ آمین کہتے اور آواز کو لمبا کرتے۔

پھر نہ جانے محترم البانی صاحب نے یہ کمزور مسلک کیوں اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں

والاقرب الی الصواب فی هذه المسئلة ما ذهب إليه الشافعی ان يجهر الامام دون المؤتمين

شافعی مسلک اقرب الی الصحت معلوم ہوتا ہے کہ امام بالجہر آمین کہے مقتدی نہیں۔

نیز فرماتے ہیں آمین بالجہر کے خلاف کسی صحابی سے کوئی روایت یا کوئی اثر ثابت نہیں۔

(الاحادیث الموضوعہ نمبر ۹۵۲)

بخاری شریف میں ہے۔

امن ابن الزبير ومن معه حتى أن للمسجد للجة (ص ۱۰۷)

حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے مقتدیوں کی آمین سے مسجد گونج اٹھی۔

امام ابو حنیفہ کے استاد عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔

كنت اسمع الائمة ابن الزبير ومن بعده يقولون امين ومن خلفهم امين حتى أن للمسجد للجة (بیھقی ج۲ ص ۵۹)

حضرت ابن زبیر اور بعد کے اماموں سے میں نے سنا وہ آمین کہتے تھے اور ان کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔

انه كان يرفع بها صوته اماما كان اوما موما (ایضا)

وہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے چاہے امام ہوں یا مقتدی

نیز عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے اس مسجد میں امام کے ولا الضالین کہنے کے بعد دو سو صحابہ کرام کو باواز بلند آمین کہتے پایا ہے (ایضا) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت سے صحابہ تابعین اور بعد کے لوگوں کا یہی مسلک ہے

کہ آمین باواز بلند کہنی چاہئے۔ آہستہ نہیں کہنی چاہئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق کا یہی مذہب ہے (ص ۲۰۹)

مولنا سراج احمد حنفی فرماتے ہیں۔

أحاديث الجهر بالتامين اكثر واصح (شرح ترمذی ج۱ ص ۲۷۳)

بالجہر آمین کہنے کی احادیث زیادہ صحیح اور بکثرت ہیں۔

مولنا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں۔

والانصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل (التعليق الممجد ص ۱۰۵)

انصاف کی بات یہ ہے کہ ازروئے دلیل آمین کو بالجہر کہنا قوی ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں سورہ فاتحہ کے اختتام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے تھے جہری نماز میں جہری اور سری نماز میں آہستہ آواز سے اور آپ کی موافقت میں مقتدی بھی آمین کہتے تھے۔ جہری نماز میں آمین بلند آواز سے کہنے کے متعلق کئی ایک احادیث ہیں (مدارج النبوۃ ج ا ص ۴۰۱)

علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر فیصلہ میرے سپرد ہوتا تو میں یوں موافقت پیدا کرتا کہ آہستہ کہنے کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ چلا کر نہ کہے اور جہر کی حدیث سے یہ مراد ہے کہ درمیانی آواز سے کہے (فتح القدیر ج ا ص ۱۱۷)

حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ولا الضالین کے بعد آمین کہی جسے میں نے عورتوں کی پچھلی صف میں کھڑے سن لیا (نصب الرایہ ج ا ص ۱۹۶)

حنفیہ کا سرکاری مذہب آہستہ آمین کہنے کا ہے اور دلیل کوئی بھی نہیں سوائے وائل بن حجر ہی کی ایک روایت کے جس میں خفض بھا صوته (یعنی اپنی آواز کو آہستہ کیا) کے الفاظ ہیں اور جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ کی خطاؤں کا مجموعہ قرار دیا ہے (ترمذی ص ۲۰۹) ایک روایت میں اخفی کا لفظ ہے۔

خفض کا معنی اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی خفض کے معنی لازمی طور پر پوشیدہ کے نہیں ہیں بلکہ المنجد میں اسے رفع کی ضد لکھا ہے یعنی بلند آواز سے نہیں بلکہ آہستہ آواز میں۔ پھر مثال دی ہے۔

خفض الصوت غضه واخفاه — آواز کو آہستہ کیا۔

خفض کے معنی غض کے کئے جائیں تو اس کا استعمال قرآن مجید میں موجود ہے۔ فرمایا

إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ (حجرات : ٣) — جو اپنی آوازیں پیغمبر خدا کے پاس پست رکھتے ہیں۔

اس مقام پر لفظ یغضون پہلی آیت میں مذکور رفع اور جہر کے بالمقابل استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہے کہ یہاں یغضون سے مراد آواز پیدا کئے بغیر بات کرنا نہیں کہ جسے حضور ﷺ سن ہی نہ سکیں بلکہ مودبانہ اور مدھم آواز میں بات کرنا مراد ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نمازوں کو ملاحظہ فرمایا ابوبکر پست آواز میں (یخفض من صوته) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ باواز بلند (رافعا صوته) قراء ت فرما رہے تھے ------- تب نبی ﷺ نے دونوں کو تلقین فرمائی۔

يا ابابكر ارفع من صوتك شيأ وقال لعمر اخفض من صوتك شيأ (أبوداود ص ٥١٠، ترمذی ص ٣٣٤، مشكوة ص ٢٢٢) — اے ابوبکر اپنی آواز ذرا بلند رکھو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اپنی آواز ذرا پست رکھو۔

اس حدیث سے خفض کا مفہوم بالکل ہی واضح ہوگیا یعنی کہ زیادہ اونچی آواز میں نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آمین کے سلسلے میں اسی تطبیق کو علامہ

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے پسند فرمایا ہے۔

خود مصنف نماز مسنون نے بھی اپنے مطلب کی حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور پست آواز میں کہی (ص ۳۴۱) اس کا مقصد یہی تو ہے کہ بہت اونچی نہیں کہی تھی۔

ہاں اگر خفض یا اخفی کی بجائے اسر کا لفظ استعمال ہوتا جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے تب تطبیق کی واقعی گنجائش نہیں تھی مگر یہ لفظ کہیں نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خفض یا اخفاء نہیں بلکہ اسرار ہی ایک ایسا لفظ ہے جو جہر کی صحیح ضد ہے۔ جیسے قرآن پاک میں فرمایا۔

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ (رعد: ۱۰) برابر ہے تم میں سے وہ جو بات پوشیدہ کرے یا اونچی کرے۔

یا جیسے فرمایا۔

اسروا قولکم اوا جہروا بہ (ملک ۱۳) اپنی بات پوشیدہ کرو یا پکار کر کرو۔

بعض احناف نے بلا سوچے سمجھے اپنی کتابوں میں آمین بالسر کی اصطلاح قائم کر رکھی ہے (مثلا حنفی نماز مدلل ص ۱۵۶) حالانکہ سر کا لفظ قطعا کسی حدیث میں نہیں آیا۔

میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں احناف کے خیال کے مطابق وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اگر تسلیم کر لی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور پست آواز میں کہی۔ تو بات یہ ہے کہ حضرت وائل کو کیسے پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور پست آواز میں کہی۔ آخر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی تبھی انہیں علم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور پست آواز میں کہی۔

سکتتین بعض حنفیہ اپنی کتابوں میں ایک اور حدیث سے بھی خواہ مخواہ استدلال کرتے ہیں۔

عن قتادہ عن حسن حدث سمرة بن جندب انه حفظ عن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سكتتين سكتة إذا كبر وسكتة إذا فرغ من قراءة غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْن	سمرہ بن جندب نے حدیث بیان کی کہ انہیں نبی ﷺ سے دو سکتے یاد ہیں ایک سکتہ جب آپ ﷺ تکبیر کہتے اور ایک سکتہ جب آپ ﷺ ولا الضالین کہتے۔

(أبوداود ص ۲۸۳، نماز مدلل ص۹۶، حنفی نماز مدلل ص ۱۵۷)

ان کے خیال میں دوسرا سکتہ آمین کیلئے تھا (مرقات شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۲۸۰۔ بحوالہ نماز مدلل ص ۹۷) اول تو اس دوسرے سکتہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کب ہوتا تھا ایک روایت کے مطابق سمرہ بن جندب نے کہا۔

سكتة إذا فرغ من فاتحة الكتاب وسورة عند الركوع (أبوداود ص ۲۸۲)	ایک سکتہ اس وقت جب آپ ﷺ فاتحہ اور سورت سے فارغ ہوتے رکوع کے وقت

ایک روایت کے مطابق کہا

سكتة إذا فرغ من القراءة (أبوداود ص ۲۸۳)	جب آپ پوری قراءت سے فارغ ہوتے

لہذا یہ کہنا کہ دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد ہی ہوتا تھا فقط ایک احتمال ہے۔

ایک روایت عن قتادہ عن حسن عن سمرہ مروی ہے جس کے مطابق قتادہ نے پہلے دو سکتوں کا ذکر کر کے دوسرے سکتہ کا محل یہ بیان کیا۔

اذا فرغ من القراءة	جب آپ ﷺ قراءت سے فارغ ہوئے

پھر بعد میں کہا

وإذا قال غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ اور جب ولا الضالین کہا (ترمـــذی ص ۲۱۳، أبوداود ص ۲۸۳)

اس سے امام شوکانی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ سکتے تین ہیں (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۴۷۔ تحفہ ص ۲۱۳)

امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ نے تین سکتوں ہی کو مستحب جانا ہے مگر یہ استدلال اتنا مضبوط نہیں لگتا کیونکہ معلوم ہوتا ہے قتادہ کو شک ہے کہ دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد ہے یا مکمل قراءت کے بعد۔ دیگر تمام راویوں نے قراءت سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے سکتہ کا ذکر کیا ہے صرف قتادہ ایک ایسا راوی ہے جس نے ایک روایت کے مطابق ولا الضالین کے بعد کہا اور ایک روایت کے مطابق قراءت سے فارغ ہو کر اور پھر ٹھہر کر ولا الضالین کے بعد بھی کہہ دیا۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ سکتے تین ہیں۔ قتادہ سمیت سب نے صراحت کے ساتھ لفظ دو سکتوں کا ہی بولا ہے۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد ہے تو اسے سری آمین کیلئے سمجھنا بڑی خوش فہمی ہے۔ اسی قتادہ نے آخر میں کہا۔

وکان يعجبه إذا فرغ من القراءة ان يسكت حتى يتراد اليه نفسه قراءت سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کو سکتہ اس لئے پسند تھا کہ دم لے لیں (ترمذی ص ۲۱۳، ابن ماجه ص ٦١)

امام خطابی کہتے ہیں یہ دوسرا سکتہ فاتحہ خلف الامام کیلئے ہوتا تھا (عون المعبود ص ۲۸۳)

لطف یہ کہ کسی بھی محدث نے سکتہ والی اس حدیث کو آمین کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ احناف خواہ مخواہ اس سے آمین بالسر پر اجتہاد کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ جبکہ آنخضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ آمین بالجہر کہتے تھے۔ یاد رہے علامہ البانی کے نزدیک سکتین والی روایت صحیح نہیں وہ کہتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے دار قطنی نے بوجہ انقطاع اسے معلل قرار دیا ہے (ص ۳۱۸) کیونکہ

حسن بصری نے حضرت سمرہ سے صرف ایک عقیقہ والی حدیث سنی ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے سکتہ کو بدعت کہا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۶، ۱۴۷) البانی فرماتے ہیں حسن بصری مدلس بھی ہیں۔ نیز فرماتے ہیں اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ ج ۲ ص ۲۵)

حنفیہ کے پاس سرا امین کہنے کے ثبوت میں "دلائل" تو بس یہی تھے جن کا احوال آپ پڑھ چکے اس کے بعد وہ مندرجہ ذیل آثار سے استدلال کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ویخفونها لما روینا من حدیث ابن مسعود (ص ۷۲)	آمین آہستہ کہیں جیسا کہ ہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے آہستہ آمین کہنے کے ثبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث مروی ہوگی جسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہوگا اور جس کا حوالہ ہدایہ میں پہلے گزرا ہوگا۔

مگر قبل ازیں ہدایہ میں یہ بیان ہوا ہے۔

لقول ابن مسعود اربع یخفیهن الامام وذکر من جملتها التعوذ والتسمیة وامین (ص ۷۱)	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ چار چیزوں کو امام خفیہ پڑھے جن میں سے تین یہ ہیں۔ اعوذ، بسم اللہ اور آمین۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ ابن مسعود کا قول تھا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کا قول بھی نہیں بلکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ایک روایت کے مطابق ابراہیم نخعی نے پانچ چیزوں کا ذکر کیا جن میں دو یہ

ہیں۔

سبحانك اللهم اور اللهم ربنا لك الحمد (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷) ایک روایت میں چار کا ذکر ہے چوتھی ربنا لك الحمد ہے (ایضا و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۱۱)

محشی ہدایہ نے بھی ابن مسعود کی طرف اس قول کی نسبت کو غریب کہا ہے۔ مصنف نماز مسنون نے بھی ہدایہ والے اس قول کو ابراہیم نخعی کی طرف منسوب کیا ہے (ص ۳۴۳) اسی طرح مصنف نماز مدلل نے بھی ابراہیم نخعی کی طرف نسبت کی ہے (ص ۹۸) ثابت ہوا سب علمائے احناف کا اجماع ہے کہ صاحب ہدایہ نے اس قول کو ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کر کے غلطی کی ہے۔

محشی ہدایہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ عمل ذکر کیا ہے۔

إنه كان يخفى بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذه وربنا لك الحمد	کہ وہ بسم اللہ، اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد کو آہستہ کہتے۔

(بحواله مصنف ابن ابی شیبه)

یعنی اس میں سرے سے آمین کا ذکر ہی نہیں البتہ بعض احناف نے محلی ابن حزم ج ۲ ص ۲۸۰ کے حوالے سے عبداللہ بن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام تسمیہ استعاذہ اور آمین پوشیدہ کہے (نماز مدلل ص ۹۸، نماز پیمبر ص ۱۶۲) لیکن یہ روایت معلق ہے اور اس میں ابوحمزہ کوفی متروک ہے (حاشیہ محلی)

ایک استدلال یہ بھی ہے

عن ابی وائل قال كان عمر وعلى لا يجهران بسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتامين (طحاوی	ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تسمیہ، تعوذ اور آمین بالجہر نہیں کہتے تھے۔

ج ۱ ص ۱۴۰، نماز مسنون ص ۳۴۲، نماز بیمبر ص ۱۶۱)

یہ انتہائی ضعیف ہے اس کی سند میں سعید بن مرزبان بقال راوی کے

متعلق ابن معین نے کہا لا یکتب حدیثه اور امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے (میزان بحوالہ تحفہ ص ۲۰۹)

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

اما اثر النخعی ونحوه فلا یوازی الروایات المرفوعة (السعایة بحوالہ تحفہ ص ۲۰۹) نخعی وغیرہ کا اثر مرفوع روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آمین دعا ہے آمین بالجہر والی احادیث کو رد کرنے کے لئے حنفیہ کے پاس اصل حربہ تاویلات ہیں۔ کہتے ہیں آمین چونکہ دعا ہے اور دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الأعراف : ۵۵) اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور پوشیدہ

لہٰذا آمین بھی خفیہ کہنی چاہیئے۔ حالانکہ آمین مستقل دعا نہیں۔ کیونکہ خالی آمین آمین کہنے کا کوئی مطلب نہیں۔ یہ تو دعا کے تابع ہے۔ اگر اصل دعا بالجہر ہو تو آمین بھی بالجہر ہونی چاہیئے۔ سورہ فاتحہ کا آخری نصف یقیناً دعا ہے جسے امام بالجہر پڑھتا ہے تو آمین کو بالجہر کہنے پر کیا اعتراض ہے۔

آمین ذکر ہے کبھی کہتے ہیں آمین ذکر ہے اور ذکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الأعراف : ۲۰۵) اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے اور باواز بلند نہیں۔

اس کا بھی وہی جواب ہے جو دعا کے متعلق بیان ہوا یعنی یہ مستقل ذکر

نہیں بلکہ ذکر کے تابع ہے۔ جو حیثیت ذکر کی ہوگی وہی حیثیت آمین کی ہوگی ان آیات کا بے موقع استعمال سنت صحیحہ کی مخالفت کیلئے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خود یہی احناف جگہ جگہ دعا اور ذکر بالجہر کی محفلیں برپا کر کے ان آیات مقدسہ کی مسلسل بے حرمتی کرتے نظر آتے ہیں۔ انہیں یہ آیات ان محفلوں میں بھی پڑھنی چاہئیں اور کاش یہ وا ذکر ربک فی نفسک والی آیت انہیں اس وقت بھی یاد آئے جب یہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر گولہ باری کر رہے ہوتے ہیں۔

نداء خفیا حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔

إِذْ نَادٰى رَبَّه نِدَاءً خَفِيًّا (مریم:۳) جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو آہستہ آواز میں

یہ بھی حنفیہ کا استدلال ہے (نماز مسنون ص ۳۴۲) عجیب بات ہے آمین بالجہر جو سنت ہے وہ ان کے نزدیک اس کی زد میں آجاتی ہے مگر ان کی مجالس ذکر جو بدعت ہیں وہ اس کی زد میں نہیں آتیں۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى

میرے بھائی ہم یہ تو کہتے ہی نہیں کہ ہر ذکر بالجہر ہونا چاہئے یہ بتلانا تو شریعت کا کام ہے کہ کون سی دعا یا کون سا ذکر بالجہر چاہئے اور کون سا بالاخفاء یہ فیصلہ کرنا ہمارا اور آپ کا کام نہیں ہے نیز کیا کوئی یقین سے کہہ سکتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی وہ انہوں نے بالکل منہ میں مانگی تھی اور ہلکی سی آواز بھی نہیں نکالی تھی اور کیا ادعوا ربکم تضرعا و خفیہ کا واقعی یہی مطلب ہے کہ دعا کیلئے آہستہ سی آواز بھی پیدا نہیں ہونی چاہئے۔

آمین بالجہر تعلیم کیلئے حنفیہ ایک تاویل یہ کرتے ہیں ممکن ہے نبی ﷺ کبھی تعلیم کے لئے بالجہر آمین کہہ دیتے ہوں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالجہر سبحانک اللھم پڑھتے تھے (عن عبدہ مسلم ص ۱۷۲) بلکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ ہیں۔

فقال امین یمدبھا صوتہ ما اراہ الا لیعلمنا (کتاب الأسماء والکنی للدولابی ج۱ ص ۱۹۷)	آپ ﷺ نے آمین کے ساتھ آواز کو لمبا کیا۔ میرا خیال ہے آپ ﷺ نے ایسا ہماری تعلیم کیلئے کیا۔

جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہو چکا ہے عبدہ بن ابی لبابہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس سند کا منقطع ہونا مصنف نماز مدلل کو بھی تسلیم ہے (ص ۱۷۶) اور وائل بن حجر کی اس روایت میں ما اراہ الا لیعلمنا کی زیادتی میں یحییٰ بن سلمہ بن کھیل کوفی متفرد ہے اور یہ متروک اور شیعہ ہے (تقریب) خود مصنف نماز مسنون اس کے متعلق لکھتے ہیں یہ مجروح ہے اگرچہ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے لیکن دیگر ائمہ نے اس پر جرح کی ہے اور ہم اس کی روایت سے استدلال نہیں کر رہے (ص ۳۴۶)

نبی ﷺ کے آمین بالجہر کو ہم تعلیم کیلئے تب محمول کرتے اگر آپ ﷺ کے زمانہ میں اور پھر صحابہ کرام کے زمانہ میں آمین سے مسجدیں گونج نہ اٹھی ہوتیں۔ جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ثناء کو بالجہر پڑھنے کا تعلق ہے تو وہ یقیناً تعلیم پر محمول ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان اللھم باعد بینی پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار فرماتے تھے (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۱۰۳، مسلم ص ۲۱۹) کیا اس طرح کی کوئی صحیح حدیث آمین کے بارے میں بھی ہے کہ آپ ﷺ سرا آمین کہتے تھے؟

قبل ازیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان ہو چکی ہے کہ نبی ﷺ کی آمین کو پہلی صف والے سن لیتے تھے (ابن ماجہ ص ۶۲) مصنف نماز مدلل کے نزدیک یہ جہر بھی تعلیم کے لئے تھا (ص ۹۸) حالانکہ ابن ماجہ میں آگے یہ الفاظ ہیں کہ پھر آمین سے مسجد گونج اٹھتی۔ جسے ان حضرت صاحب نے خلاف مطلب سمجھتے ہوئے نظر انداز فرما دیا۔ ویسے شکر ہے انہوں نے اس روایت کو تسلیم تو کیا ورنہ مصنف نماز پیمبر نے تو اس پر بڑی تنقید کی ہے (ص ۶۴)

ایک اشکال حنفیہ آمین بالجہر کے بارے میں یہ اشکال پیش کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا۔

إذا امن الامام فامنوا (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۱۰۸) جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو

اس سے معلوم ہوتا ہے جب امام آمین کہے تب مقتدیوں کو آمین کہنی چاہئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا۔

واذ قال الامام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْن فقولوا امین (عن ابی ہریرۃ أحمد نسائی ص ۱۱۳) جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو

اس سے معلوم ہوتا ہے امام کے ولا الضالین کہنے کے بعد مقتدیوں کو آمین کہہ دینی چاہئے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت پہلے گزری ہے جس میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ ولا الضالین کے بعد خاموشی اختیار فرماتے تھے اگر یہ خاموشی سرا آمین کیلئے نہیں تھی تو ظاہر ہے کہ پھر آپ ٹھہر کر آمین بالجہر کہتے ہوں گے۔ اب اگر حدیث کی رو سے ولا الضالین کے بعد معا مقتدی آمین کہہ دیں تو ان کی آمین امام کی آمین سے پہلے ہو جائے گی جو جائز نہیں کیونکہ حکم یہ ہے کہ جب امام آمین کہے تب تم آمین کہو۔

یہ استحالہ بلاوجہ ہی پیدا کر لیا گیا ہے۔ اول تو اس بارے میں روایتیں ہی مختلف ہیں کہ یہ سکتہ ولا الضالین کے بعد ہوتا تھا یا مکمل قراءت کے بعد۔ ولا الضالین کے بعد بھی ہوتا ہو تو اصل میں نبی ﷺ آمین کہنے کے بعد ہی سکتہ اختیار فرماتے ہوں گے۔ راوی نے اس ایک روایت کے مطابق بے شک ولا الضالین کے بعد ہی سکتہ کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ اصل قراءت تو یہی ہے۔ آمین کی حیثیت تو ایک تابع کی ہے جو رسول خدا ﷺ کے حکم سے فاتحہ کے بعد معا کہنی ہی کہنی ہے۔ اس لئے راوی نے یہاں اس کے ذکر کی ضرورت

محسوس نہیں کی عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی۔

نیز یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ امام کی آمین تو ویسے ہی مقتدیوں کی آمین کے شور میں دب جاتی ہے۔ اسے صرف پہلی صف والے ہی سن سکتے ہیں۔ اس لئے حضرت سمرہ نے جیسا سنا تھا بیان کر دیا۔ یاد رہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا علامہ البانی نے سکتے والی روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ایک اور اشکال ایک یہ اعتراض بھی کرتے ہیں بعد میں شامل ہونے والے مقتدی کی اپنی سورہ فاتحہ اگر ابھی ختم نہ ہوئی ہو اور امام آمین کہہ دے تو مقتدی کو دوران فاتحہ میں آمین کہنی پڑے گی جو عجیب بات ہے۔ اہل سنت کیلئے یہ بات عجیب نہیں ہونی چاہئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر آمین کہنے کا حکم دیا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔ اپنی بقایا فاتحہ مع آمین کے بعد میں پوری کی جا سکتی ہے۔

اولویت کا فرق یاد رہے حنفیہ کے نزدیک آمین بالجہر ناجائز نہیں۔ صرف اولویت کا فرق ہے۔ صاحب نماز مسنون فرماتے ہیں آمین کو آہستہ آواز میں کہنا اولی اور افضل ہے اگر کبھی بغرض تعلیم جہر سے کہا تو بھی جائز ہے (ص ۳۴۴) اس سے قبل اپنی تائید میں علامہ ماردینی حنفی کا قول نقل کرتے ہیں (ترجمہ) صحیح بات یہ ہے کہ آہستہ اور بلند آواز سے آمین کہنے کی دونوں روایتیں صحیح ہیں اور علماء کی جماعت نے دونوں کو قبول کیا ہے۔ اگرچہ میں پست آواز والی روایت کو اختیار کرتا ہوں (الجوہر النقی علی البیہقی ج ۲ ص ۵۸، عمدۃ القاری ج ص ۵۱)

حسد اس کے برعکس بعض احناف آمین بالجہر سے بہت چڑتے اور آزردہ خاطر ہوتے ہیں۔ بسا اوقات آج بھی صاف کہہ دیتے ہیں اگر اونچی آمین کہنی ہے تو یہاں تشریف نہ لایا کریں۔ چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسے متشدد لوگوں کی مساجد میں اہل حدیث حضرات یا تو بلند آواز سے آمین کہتے ہی نہیں ہیں یا جھکتے جھکتے نہایت مدھم آواز میں کہتے ہیں تا کہ اس سنت صحیحہ و ثابتہ پر عمل کرنے سے

احناف کے خشوع میں خلل واقع نہ ہو جائے۔

اگر میرے حنفی بھائی برا نہ مانیں تو ایک حدیث بیان کر دوں نبی ﷺ نے فرمایا۔

ما حسدتکم الیھود علی شیئ ما حسدتکم علی امین فاکثروا من قول امین (عن ابی عباس، ابن ماجه ص ٦١)

یہودیوں کو سب سے زیادہ تمہاری آمین پر حسد ہے پس آمین خوب کہا کرو۔

اس مضمون کے آخر میں اہلحدیث حضرات سے بھی گزارش ہے کہ وہ آمین کہنے میں امام سے سبقت نہ کیا کریں۔ ابھی امام نے لفظ ولا الضالین مکمل نہیں کیا ہوتا کہ آمین کا شور مچ جاتا ہے۔ یہ خلاف سنت ہے۔ ابھی حدیث بیان ہوئی ہے کہ جب امام آمین کہے تب تم آمین کہو۔

بعض امام صاحبان ولا الضالین کے بعد بڑی عجلت کے ساتھ آمین کہہ دیتے ہیں صرف اس خیال سے کہ کہیں مقتدی ان سے پہلے امین کہہ کر گناہ گار نہ ہو جائیں۔ یہ بالکل غلط طریقہ ہے اور سراسر مذاق ہے۔ ولا الضالین پر آیت ختم ہوتی ہے اور اس پر وقفہ ہونا چاہئے جیسے پہلی آیات پر کیا جاتا ہے۔ اگر مقتدیوں کے گنہگار ہونے کا اتنا ہی خیال ہے تو پھر انہیں جلسہ استراحت بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ کئی مقتدی امام سے پہلے ہی ایک دم سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مقتدیوں کو غلطی سے بچانے کیلئے امام کو اپنی نماز خراب نہیں کرلینی چاہئے۔ مقتدیوں کو اپنی نماز کا خود خیال ہونا چاہئے۔

نیز گزارش ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مقتدی کی آمین سے مسجد گونج اٹھے۔ احادیث میں مجموعی طور پر مسجد کے گونجنے کا ذکر ہے۔

❋❋❋

رفع یدین

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

إن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلوة وإذا كبر للركوع وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضا وقال سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد وكان لا يفعل ذلك في السجود (بخاری ص ۱۰۲)

نبی ﷺ نماز شروع کرتے وقت رکوع کیلئے تکبیر کہتے وقت اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے وقت رفع یدین فرماتے اور سمع اللہ لم حمدہ' ربنا لک الحمد کہتے اور آپ ﷺ سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے۔

یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری شریف میں تین بار مروی ہے۔ ایک چوتھی حدیث اس طرح ہے کہ حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان موقعوں کے علاوہ ایک اور موقع پر بھی رفع یدین کرتے دیکھا جو یہ ہے۔

وإذا قام من الركعتين رفع يديه ورفع ذلك ابن عمر الى النبى صلى الله عليه وسلم (بخاری ص ۱۰۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کیا اور اپنے اس عمل کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی روایات سالم اور نافع کے واسطے سے موطا امام مالک میں بھی موجود ہیں (ص ۲۵' ۲۶)

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور آخر میں ذکر ہے۔

وحدث إن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صنع هكذا (بخاری ص ۱۰۲)

اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایات مختلف سندوں کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہیں (ص ۱۶۸)

نیز حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہی اور کانوں کے برابر رفع یدین کیا پھر اپنی چادر مبارک کے ساتھ بکل ماری اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا آگے یہ الفاظ ہیں۔

فلما أراد أن يركع أخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه (مسلم ص ۱۷۳، أبوداود ص ۲۶۳)

پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کرنا چاہا تو آپ نے ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع یدین کیا پھر تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے۔ پس جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کیا اور سجدہ اپنی ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

متنازعہ رفع یدین کی احادیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مختلف سندوں کے ساتھ ابوداؤد میں بھی مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه برد شديد فرأيت الناس عليهم جل الثياب تحرك أيديهم تحت الثياب (ص ۲۶۵)

پھر اس کے بعد شدید سردی کے موسم میں آیا۔ میں نے لوگوں کے ہاتھ کپڑوں کے نیچے ہلتے دیکھے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو بیان کیا جس میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین بھی

شامل ہے۔ سب نے بالاتفاق کہا۔

صدقت هكذا كان يصلي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أبـوداود ص ٢٦٥ ترمذی ٢٤٩)

آپ نے سچ کہا۔ نبی ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

امام ترمذی نے اسے حسن صحیح فرمایا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں صحابہ کرام میں سے رفع یدین کے قائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ' انس بن مالک رضی اللہ عنہ ' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر وغیرھم ہیں۔ اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری' عطاء' طاؤس' مجاہد نافع' سالم بن عبداللہ اور سعید بن جبیر وغیرھم ہیں' اور یہی قول عبداللہ بن مبارک' امام شافعی' امام احمد اور اسحاق کا ہے رحمتہ اللہ علیہم اجمعین (ص ۲۱۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی آخری اور صحیح قول یہی ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۰)

مصنف نور العینین (ص ۱۴) نے مدونہ کبری ج ۱ ص ۷۱ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

قال مالك لا أعرف رفع اليدين في شي من تكبير الصلوة لا في رفع ولا في خفض إلا في افتتاح الصلوة قال ابن القاسم وكان رفع اليدين عند مالك ضعيفا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سوائے تکبیر تحریمہ کے میں کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کو نہیں پہچانتا۔ نہ اوپر ہوتے وقت نہ نیچے جاتے وقت ابن قاسم نے کہا کہ امام مالک کے نزدیک رفع یدین ایک کمزور مسئلہ تھا۔

اگر اس قول کی نسبت امام صاحب کی طرف صحیح ہے تو اس کے الفاظ سے

معلوم ہو رہا ہے کہ جب آپ نے یہ بات فرمائی تھی اس وقت تک واقعی یہ رفع یدین ان کے علم میں نہ آئی تھی پھر جب آپ کو نبی ﷺ کا عمل معلوم ہو گیا تو یقیناً آپ کا قول بھی تبدیل ہو گیا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ خود موطا میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی حدیثیں بیان فرمائیں اور پھر کہیں مجھے رفع یدین کا علم ہی نہیں ہے۔ بڑی حد حنفیہ کی طرح وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ رفع یدین منسوخ ہو گئی ہے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ مجھے اس کا پتہ ہی نہیں ہے۔

نیز جو حیثیت موطا امام مالک کی ہے وہ مدونہ کبریٰ کی نہیں ہے۔ علامہ شبلی نعمانی حنفی فرماتے ہیں امام کی اصل تصنیف موطا ہے جو قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے (حیات مالک ص ۸۲) اور مدونہ کے متعلق لکھتے ہیں بعض لوگ اس کو خود امام کی تصنیف سمجھتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن قاسم المتوفی ص ۱۹۱ امام کے ایک شاگرد کی تصنیف ہے (ایضا ص ۸۰) ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ترک رفع یدین کا قول امام مالک سے ابن قاسم کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۰) امام بخاری جزء رفع یدین (ص ۹) میں بروایت امام مالک رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

كان إذا رأى رجلا لا يرفع يديه إذا ركع وإذا رفع رماه بالحصى (فتح الباري ج۲ ص ۲۲۰)

کہ جب وہ کسی شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے دیکھتے تو اسے کنکر مارتے۔

سوائے اہل کوفہ کے امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

أجمع علماء الامصار على مشروعية ذلك إلا أهل الكوفة (أيضًا)

سوائے اہل کوفہ کے تمام شہروں کے علماء کا رفع یدین پر اجماع ہے۔

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وبه قال مالك والشافعي وأحمد (شرح امام اعظم ص ۲۰) امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد کا یہی مسلک ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے (مصفی شرح موطا ص ۱۰۴)

صحابہ کرام اوپر جن دس صحابہ کرام کا ذکر ہوا ہے اس کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت جزء بخاری ص ۳۰ و بیہقی ج ۲ ص ۴۷ میں ہے۔ امام بیہقی نے اسے محفوظ قرار دیا ہے (ایضا) علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں۔

وكان عمر يرفع يديه فى الركوع وعند الرفع منه (نصب الرأيه ص ۲۱۱، ۲۱۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے رفع یدین کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق امام حاکم کا قول بیان کرتے ہیں کہ یہ محفوظ ہے (تلخیص الجبیر ص ۲۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت ترمذی ج ۴ ص ۲۳۹ اور ابوداؤد ص ۱۷۱ وغیرہ میں ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا عندنا مثل حديث الزهرى عن سالم عن أبيه ہمارے نزدیک یہ روایت ایسے ہی ہے جیسے عن زہری عن سالم عن ابن عمر

یعنی اس کی سند بہت ہی صحیح ہے۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ماجہ ص ۶۲ ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۵ اور جزء بخاری ص ۷ میں موجود ہے۔ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر بیان ہو چکی ہے ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ اور سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ ان دس صحابہ کرام میں ہیں جنہوں نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی تھی (ابوداؤد ص ۲۶۶، ابن ماجہ ص ۶۲)

محمد بن مسلمہ بھی انہیں دس تصدیق کنندگان میں سے ہیں (ابن ماجہ ص ۶۲) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی انہیں دس میں شمار ہیں (دار قطنی ج ا ص ۲۹۲ جزء بخاری ص ۴) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اتفق علی روایة هذه السنة العشرة المشهود لهم بالجنة فمن بعدهم من أكابر الصحابة

عشرہ مبشرہ اور دیگر اکابر صحابہ رفع یدین کی سنت روایت کرنے پر متفق ہیں۔

(بیہقی بحوالہ نیل الأوطار ج۲ ص ۱۸۳، تحفة الاحوذی ص ۲۱۹)

علامہ مجد الدین رحمۃ اللہ علیہ فیروز آبادی سفر السعادت (ص ۹) میں لکھتے ہیں۔

رفع یدین کی حدیثیں اور آثار متواتر اور صحیح ہیں جن کی تعداد چار سو ہے۔ جنہیں عشرہ مبشرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اسی کیفیت پر نماز پڑھی ہے اس کے برخلاف کچھ ثابت نہیں۔ علامہ سندھی حنفی نے بھی فیروز آبادی کا یہ حوالہ دے کر رفع یدین کی زبردست تائید کی ہے۔ (دارسات البیب ص ۱۶۹)

مشہور عالم دین حضرت مولنا خالد گرجاکھی صاحب مدظلہ العالی نے جزء رفع یدین کے نام سے کتاب ترتیب دی ہے جس میں انہوں نے عشرہ مبشرہ سمیت پچاس صحابہ کرامؓ سے ۴۶۳ احادیث و آثار مع حوالہ جات درج فرما دیئے ہیں تفصیل اس میں معلوم کی جا سکتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جزء رفع یدین (ص ۴، ۵) میں فرماتے ہیں حسن اور حمید بن ھلال نے کہا صحابہ کرامؓ رفع یدین کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کسی صحابی کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ اہل علم کے نزدیک کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ رفع یدین نہ کرتے ہوں۔ نیز ان سب سے رفع یدین ثابت ہے علمائے اہل مکہ حجاز، عراق، شام، بصرہ، یمن اور بہت سے اہل خراسان۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاھد، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ بن عمر، عمر بن عبد العزیز، نعمان بن عیاش، حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، مکحول، عبداللہ بن دینار، نافع مولیٰ، عبداللہ بن عمر، حسن بن مسلم، قیس بن سعد اور بہت

سے۔ نیز ام درداء عبداللہ بن مبارک اور ان کے بہت سے ساتھی مثلا علی بن حسین، عبیداللہ بن عمر اور یحییٰ بن یحییٰ اور اھل بخارا کے محدثین مثلا عیسیٰ بن موسیٰ، کعب بن سعید، محمد بن سلام، عبداللہ بن محمد مسندی اور بے شمار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان حدیث الرفع متواتر عن النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (الأزهار المتناثره فی الاخبار المتواتره تحفة ص ۲۱۹)

رفع یدین کی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہیں۔

شاہ ولی اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فإذا أراد أن يركع رفع يديه حذو منكبيه أو اذنيه وكذلك إذا رفع رأسه من الركوع والذی يرفع أحب إلی ممن لا يرفع فإن حديث الرفع أكثر واثبت (حجة الله البالغه ج۲ ص ۱۰)

رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کندھوں یا کانوں کے برابر رفع یدین کرے۔ رفع یدین کرنے والا مجھے رفع یدین نہ کرنے والے سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ رفع یدین کی احادیث زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔

"غوث اعظم" حنفیوں کے "غوث اعظم" شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے نماز کے پچیس مستحبات (ھیات) گنوائے ہیں جن میں سرفہرست یہ چیز بیان فرمائی ہے۔

رفع اليدين عند الافتتاح والركوع والرفع منه (غنية الطالبين ص ۱۰)

رفع یدین کرنا تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت

حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات مولنا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی

فرماتے ہیں۔

والحق أنه لا شك في ثبوت رفع اليدين عند الركوع والرفع منه عن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وكثير من اصحابه بالطرق القوية والأخبار الصحيحة (سعايه ج ۱ ص ۲۱۳)

حق بات یہ ہے اس میں شک نہیں کہ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا نبی ﷺ سے اور بہت سے صحابہ کرامؓ سے صحیح احادیث اور مضبوط سندوں کے ساتھ ثابت ہے۔

نیز فرماتے ہیں صحابہ میں سے رفع یدین کے راویوں کا ایک جم غفیر ہے اور ترک رفع یدین کے راویوں کی تعداد بہت تھوری ہے ان کی بھی سند صحیح نہیں سوائے ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے (التعلیق الممجد ص ۹۱)

نیز فرماتے ہیں رفع یدین کا ثبوت نبی ﷺ سے زیادہ بھی ہے اور راجح بھی ہے۔ طحاوی ابن ہمام عینی اور ہمارے دیگر علمانے نسخ کا جو دعویٰ کیا ہے وہ اتنا وزنی نہیں جس سے دل کو اطمینان ہو (التعلیق الممجد ص ۸۹)

امام ابویوسف کے شاگرد عصام بن یوسف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے (الفوائد البھیتہ فی تراجم الحنفیتہ مطبوعہ یوسفی لکھنؤ ص ۴۸)

ہائے رفع یدین ایک جگہ لکھتے ہیں اگر کوئی حنفی کسی مسئلہ میں اپنے امام ابوحنیفہ کا ساتھ چھوڑ کر صحیح حدیث پر عمل کرنے لگے تو اس پر غیر مقلد ہونے کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا اور نہ وہ حنفیت سے خارج ہو گا کیونکہ عصام بن یوسف کو ابوحنیفہ کے خلاف رفع یدین سے نماز پڑھنے پر بھی حنفیوں میں ہی شمار کیا گیا ہے (ایضا ص ۴۹۷)

حنفیہ کے گھر کی اس شہادت سے معلوم ہوا کہ دلائل کا اہتمام تو محض

تکلف ہی ہے ترک رفع یدین کی اصل وجہ امام ابوحنیفہ کی تقلید ہے۔ احناف صرف اس لئے رفع یدین سے محرومیت کا شکار ہیں کہ ان پر غیر مقلد ہونے کا الزام نہ لگ جائے۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں بعض حنفی بھائی رفع یدین کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس کے لئے ترستے ہیں مگر جب انہیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ پھر وہ حنفی نہیں رہیں گے تو ان پر اوس پڑ جاتی ہے۔ ذرا یہ سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

سوال = اگر تنہا نوافل میں رفع یدین محض خلوص نیت بطور اتباع و محبت کر لیا جائے کہ یہ بھی ایک سنت خیر الانام ﷺ ہے تو حنفی کو رفع یدین کی اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب = حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ مقلد حنفی کو باتباع اپنے امام کے یہ فعل نہ کرنا چاہئے کہ ان کے نزدیک یہ فعل منسوخ ہے الخ (عماد الدین ص ۱۶۲، ۱۶۳) کیا عجیب بات ہے سنت خیر الانام ﷺ پر عمل کرنے کیلئے یہ لوگ اپنے مولویوں سے اجازت لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

مولنا انور شاہ کشمیری حنفی فرماتے ہیں رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں تواتر سے ثابت ہیں۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں لیکن یہ تواتر عملی ہے اسنادی نہیں۔ (العرف الشذی ص ۱۲۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت نہیں ہے لیکن اکثر فقہاء و محدثین کے نزدیک سنت ہے (مالا بدمنہ ص ۲۸)

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نماز میں چار موقعوں پر رفع یدین کرنا نبی ﷺ سے جلیل القدر صحابہ کرام سے اور عظیم المرتبت علماء، فقہاء اور مجتہدین سے احادیث صحیحہ آثار پسندیدہ و راجحہ اور مذاہب صادقہ کے ساتھ جب اس طور پر ثابت ہے کہ اس میں نسخ اور تعارض کا شائبہ بھی نہیں بلکہ بعض کے خیال کے مطابق یہ متواتر ہے۔ مشہور سے تو بہرحال کم

نہیں......... تو پھر یہ کہنا کہ یہ رفع یدین منسوخ ہے بہت غلط بات ہے۔ ایسی بات کی طرف توجہ بھی نہیں دینی چاہئے۔ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ وہ ان کے کہنے میں آکر نسخ پر عمل کرے یا اس پر اعتماد کرے (تنویر العینین ص ۲۹' ۴۱)

اتنے عظیم الشان دلائل کے باوجود رفع یدین کی یہ سنت افسوس کہ ہمارے حنفی بھائیوں کی قسمت میں نہیں ہے۔ ان کے علماء نے اس راہ میں رکاوٹ ڈالنے کو اپنے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں اگر لوگ پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنت پر عمل کرنے لگ گئے تو کوئی انہیں گھاس بھی نہیں ڈالے گا اور وہ ان کی مسجدوں میں آنا چھوڑ دیں گے۔ ان کے مدرسے ویران ہو جائیں گے۔ ان کی اکیڈمیاں ناکام ہو جائیں گی اور ان کی خانقاہوں میں خاک اڑنے لگے گی۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے حسب عادت یہ لوگ رفع یدین کو صرف غیر مقلدین (یعنی اہلحدیث) کا مسلک بتلاتے ہیں (مثلا نماز پیمبر ص ۱۷۲) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کے سوا سب کا مذہب ہے۔ ایک لحاظ سے بے چارے سچ ہی کہتے ہیں۔ دنیا میں اور بھی مقلدین ہیں لیکن ان جیسا جامد مقلد دنیا کے تختے پر نہیں دیکھا گیا۔ شافعیہ' حنبلیہ' مالکیہ سب تقلید کرتے ہیں اس کے باوجود انہیں اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے جبکہ حنفیہ کو علمی حلقوں میں اہل الرائے کے نام سے پکارا گیا ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اہل الرائے کے پاس حدیث کی قلت تھی اس لئے انہوں نے قیاس پر زور دیا اور اس میں خوب مہارت حاصل کی اور وہ اہل الرائے کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ اسی گروہ کے مقتدا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد تھے (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اہل الرائے عراق والے لوگ ہیں جو ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ ان کو اصحاب الرائے اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مسائل کا حل قیاس سے تلاش کرتے ہیں۔ بعض وقت قیاس جلی کو حدیث سے جو خبر آحاد سے ہو مقدم سمجھتے ہیں (الملل والنحل)

درایت یا عصبیت؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل الرائے گمراہ اور بدعتی ہیں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و آثار صحابہ کے دشمن ہیں۔ حدیث کو جھٹلاتے اور اس کا رد کرتے ہیں۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو دین بتاتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ حدیث رسول کو ترک کر کے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں (ایضاح الاولہ ص ۹۷)

علامہ شبلی نعمانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں اس لئے (اہل الرائے کے) اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی (سیرت النعمان ج ۲ ص ۲۲)

شاہ ولی اللہ شیخ عز الدین بن عبدالسلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ کتنی عجیب بات ہے کہ مقلد فقہاء باوجود یہ بات جاننے کے کہ ان کے امام کی دلیل نہایت کمزور ہے پھر اس کی تقلید کرتے ہیں اور محض عصبیت کی وجہ سے قرآن و حدیث اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنے امام کے دفاع کیلئے قرآن و حدیث کو رد کر دیتے ہیں اور ان کی نہایت بعید اور باطل تاویلیں کرتے ہیں (حجتہ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۵۵)

خیر یہ الگ موضوع ہے۔ آمدم بر مطلب یہ کہ احناف تکبیر افتتاح کے وقت رفع یدین کرتے ہیں رکوع جاتے' رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت یہ رفع یدین کے خلاف ہیں۔ اس لئے مندرجہ بالا احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے سخت اذیت کا باعث اور ناقابل برداشت ہیں۔ لطف یہ کہ جیسے آپ پہلے پڑھ آئے ہیں یہ لوگ تکبیرِ اولیٰ کیلئے رفع یدین یا کانوں کے برابر رفع یدین کا ثبوت بھی انہی احادیث سے لاتے ہیں جن میں باقی رفع یدینوں کا بھی ذکر ہے مگر انہیں بیان نہیں کرتے (مثلا نماز مدلل ص ۶۹' نماز مسنون خورد) یا نہایت ہوشیاری کے ساتھ چن چن کر وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جو کسی مقام پر مختصر بیان ہوئی ہوتی ہیں چاہے ان کی سندیں بھی کمزور کیوں نہ ہوں حالانکہ دوسرے مقامات

پر انہیں صحابہ کرام سے صحیح سندوں کے ساتھ مع متنازعہ فیہ رفع یدین کے وہ احادیث مفصل مذکور ہوتی ہیں مگر یہ انہیں چھوتے تک نہیں مبادا کہیں وہ انہیں قابو کرلیں (مثلاً حنفی نماز مدلل ص ۸۳ تا ۸۶۔ نماز مسنون ص ۳۱۴' ۳۱۵)

صحیحین کے نقاد بعض ستم ظریف تو یہاں تک ظلم ڈھاتے ہیں کہ نبی ﷺ سے رکوع والی رفع یدین ثابت ہی نہیں۔ شرمندہ ہونے کی بجائے یہ علامے الٹا بخاری' مسلم کی احادیث پر تنقید کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری شریف میں ایک روایت اس طرح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر اس عمل کو نبی ﷺ کی طرف منسوب فرمایا (ص ۱۰۲)۔

عبیداللہ اس کی سند میں ایک راوی عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب کے متعلق تحقیق رفع یدین کے مصنف صفدر بالندھری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شیعہ تھا۔ حالانکہ احمد بن صالح یحییٰ بن معین علامہ خزرجی امام نسائی امام ابو حاتم امام احمد وغیرہ سب نے اس کی زبردست توثیق کی ہے (تقریب التہذیب ج ا ص ۵۳۷' تہذیب التہذیب ص ۲۸) یہ اعتراض کر کے جالندھری صاحب نے دراصل یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے جیسے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث نبوی ﷺ کو فتح کرلیا ہو حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین والی حدیث صرف اس ایک سند سے مروی نہیں۔ صحیحین وغیرہ میں اس کی اور بھی کئی مرفوع سندیں ہیں جن میں یہ عبیداللہ نہیں ہے۔

عبدالحمید بن جعفر نیز لکھتے ہیں ابوحمید ساعدی کی صحیح روایت جو بخاری ص ۱۱۴ پر ہے اس میں رکوع اور تیسری رکعت کی رفع یدین کا ذکر تک نہیں ابوداؤد کی سند میں عبدالحمید بن جعفر بدعتی تقدیر کا منکر اور ضعیف راوی ہے اس نے رفع یدین کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی کوئی

راوی حدیث کو مختصر بیان کر دیتا ہے اور کوئی مفصل۔ بخاری شریف کی ابوحمید ساعدی والی روایت میں اگر رکوع والی رفع یدین کا ذکر نہیں تو اس میں قیام کا بھی ذکر نہیں قراءت کا بھی ذکر نہیں بلکہ دو سجدوں کا بھی ذکر نہیں تو کیا۔ پھر یہ چیزیں بھی عبدالحمید بن جعفر "بدعتی" کا اضافہ سمجھی جائیں گی۔ خود نور العینین کے حنفی مصنف ابن مسعود والی روایت کی سند میں موجود عاصم بن کلیب پر ارجاء کے الزام کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نخبہ میں راجح قول یہ لکھا ہے کہ جس بدعتی میں ضبط و تقویٰ پایا جاتا ہو اور کسی متواتر الثبوت امر شرعی کا منکر نہ ہو اور اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو اس کی حدیث مقبول ہے بشرطیکہ وہ حدیث موید بدعت نہ ہو (ص ۴۸)

لہٰذا عبدالحمید بن جعفر یا عبیداللہ بن عمر کے بارے میں احناف کو الگ قانون نہیں بنانا چاہیے۔ عبدالحمید بن جعفر کو یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور امام نسائی نے ثقہ کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۳۹) علامہ زیلعی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں بے شک عبدالحمید بن جعفر ان راویوں میں سے ہے کہ ان کی حدیث کو نہ چھوڑا جائے (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۴۴) علامہ طحاوی رحمہ اللہ حنفی نے بھی اس سے احتجاج کیا ہے (شرح معانی الاثار ج ۲ ص ۱۲۵) پھر اس روایت کی یہی ایک سند نہیں یہ مختلف کتابوں میں مختلف سندوں سے مروی ہے مثلاً خود ابوداؤد میں ہی محمد بن عمرو بن عطاء سے حدیث بیان کرنے والے عبدالحمید کی بجائے عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک ہیں (ص ۲۶۶) اور بیہقی ج ۲ ص ۷۳ جزء بخاری (ص ۶) وغیرہ میں ایک سند عباس بن سہل ساعدی سے بھی ہے۔ بلکہ عبداللہ بن عمر والی حدیث کی اسی سے زائد سندیں جز رفع الیدین خالد گرجاکھی میں درج ہیں۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ : ابوحمید ساعدی رحمہ اللہ کی روایت پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے ان سے کہا تھا تم ہم سے زیادہ نہ تابع رہے اور نہ صحبت میں رہے..... تو معلوم ہوا کہ ابوحمید صرف ایک آدھ مرتبہ کا واقعہ دیکھا ہوا نقل فرما

رہے ہیں۔ (نور العینین ص ۲۵) گزارش ہے کہ جن صحابہؓ نے ان سے کہا تھا کہ آپ ملازم صحبت نہ تھے وہ خود تو ملازم صحبت تھے۔ اگر نبی ﷺ نے رفع یدین کبھی کبھار کی ہوتی یا منسوخ ہو چکی ہوتی تو بجائے بالاتفاق تصدیق کرنے کے کیا ان کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ کہتے کہ ہاں نبی ﷺ پہلے ایسے ہی نماز پڑھتے تھے بعد میں آپ نے رفع یدین چھوڑ دی تھی۔ جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا عمل رکوع میں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھنے کا تھا۔ (مسلم ص ۲۰۲) تو جب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا تو ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا ہم پہلے ایسا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں کے اوپر رکھا کریں۔ (بخاری ص ۱۰۹) مطلب یہ ہے پوری مجلس صحابہؓ کا بجائے انکار کرنے کے بالاجماع ابو حمید ساعدی کی تائید و تصدیق کرنا اس بات کی زبردست شہادت ہے کہ وہ سب رفع یدین کر کے نماز پڑھنے والے تھے۔

ابوقلابہ : اثبات رفع یدین میں بخاری ص ۱۰۲' مسلم ص ۱۶۸ کے حوالے سے عن خالد بن مہران عن ابی قلابہ عن مالک بن حویرث ایک روایت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ابوقلابہ کے متعلق جالندھری صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ناصبی تھا۔ (تحقیق رفع الیدین) ان کا نام عبداللہ بن زید بن عمرو بن عامر جرمی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سعد' ابن سیرین' ایوب' علامہ عجلی اور ابن خراش کے حوالہ جات سے ان کی زبردست توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۲۵' ۲۲۶) شیعی غلو کی مخالفت میں کسی پر ناصبی کا الزام لگ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس سے بڑا الزام کسی کا مرجئہ ہونا ہے جو عمل کو ایمان سے جدا سمجھنے کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بھی لگایا گیا۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجئہ ہونا) بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نہ کرنا چاہئے۔ ذھبی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مولانا شبلی نعمانی حنفی لکھتے ہیں یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

تھا۔ (سیرۃ النعمان ج ۲ ص ۸)

خالد بن مہران الحذاء کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا حافظہ نہ رہا تھا۔ حالانکہ حافظ بن حجر نے اسے احد الاثبات کہہ کر قابل اعتماد راویوں میں شمار کیا ہے امام احمدؒ، ابن معینؒ، ابن سعد اور امام نسائی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

(مقدمہ فتح الباری ص ۴۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا كبر للصلاة جعل يديه حذو منكبية وإذا ركع فعل مثل ذلك وإذا رفع للسجود فعل مثل ذلك وإذا قام من الركعتين فعل مثل ذلك (أبوداود ص ٢٦٩)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے نماز شروع کرتے وقت رکوع جاتے وقت سجدہ میں جانے کیلئے (رکوع سے) اٹھتے وقت اور جب آپ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے۔

ابن جریج اور متعہ اس کے متعلق جالندھری صاحب کو اعتراض ہے کہ ابو ہریرہ کی صحیح حدیث بخاری ص ۱۱۰ پر ہے اس میں رفع یدین کا ذکر تک نہیں لیکن ابوداؤد کی سند میں رفع یدین کا ذکر ہے لیکن راوی ابن جریج ہے جس نے ۹۰ عورتوں سے متعہ کیا (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۵۱) دوسرا راوی یحییٰ بن ایوب ہے جو ضعیف ہے۔ نیز اس میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی۔ اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بخاری والی حدیث میں متنازعہ رفع یدین کا ذکر نہیں تو اس میں افتتاحی رفع یدین کا ذکر بھی نہیں ہے۔ تو کیا اب اس کی بھی نفی کر دی جائے گی بلکہ حنفیہ کو تو یہ نفی کر ہی دینی چاہئے۔

مصنف نور العینین نے یہ اثر بڑے زور و شور سے پیش کیا ہے۔

عن إبراهيم النخعي قال كان عبد الله بن مسعود لا يرفع يديه في

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود نماز میں مطلق رفع یدین نہیں کرتے

شیئ من الصلــوۃ (ص ۷٦، بحوالــه طحاوی ص ۱۵٦، ابــن ابــی شیبه ص ۲۳٦، مؤطأ امام محمد) تھے۔

اس سے سب رفع یدینوں کی نفی ہوگئی۔ تحریمہ کے وقت بھی قنوت کے وقت بھی عیدین کے موقع پر بھی۔ مصنف ہذا غالبا رفع یدین دشمنی کے جوش میں یہ اثر اس طرح لکھ گئے ورنہ طحاوی میں بھی ابن ابی شیبہ میں بھی افتتاحی رفع یدین کا ذکر ہے باقی رفع یدینوں کی پھر بھی نفی ہے۔

حنفیہ بخاری شریف کا حوالہ یوں مانگتے ہیں جیسے وہ ان کے نزدیک حرف آخر ہو۔ کیا صحیحین کی جن روایتوں میں رفع یدین کا ذکر ہے ان پر انہیں اعتبار آگیا ہے؟ ابوداؤد کی سند میں موجود عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اس حنفی معترض کے نزدیک ناقابل اعتماد ہوگیا کیونکہ وہ متعہ کا قائل تھا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما متعہ کے قائل گزارش ہے کہ متعہ کے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قائل تھے (مسلم ج ۱ ص ۴۵۰) کیا وہ بھی ناقابل اعتماد ہوگئے بلکہ متعہ کے تو تقریبا تمام حنفی بھی قائل ہیں۔ فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

تمام احناف قائل

أستاجر امراة ليزنى بها اوليطاها أو قال خذى هـذه الدرهـم لاطاك أو قال مكنينى بكذا ففعلت لم يحد (ج ۲ ص ۱٤۹)

کسی عورت کو زنا اور جماع کے لئے کرایہ پر حاصل کیا یا کہا اتنے پیسے لے لو تاکہ میں تیرے ساتھ ہم بستری کروں یا کہا اتنی رقم لے لو اور مجھے موقع دو اور وہ عورت اس پر عمل کرے تو حد نہیں لگائی جائے گی۔

بلکہ ایک جگہ لکھا ہے۔

ولو تزوجها على أن يطلق بعد شهر فإنه جائز (فتاوی عالمگیری ج۱ ص ۲۸۳)	اگر عورت سے اس شرط پر شادی کرے کہ ایک مہینہ بعد طلاق دے دے گا تو یہ جائز ہے۔

شیعہ اور حنفی شیعہ اور حنفی متعہ کے علاوہ اور کئی مسائل میں بھی آپس میں ہم آہنگ ہیں۔ شائد اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شروع سے ایک ہیں اور ان کی جڑیں آپس میں ملتی ہیں۔ شبلی نعمانی حنفی فرماتے ہیں۔ ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموما تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ (سیرۃ النعمان ص ۳۵) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ اور حنفی دونوں کی جائے پیدائش بھی ایک ہی شہر کوفہ ہے۔

تو کیا اب تمام حنفی ناقابل اعتماد ہو گئے۔ یاد رہے مصنف احسن الکلام نے ابن جریج کو حدیث اور فقہ کے مسلم اماموں میں شمار کیا ہے (طبع سوم ص ۱۱۳) البتہ یحیٰی بن ایوب کی ثقاہت کے بارے میں متضاد آراء ہیں لیکن چونکہ یہ روایت صحیح حدیث کے موافق ہے اس لئے قابل قبول ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی حدیث کے آخری الفاظ اذا رفع للسجود کا معنی سمجھنے میں معترض کو غلطی لگی ہے۔ انہوں نے اعتراض بنانے کے لئے اس سے سجدہ کی رفع یدین مراد لے لی ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جانے کیلئے رکوع سے سر اٹھاتے۔ اگر سجدہ میں جانے کی رفع یدین مراد ہوتی تو

بجائے رفع کے لفظ خفض ہونا چاہئے تھا۔

بغل میں سے ہاتھ نکال کر رفع یدین قبل ازیں صحیح مسلم ص ۱۷۳ کے حوالے سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان ہو چکی ہے جس میں یہ ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغل میں سے ہاتھ نکال کر رکوع کی رفع یدین کرتے دیکھا۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ ایک اعرابی جالندھری صاحب نے موطا امام محمد ص ۵۴، طحاوی ج ۱ ص ۲۱۶ اور مسند امام اعظم ص ۲۱۲، ۲۱۹ کے حوالہ جات سے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اقوال بیان کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ جو ایک اعرابی (جانگلی) تھے اور جنہوں نے صرف ایک آدھ دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی رفع یدین کے بارے میں ان کی اطلاع زیادہ درست ہے یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی جو ساری عمر سفرو حضر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی رہے۔ یہ بات حنفیہ کی خانہ ساز معلوم ہوتی ہے اور انہی کے لٹریچر کے حوالے سے ہے۔ ورنہ یقین نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جیسے عظیم تابعی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی شان میں یوں بے ادبی فرما سکیں۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ اعرابی نہیں تھے بلکہ یمن کے شہزادوں میں سے تھے اور یہ لوگ فراست میں ضرب المثل تھے یہ ۹ ہجری عام الوفود میں آکر مسلمان ہوئے۔ (عینی ج ۳ ص ۹، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۷۵) اگلے سال پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور انہوں نے شدید سردی کے موسم میں صحابہ کرام کو بھاری کپڑوں کے نیچے سے رفع یدین کرتے دیکھا (ابوداؤد ص ۲۶۵) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں بھی شامل تھے ان سے مروی ہے۔

إن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أتی بدلو من ماء زمزم فتمضض (مسند أحمد ج ٤ ص ٤٠٨)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زمزم کے پانی کا ڈول لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمائی۔

بقول احناف حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ شہری نہ سہی تاہم ان کی احادیث

اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آخر عمر میں رفع یدین فرمائی ہے اور اس کے نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ ان "شہری" مولویوں کے کہنے سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو جانگلی ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی انہیں جانگلی کہنے سے یہ حدیث منسوخ ہو سکتی ہے۔ مصنف نور العینین لکھتے ہیں کہ یہ ملازم صحبت اور فقیہہ صحابہ میں سے نہیں تھے (ص ۳۳) فقاہت کے معاملے میں یہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے ملازم صحبت صحابہ کرام کے بارے میں بھی اچھی رائے نہیں رکھتے (الحسامی ص ۷۵ اصول الشاشی ص ۷۲) واقعی وہ کس طرح فقیہہ ہو سکتے تھے جب ان صحابہ کرام نے نہ ہدایہ پڑھا ہوا تھا نہ کنز و قدوری سے وہ واقف تھے نہ ہی فتاویٰ عالمگیری ان کے زیر مطالعہ رہی تھی کیا یہ مسئلہ سپاہ صحابہ کی توجہ کا طالب نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے جن صحابہ کرام کی روایات عموما ان کے خلاف ہیں وہ ان کے نزدیک غیر فقیہہ ہیں اور جن کی روایات خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں ان کے مطابق ہیں وہ ان کے نزدیک فقیہہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے ان کی محبت کی اصل وجہ یہ نہیں کہ وہ صحابی ہیں بلکہ یہ ہے کہ ان سے رفع یدین کے خلاف ایک ضعیف روایت مروی ہے۔

علامہ کوثری مصری حنفی صاحب نے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی غیر فقیہہ لکھ دیا ہے (التنکیل ج ۱ ص ۱۶۷)

حیرت ہے ایک طرف یہی لوگ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اعرابی کہتے ہوئے نہیں تھکتے یعنی معاذ اللہ اس جانگلی کو کیا پتہ حدیث کیا ہوتی ہے۔ دوسری طرف ہدایہ میں لکھا ہے۔

ووضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه وتشهد یروی ذلك فی حدیث وائل (ص ۷۷)

اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیاں کشادہ رکھے اور تشہد پڑھے۔ یہ حضرت وائل کی حدیث میں مروی ہے۔

یعنی جب مطلب کی بات نہ ہو تو حضرت وائل رضی اللہ عنہ اعرابی ہو جاتے ہیں اور

اگر مطلب کی ہو تو وہی وائل رضی اللہ عنہ قابل اعتماد ہو جاتے ہیں اور اس لائق ہو جاتے ہیں کہ فقہ کی کتاب میں ان کا حوالہ دیا جائے۔ مگر یہاں بھی احناف نے چالاکی سے کام لیا ہے۔ ہدایہ کا یہ حوالہ بالکل غلط ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو گا۔ حالت تشہد میں دونوں ہاتھوں کو رانوں پر پھیلا کر رکھنے کی حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے ہرگز کوئی روایت نہیں ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ہی جانے جانگلی کون ہے۔ اگر فقہ انہیں چالاکیوں کا نام ہے تو پھر حضرت وائل رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ترک رفع یدین کے سلسلہ میں حنفیہ کو جس دلیل پر سب سے زیادہ فخر ہے اور جسے ان کی معرکۃ الاراء دلیل کہنا چاہئے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا

ألا اصلی بکم صلوۃ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فصلی فلم یرفع یدیہ إلا فی اول مرۃ (ترمذی ص ۲۲۰)

کیا میں تمہیں نبی علیہ السلام جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں پھر آپ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور نہ رفع یدین کیا مگر پہلی بار

امام ترمذی آگے فرماتے ہیں غیر واحد یعنی متعدد صحابہ و تابعین اور حضرت سفیان اور اہل کوفہ کا یہی مسلک ہے۔

اس روایت کے متعلق اول تو یہ بات ہے کہ اس میں سرے سے یہ وضاحت ہی نہیں کہ کب ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے دوبارہ رفع یدین نہ کیا چنانچہ شیخ محی الدین فرماتے ہیں۔

غایۃ المفھوم من حدیث بن مسعود إنہ کان علیہ السلام یرفع یدیہ عند الاحرام مرۃ واحدۃ لا یزید علیھا (فتوحات مکیۃ ص ٤٣٧)

بڑی حد ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت صرف ایک بار رفع یدین کرتے تھے زیادہ نہیں

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحسین امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن فرمایا

ہے۔ مگر یہ مانی ہوئی بات ہے جب تک دوسرے محدثین بھی کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہنے میں موافقت نہ کریں اکیلے امام ترمذی کی تحسین معتبر نہیں۔ مثلاً علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں ترمذی (ج ۲ ص ۱۵۷) میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

إن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دخل قبرا لیلا فاسرج له سراج الخ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات قبر میں داخل ہوئے تو آپ کیلئے ایک چراغ جلایا گیا۔

اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے اور ایک دوسرے راوی منہال بن خلیفہ کو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے (نصب الرایہ ج ا ص ۳۶۳)

حضرت عمرو بن عوف مزنی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین کی پہلی رکعت میں قبل از قراءت سات اور دوسری رکعت میں قبل از قراءت پانچ تکبیریں کہتے تھے (ترمذی ج ا ص ۳۷٦)

اسے بھی امام ترمذی نے حسن بلکہ احسن شی فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا أو احل حراما (ترمذی ج۲ ص ۲۸٤)

مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرے۔

اسے امام ترمذی نے حسن صحیح فرمایا ہے حالانکہ ان کی سندوں میں عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کا پوتا کثیر بن عبداللہ راوی ہے جو سخت ضعیف اور جھوٹا ہے۔

(میزان ذھبی)

اسی طرح برروایت ابوسعید نبی ﷺ نے فرمایا۔

یقول الرب تبارك وتعالى من شغله القران عن ذكرى ومسئلتى أعطيته ما أعطى السائلين (ترمذى ج ٤ ص ٥٧)

رب تعالے فرماتا ہے جسے تلاوت کلام پاک میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کر دے میں اسے دوں گا جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں

اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن غریب کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں عطیہ عوفی اور محمد بن حسن بن ابی یزید ہمدانی دو راوی ضعیف ہیں۔
اتنی بات تو احمد رضا خاں صاحب بھی سمجھتے ہیں وہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

وإن حسنه الترمذى فقد عرف رحمه الله تعالى بالتساهل فيه لما بيناه فى مدارج طبقات الحديث (احكام شريعت ص ٦٩)

اگرچہ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے لیکن ان کا اس بارے میں تساہل مشہور ہے جس کا ذکر ہم نے مدارج طبقات الحدیث میں کیا ہے۔

علی ھذا القیاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما والی روایت کا بھی یہی حال ہے کہ خود امام ترمذی نے لکھا ہے۔

وقال عبد الله بن مبارك قد ثبت حديث من يرفع وذكر حديث الزهرى عن سالم عن أبيه ولم يثبت حديث إبن مسعود إن النبى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لم يرفع إلا فى أول مرة (ص ٢٢٠)

عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ اثبات رفع یدین کی حدیث ثابت ہے مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما والی۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے صرف ایک بار رفع یدین کیا۔

امام ابوداؤد ابن مسعود والی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا الفظ (ص ۲۷۲)

یہ ایک لمبی حدیث کا اختصار ہے اور یہ ان لفظوں میں صحیح نہیں۔

صاحب عون المعبود امام ابوداؤد کے اس تبصرہ کے متعلق لکھتے ہیں یہ عبارت میرے پاس دو قدیم نسخوں میں موجود ہے۔ یہ تمام نسخوں میں نہیں پائی جاتی (ص ۲۷۳) یہ روایت نسائی میں بھی ہے (ص ۱۲۳) جس کی سند میں اس روایت کو غیر ثابت کہنے والے خود عبداللہ بن مبارک بھی موجود ہیں اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

فرفع يديه أول مرة ثم لم يعد

انہوں نے پہلی بار رفع یدین کیا پھر دوبارہ نہ کیا۔

یہ حدیث سنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۷۸ شرح معانی الاثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۵۴ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷ اور مسند ابی حنفیہ میں بھی ہے۔ الفاظ میں معمولی اختلاف ہے تاہم مفہوم تقریباً سب کا ایک ہی ہے۔ ان میں عاصم بن کلیب راوی ہے جس کا ثقہ ہونا مختلف فیہ ہے۔

بعض احناف کا خیال ہے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ والی جرح کا تعلق طحاوی والی روایت سے ہے ترمذی والی روایت سے نہیں۔ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے۔ امام ترمذی نے ابن مبارک کی جرح کو اور ابن مسعود کی روایت کو ایک ہی باب میں ذکر فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

دراصل یہ سب روایتیں ایک ہی ہیں۔ خود طحاوی کے حاشیہ پر یہ حدیث نقل کرنے کے بعد حنفی محشی مولوی وصی احمد صاحب لکھتے ہیں۔

أخرجه الترمذی وقال حديث حسن

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے جسے امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

علامہ زیلعی حنفی نے اپنی کتاب نصب الرایہ (ج ۱ ص ۳۹۴) میں اور علامہ

علاء الدین ماردینی حنفی نے اپنی کتاب الجوھر النقی حاشیہ سنن اکبری بیہقی ص ۷۷ میں ابن مبارک کی جرح کو ان سب روایتوں کیلئے عام سمجھا ہے۔ امام بیہقی نے بھی ابن مسعود والی روایت بیان کرنے کے بعد عبداللہ بن مبارک کی جرح نقل کی ہے (ص ۷۹)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور حافظ ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ابن ابی حاتم نے کہا یہ خطاء ہے۔ امام احمد بن حنبل ان کے شیخ یحییٰ بن آدم اور امام بخاری نے کہا کہ یہ ضعیف ہے امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ صحیح نہیں دار قطنی نے کہا کہ یہ ثابت نہیں اور ابن حبان نے کہا ترک رفع یدین پر اہل کوفہ کیلئے یہ سب سے اچھی روایت ہے مگر یہ ضعیف ترین اور ناقابل اعتماد روایت ہے کیونکہ یہ کئی وجوہ سے باطل ہے (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۲۲ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲۰)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ان احادیث میں سے ہے جو جھوٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہیں (منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۱۵)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں ترک رفع یدین کی کل روایتیں باطل ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں جیسے حضرت ابن مسعود کی حدیث (المنار ص ۴۹)

نسیان ابن مسعود والی روایت بالفرض صحیح ہو تو اثبات رفع یدین میں پائی جانے والی بے شمار احادیث کی موجودگی میں ہم ان کے ترک کو ان کے نسیان پر محمول کر سکتے ہیں۔ باقی احناف کی مانند ہم صحابہ کرام کی شان میں کوئی گستاخی کرنے سے تو رہے۔

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں رفع یدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلفائے راشدین سے صحابہ سے اور تابعین سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ ابن مسعود اگر اسے بھول گئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں وہ تو یہ بھی بھول گئے کہ آخری دو سورتیں قرآن کا حصہ ہیں وہ یہ بھی بھول گئے کہ رکوع میں ہاتھ جوڑ کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھنا منسوخ ہے۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ مقتدی دو ہوں تو انہیں امام کے پیچھے کھڑا

ہونا چاہئے وہ یہ بھی بھول گئے کہ آنحضرت ﷺ نے یوم النحر کو نماز فجر اپنے وقت پر پڑھی تھی، وہ یہ بھی بھول گئے کہ نبی ﷺ نے عرفات میں نمازیں کیسے جمع کیں تھیں وہ یہ بھی بھول گئے کہ سجدہ میں بازو اور کہنیاں زمین پر نہیں بچھانی چاہئیں اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ نبی ﷺ ماخلق الذکر والا نثی کیسے پڑھتے تھے جب ابن مسعود اتنا کچھ بھول گئے تو رفع یدین کے معاملے میں ان سے بھول کیوں نہیں ہو سکتی۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۷، تحفہ ج ۱ ص ۲۲۱)

حنفیہ کے گھر کا یہ تبصرہ ان صحابی کے بارے میں ہے جو ملازم صحبت بھی تھے اور فقیہ بھی تھے۔ اب حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی شان میں مقلدانہ گستاخیوں کے جواب میں کیا میں حنفی بھائیوں سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان نسیانات کی طویل فہرست شائع ہونے کے بعد انکا اس بات پر فخر کرنا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما ملازم صحبت اور فقیہ تھے کس کام آیا بقول انکے حضرت وائل رضی اللہ عنہ اگر فقیہہ نہیں تھے تو کیا نبی ﷺ کی رفع یدین دیکھنے کے لئے بھی بہت بڑا فقیہ ہونے یا دیوبند پاس ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں تھے تو کیا حضرت ابن عمر بھی فقیہہ نہیں تھے.... رفع یدین کا اصل ثبوت تو آنحضرت ﷺ سے ہے نہ جانے اندرون خانہ آپ ﷺ کے بارے میں انکے نظریات کیا ہوں گے۔

مولنا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں کہ رفع یدین کی روایات کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے فعل اور روایت سے رد نہیں کیا جاسکتا اور نہ رفع یدین کو منسوخ کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسا نص شارع سے ثابت نہیں اور کوئی مسلمان جرات نہیں کر سکتا کہ فعل رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی بھی امتی کا فعل پیش کرے اور فعل رسول کو مرجوح قرار دے (بحوالہ مرعاۃ المفاتیح)

صحیحین کی روایات پھر فعل رسول بھی وہ جو صحیحین سے ثابت ہو صحیحین کی روایتوں پر غیر صحیح رویتوں کو مقدم سمجھنا واقعی بڑی جرات کا کام ہے۔

میں کہتا ہوں غیر صحیحین کی صحیح روایت بھی صحیحین کا مقابلہ نہیں کر سکتی کجا یہ کہ غیر صحیح روایت کو بالمقابل لا کھڑا کیا جائے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد صرح الجمهور تقديم صحيح البخاری فی الصحة ولم يوجد عن أحد التصريح بنقيضه (شرح نخبة ص ۲۸)

جمہور نے تصریح کی ہے کہ صحیح بخاری صحت میں مقدم ہے کسی سے اس کا برعکس ثابت نہیں

نیز فرماتے ہیں

ومن ثم إی من هذه الجهة وهو أرجحية شرط البخاری علی غيره قدم صحيح البخاری علی غيره من الكتب المصنفة فی الحديث ثم صحيح مسلم لمشاركته للبخاری فی اتفاق العلماء علی تلقی كتابه بالقبول (أيضًا ص ۳۰)

امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے راجح ہونے کی وجہ سے صحیح بخاری کو احادیث کی دوسری کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم کا نمبر ہے۔ اس لئے کہ باتفاق علماء قبولیت میں یہ بھی صحیح بخاری کے ساتھ شریک ہے۔

افسوس کہ مصنف نماز پیمبر ارقام فرماتے ہیں غیر مقلدین کا یہ اصول کہ بخاری کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے ایک عوامی نعرہ تو ہو سکتا ہے لیکن علم حدیث سے اس کا کوئی تعلق نہیں (ص ۱۷۴) اصل میں انہیں لکھنا یہ چاہئے تھا کہ یہ علماء کرام کا اصول تو ہو سکتا ہے لیکن تقلید کی جہالت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

نسخ نسخ حنفیہ کا پرانا ہتھیار ہے۔ جب مقابلہ ان کے بس سے باہر ہو جائے اور کسی طرح ان کی دال نہ گلے تو پھر یہ نسخ کا نسخہ استعمال کرتے ہیں۔ کتنے ظلم کی بات ہے اپنے مسلک کے خلاف پائی جانے والی ہر صحیح حدیث کو بغیر کسی دلیل کے اور بغیر تاریخ معلوم کئے بلا جھجک منسوخ کہہ دینا حنفیہ کا تکیہ کلام بن چکا ہے کوئی جواب نہ آیا تو کہہ دیا یہ منسوخ ہے۔ کیا منسوخ کہنے کی یہی دلیل تو نہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر سال بعد پیدا ہوئے تھے لہٰذا فقہ حنفی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

کیلئے ناسخ ہوگئی دراصل نسخ کے اس کلہاڑے میں ان کی تقلیدی مجبوری کا دستہ ٹھکا ہوا ہے۔

اصل حدیث حضرت ابن مسعود کی زیر بحث حدیث کے متعلق ابوداؤد کے یہ الفاظ پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ کہ یہ طویل حدیث سے مختصر ہے اور یہ ان الفاظ میں صحیح نہیں (ص ۲۷۲) امام ابوداؤد نے جس طویل حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ اہل علم کے نزدیک اصل میں وہی ہے جو اس سے متصل پہلے مذکور ہے۔

عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود علمنا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصلوة فكبر ورفع يديه فلما ركع طبق يديه بين ركبتيه قال فبلغ ذلك سعدا فقال صدق أخي قد كنا نفعل هذا ثم أمرنا بهذا يعني الامساك على الركبتين (ص ۲۷۲)

علقمہ سے روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا ہمیں نبی ﷺ نے نماز سکھلائی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور رفع یدین کیا۔ جب رکوع کیا تو اپنے ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھ لئے علقمہ نے کہا۔ یہ بات سعد کو پہنچی تو انہوں نے کہا میرے بھائی نے سچ کہا۔ ہم ایسے ہی کرتے تھے۔ پھر ہمیں گھٹنوں کے اوپر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

یہ حدیث قدرے تفصیل کے ساتھ مسلم میں بھی ہے جس میں تطبیق کے علاوہ یہ بھی ذکر ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے اسود اور علقمہ کو اپنے گھر میں اذان و اقامت کے بغیر اپنے دائیں بائیں کھڑا کر کے جماعت کرائی (ص ۲۰۲) یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں رکوع کی رفع یدین کا نہ ذکر ہے نہ اس کی نفی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہمیں ان تینوں باتوں میں ابن مسعود سے اتفاق نہیں ہے (کتاب الآثار ص ۳۸ مسند امام اعظم ص ۴۳۳) جو بھائی عبداللہ بن مسعود کی ضعیف روایت سے استدلال کر کے رکوع کی

رفع یدین کے قائل نہیں انہیں صحیح سند کے ساتھ مروی ان کی ان باتوں پر بھی عمل کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک روایت اس طرح ہے۔

صليت مع رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأبى بكر وعمر فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلوة (بيهقى ج٢ ص ٨٠، دارقطني ج١ ص ٢٩٥)

میں نے نبی ﷺ اور شیخین ؓ کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ ان میں سے کوئی بھی شروع نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتا تھا۔

اس کی سند میں محمد بن جابر الیمانی سخت قسم کا مجروح ہے (نصب الرایہ ص ۳۹۶۔ الفوائد المجموعہ ص ۲۵۔ الکامل ابن عدی ج ٦) مصنف نماز مسنون نے اس سے بھی استدلال کیا ہے۔ اسے ان کی مجبوری ہی سمجھنا چاہئے۔

امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے تحت نام لئے بغیر ترک رفع یدین کے مسلک کو متعدد صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

براء بن عازب کی روایت

إن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا افتتح الصلوة رفع يديه إلى قريب من أذنيه ثم لا يعود (أبوداود ص ٢٧٣، طحاوى ج١ ص ١٥٤)

نبی ﷺ شروع نماز میں کانوں کے قریب رفع یدین کرتے پھر دوبارہ نہ کرتے

محل استدلال ثم لا یعود ہے۔ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد سے شریک راوی ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں جو حدیث عن سفیان عن یزید مروی ہے اس میں یہ الفاظ نہیں۔ سفیان کہتے ہیں یہ الفاظ بعد میں کوفہ میں جاکر یزید نے ہمیں بتلائے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں اس حدیث کو ھشیم خالد اور ابن ادریس نے بھی یزید سے روایت کیا ہے کسی میں یہ الفاظ نہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ

یزید کے اپنے مدرج الفاظ ہیں شعبہ سفیان ثوری خالد طحان اور زہیر وغیرھم نے اس سے بغیر ان الفاظ کے روایت کیا ہے۔
(تلخیص ج ۱ ص ۲۲۱ عون المعبود ص ۲۷۳)

یہی حدیث بروایت سفیان بیہقی میں یوں بھی مروی ہے۔

حدثنا یزید بن أبی زیاد بمکة عن عبد الرحمن بن أبی لیلی عن البراء بن عازب قال رأیت النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إذا افتتح الصلوة رفع یدیه وإذا أراد أن یرکع وإذا رفع رأسه من الرکوع قال سفیان فلما قدمت الکوفة سمعته یقول یرفع یدیه إذا افتتح الصلوة ثم لا یعود قظنت انهم لقنوه (ص ۷۷)

ہم سے یزید نے مکہ میں عن عبدالرحمٰن عن براء بن عازب روایت کیا کہ میں نے نبی ﷺ کو شروع نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا اور رکوع جاتے وقت بھی اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی۔ سفیان کہتے ہیں جب میں کوفہ میں آیا تو میں نے سنا وہ پہلی دفعہ رفع یدین بیان کرنے کے بعد ثم لا یعود کے الفاظ بولتے۔ میں سمجھ گیا کہ انہیں اہل کوفہ نے یہ پٹی پڑھائی ہے۔

مسند حمیدی میں ہے کہ کوفہ جا کر ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا (ص ۲۰۱)
امام بخاری رحمہ اللہ ' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ' یحیٰی بن معین' دارمی' حمیدی' بیہقی' دار قطنی' بزار منذری وغیرھم کے نزدیک لا یعود کا اضافہ صحیح نہیں ہے۔
(تلخیص ابن حجر ج ۱ ص ۲۲۱)

براء بن عازب سے ابوداؤد میں اگلی روایت یوں ہے۔

رأیت رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رفع یدیه حین افتتح الصلوة ثم لم یرفعهما حتی انصرف (ص ۲۷۴)

میں نے نبی ﷺ کو شروع نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا پھر فارغ ہونے تک آپ ﷺ نے رفع یدین نہ کیا۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صاحب ہدایہ نے رفع یدین کے خلاف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا

لا ترفع الایدی إلا فی سبع مواطن تکبیرۃ الافتتاح وتکبیرۃ القنوت وتکبیرات العیدین وذکر الاربع فی الحج (ص ۷۷)	نہ رفع یدین کیا جائے مگر سات موقعوں پر تکبیر افتتاح کے وقت تکبیر قنوت کے وقت تکبیرات عیدین کے وقت اور چار موقعے حج کے بیان کئے

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ درایہ میں فرماتے ہیں ان الفاظ میں یہ حدیث ناپید ہے اصل روایت یوں ہے۔

لا ترفع الایدي إلا فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوۃ واستقبال القبلۃ وعلی الصفا والمروۃ وعرفات وبجمع وفی المقامین وعند الجمرتین (بزار بیھقی)	نہ رفع یدین کیا جائے مگر سات موقعوں پر شروع نماز میں استقبال کعبہ کے وقت صفا پر مروہ پر۔ عرفات میں۔ مزدلفہ میں اور جمرات میں۔

ہدایہ کے حنفی محشی نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار فرمایا ہے مگر اس میں قنوت اور تکبیرات عیدین کے موقعوں کا ذکر نہیں ہے جو کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

یہ روایت عن ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس بیان کی گئی ہے۔ جزء بخاری میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے شعبہ نے کہا حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ یہ حدیث ان چار میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی پوری سند بیان کی ہے حدثنا محمد بن عثمان بن ابی شیبہ حدثنا محمد بن عمر بن ابی لیلی عن ابن

ابی لیلی ...... (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۰) زیلعی حنفی فرماتے ہیں محمد بن عثمان کو احمد بن حنبل نے کذاب اور ابن خراش نے یضع الحدیث کہا ہے (بحوالہ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۴۲)

محمد بن عمران کو یحییٰ بن سعید نے ضعیف اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سئی الحفظ مضطرب الحدیث کہا ہے (بحوالہ تہذیب) اور ابن ابی لیلی کا بھی حافظہ درست نہ تھا (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۱)

صرف یہی ایک روایت ہے جس میں لا ترفع الا یدی الا ------- کا ذکر ہے یعنی رفع یدین نہ کیا جائے مگر ان مذکورہ سات موقعوں پر اس میں بے شک حصر پایا جاتا ہے۔ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور روایتیں بیان کی ہیں۔ مگر ایک تو انہیں ضعیف ثابت کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان میں لا ترفع الخ کے حصر یہ الفاظ نہیں بلکہ ترفع الا یدی فی سبع مواطن کے الفاظ ہیں۔ جس میں حصر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایتیں بھی حنفیہ کے کام کی نہیں ہیں۔

مصنف نماز مسنون نے اس روایت کو صرف ابن عباس کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔

لا ترفع إلا يدي إلا فی سبع مواطن إذا قام إلى الصلوة الخ (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص ۲۳۷، نماز مسنون ص ۳٤۸)

نہ رفع یدین کیا جائے مگر سات مقامات میں جب نماز کیلئے کھڑا ہو الخ

اور ابو حمزہ کہتے ہیں۔

رأيت ابن عباس إذا افتتح الصلوة يرفع يديه وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع (مصنف ابن ابی شيبة ج۱ ص ۲۳۵، مصنف عبد الرزاق)

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ شروع نماز کے وقت بھی رکوع جاتے وقت بھی اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

خرج علینا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فقال مالی أراکم رافعی أیدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة (مسلم ص ۱۸۱)

نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا ہے میرے لئے میں تمہیں دیکھتا ہوں اپنے ہاتھوں کو اٹھانے والے گویا کہ یہ دمیں ہیں سرکش گھوڑوں کی سکون سے نماز پڑھا کرو۔

رفع یدین کی سنت کے خلاف بس یہی ایک صحیح حدیث ہے جو سب حنفیہ پیش کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ خاص اس حدیث میں یہ ذکر ہی نہیں کہ کس موقع پر رفع یدین کرنے سے نبی ﷺ نے انہیں منع فرمایا تھا۔ ایک طرف احناف دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی نظر ایک حدیث پر نہیں ہوتی بلکہ احادیث پر ہوتی ہے۔ دوسری جانب ان کا یہ حال ہے کہ اس حدیث کے متصل بعد دو جگہ اسی صحابی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مذکور ہے۔ جس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے کس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ وہ موقع یہ ہے

کنا إذا صلینا مع رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قلنا السلام علیکم ورحمة الله السلام علیکم ورحمة الله وإشار بیده الی الجانبین

ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں سلام پھیرتے وقت دونوں جانب ہاتھ سے اشارے کرتے تھے۔ جس سے آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔

ان تمام احادیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی باب کے تحت لائے ہیں اور وہ سلام کا باب ہے یعنی

باب الأمر بالسکون فی الصلوة نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم اور

والنهي عن الإشارة باليد فيها عند السلام	ہاتھ سے اشارہ کا منع ہونا سلام کے وقت

صحیح مسلم میں رکوع کے وقت رفع یدین کا باب الگ ہے جو ۱۶۸ میں مذکور ہے۔

حنفیہ کو دراصل یہ وہم ہے کہ پہلی حدیث میں تو یہ الفاظ ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کنا اذا صلینا مع رسول اللہ ﷺ الخ کہ ہم نبی ﷺ کے نماز پڑھ رہے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔ دوسری حدیث بے شک سلام کے بارے میں ہے لیکن پہلی حدیث لازما رکوع کی رفع یدین کے بارے میں ہے۔ چنانچہ نماز مسنون، نماز مدلل اور نماز حنفی مدلل کے مصنفین نے جابر بن سمرہ کی اس روایت کو رفع یدین کے خلاف سرفہرست استعمال کیا ہے۔ نماز پیمبر کے مصنف نے اسے دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔ جابر بن سمرہ کی یہ روایت جس میں سرے سے رکوع کی رفع یدین کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اس سے رکوع کی رفع یدین کے خلاف دلیل لینا استدلال بالجبر ہے اور نری دھکا شاہی ہے۔ چونکہ ان کے دل و دماغ میں اس سنت کے خلاف نفرت سمائی ہوئی ہے اس لئے انہیں ایسا ہی نظر آتا ہے۔ اس ذہنیت کو تقلید خولیا کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی نے ایک بھوکے سے پوچھا دو اور دو کیا ہوتا ہے اس نے کہا چار روٹیاں۔ اپنی دلیل کو مضبوط بنانے کیلئے اور ان دونوں احادیث کو الگ الگ واقعات ثابت کرنے کے لئے نماز پیمبر کے مصنف نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر سچائی کی اعلیٰ مثال قائم نہیں کی۔ مسلم شریف کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ ہم اپنی اپنی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا (ص ۱۶۹) حالانکہ مسلم شریف کی اس حدیث میں یہ ہرگز ذکر نہیں ہے کہ ہم اپنی اپنی نماز پڑھ رہے تھے۔ البتہ جزء بخاری میں ہے۔

دخل علینا النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ونحن رافعوا أیدینا فی الصلوۃ فقال الحدیث	نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم نماز میں ہاتھ اٹھا رہے تھے تو فرمایا الخ

یہ حرکت صرف اس لئے کی گئی ہے تاکہ واقعہ کے الگ ہونے پر پکی مہر لگائی جا سکے۔ اور پھر ان حضرت صاحب نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد بطور حوالہ باب کے صرف اتنے ہی الفاظ نقل کئے ہیں الا مر بالسکون فی الصلوۃ حالانکہ صحیح مسلم میں اس سے آگے یہ الفاظ بھی ہیں والنھی عن الإشارۃ بالید فیھا عند السلام

یہ اختصار غالباً اس لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ بات لوگوں سے مخفی رہے کہ یہ حدیث رکوع کے بارے میں نہیں بلکہ سلام کے بارے میں ہے۔ یہی چالاکی نماز مدلل کے مصنف نے بھی فرمائی ہے (ص ۱۰۱)

اصل بات یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہیں۔ ان کے الگ الگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے پہلی حدیث کے مطابق تو جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا الخ۔ دوسری حدیث میں یہ ہے جب ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تو سلام کے وقت یوں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا الخ یعنی انہوں نے ایک پچھلا معمول بیان کیا ہے۔ یہ ایک نماز کا ذکر نہیں بلکہ کئی دفعہ کے معمول کا ذکر ہے۔ تو ایک روز نبی ﷺ تشریف لائے تو انہیں یہ بات سمجھائی کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا دینا اور پھر اس پر استدلال کی عمارت کھڑی کر دینا حدیث کی خدمت نہیں تقلید کے گرتے ہوئے بت کو سہارا دینے والی بات ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

کنا إذا صلینا خلف النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قلنا السلام علی جبرئیل	جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم کہتے سلام ہو جبرئیل پر اور میکائیل

ومیکائیل السلام علی فلان وفلان فالتفت إلینا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم فقال إن الله هو السلام فإذا صلی أحدکم فلیقل التحیات الحدیث (عن ابن مسعود بخاری ص ۱۱۵)	پر سلام ہو فلاں پر اور فلاں پر پس نبی ﷺ نے ہماری طرف جھانکا اور فرمایا اللہ تعالیٰ سلام ہے نماز پڑھو تو کہو التحیات للہ الخ

اس حدیث کا بھی یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرامؓ نے یہ الفاظ ایک دفعہ کہے تھے بلکہ انہوں نے اپنا ایک معمول بیان کیا ہے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی زیر بحث حدیث کو تمام محدثین باب السلام کے ضمن میں ہی لائے ہیں۔ یہ دونوں قسم کی حدیثیں ابوداؤد میں بھی موجود ہیں اور دونوں اس باب کے تحت ہیں (باب فی السلام ص ۳۷۸) اور یہ دونوں نسائی میں بھی موجود ہیں اور ان پر یہ باب قائم ہے باب السلام بالا یدی فی الصلوۃ (ص ۱۳۹)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جابر بن سمرہ والی روایت سے تشہد . حالت قیام کی رفع یدین مراد لینا بے علم لوگوں کا کام ہے (جزء بخاری ص ۱۵) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد سلام کے وقت رفع یدین ہے (شرح مسلم ص ۱۸۱)

ابن حبان فرماتے ہیں

إنما امروا بالسکون فی الصلوۃ عند الإشارۃ بالتسلیم دون الرفع الثابت عند الرکوع (تلخیص الحبیر ج۱ ص ۲۲۱)	اس حدیث سے سلام کے وقت رفع یدین سے منع کیا گیا ہے اس رفع یدین سے نہیں جو کہ رکوع کے وقت ثابت شدہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اپنا بھی یہی خیال ہے (ایضا) ابن عبدالبر نے بھی اس سے سلام کی رفع یدین مراد لی ہے وہ کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ایک عمل آنحضرت

ﷺ خود کریں اور اسے صحابہ کرامؓ کیلئے مسنون بھی فرمائیں اور پھر اس سے روکیں (تمہید ج ۱ ص ۲۲۱) یعنی حدیث جن کا فن ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے سلام کی رفع یدین مراد ہے اور جن کا یہ فن نہیں وہ خواہ مخواہ دخل در معقولات کر کے یہ کہتے ہیں کہ اس سے رکوع کی رفع یدین مراد ہے۔ بلکہ شیخ عابد بن احمد سندھی رحمہ اللہ مواہب لطفیہ میں فرماتے ہیں۔

فلا یلیق الاستدلال بهذا الحدیث فی نفی الرفع فافهم (مرعاة ج۲ ص ۲۵۷)

اس حدیث سے رفع یدین کی نفی پر استدلال کرنا مناسب نہیں

امیر علی حنفی رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی تردید کی ہے کہ اس سے رکوع کی رفع یدین مراد لی جائے (حاشیہ مسلم ج ۱ ص ۱۸۲ طبع نو لکشور) ابن سید الناس فرماتے ہیں اس حدیث کا تکبیر کی رفع یدین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ ان لوگوں کے رد میں ہے جو نماز میں سلام پھیرتے وقت دونوں طرف رفع یدین کرتے تھے (التنقیح الشذی شرح ترمذی)

علامہ سندھی حنفی نے بھی حاشیہ نسائی (ص ۱۷۶) میں اس حدیث کے تحت تسلیم فرمایا ہے

أي بالسلام ولذا عقبه بالرواية الثانية والمقصود النهی عن الإشارة عند السلام ولا دلالة فيه على النهی عن الرفع عند الركوع وعند الرفع عنه ولذلك قال النووی استدلال به على النهی عن الرفع عند الركوع وعند الرفع منه جهل قبيح . . . . قد صح وثبت الرفع عند الركوع وعند الرفع منه ثبوتا

یعنی سلام کے وقت۔ اسی لئے آگے دوسری روایت لائے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں رکوع والی رفع یدین کا رد مراد نہیں۔ اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے رکوع والی رفع یدین کے خلاف دلیل لینا بدترین جہالت ہے۔ نبی ﷺ سے رکوع کی رفع یدین

لا مردله فیجب حمل هذا اللفظ علی خصوص المراد

بالصحت ثابت ہے اور ناقابل تردید ہے لہٰذا اس لفظ کو خاص موقع پر (یعنی سلام پر) محمول کرنا چاہئے۔

جابر بن سمرہ والی دونوں احادیث کا ایک مضمون ہونا اور دونوں سے سلام کی رفع یدین مراد ہونا اس بات سے بھی عیاں ہے کہ ہر دو میں یہ الفاظ ہیں کا نہا اذناب خیل شمس (گویا کہ وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں) ہو بہو ایک جیسے الفاظ کو دو مختلف باتوں پر محمول کرنا بلا دلیل ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس حدیث کے مطابق صحابہ کرام سلام کے وقت ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کرتے تھے۔ گھوڑے بھی دائیں بائیں دم ہلاتے ہیں جبکہ مسنون رفع یدین سیدھی قبلہ رخ ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کی طرف ایسی غلط تشبیہ منسوب نہیں کرنی چاہئے۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں ایک دفعہ دونوں استاد شاگرد کو مسجد کوفہ میں ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا عبداللہ بن مبارک رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایسا نہیں کرتے تھے نماز کے بعد ابن مبارک سے کہنے لگے مجھے تو یوں لگتا تھا جیسے تم اڑنے لگے ہو۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا شروع نماز میں جب آپ نے رفع یدین کیا تو مجھے بھی یہی لگا تھا کہ آپ اڑنے لگے ہیں۔ امام صاحب خاموش ہوگئے۔ اس واقعہ کے راوی دکیع کہتے ہیں کہ ابن مبارک نے جواب میں نہایت حاضر دماغی کا ثبوت دیا (بیہقی ج ۲ ص ۸۲ نصب الرایہ)

اگر یہ نوک جھوک صحیح ہے تو میں سمجھتا ہوں امام صاحب کا رفع یدین کو پرندے کے اڑنے سے تشبیہ دینا صحیح نہیں کیونکہ پرندہ بھی دائیں بائیں پر ہلاتا ہے جبکہ رفع یدین آگے کی طرف ہوتی ہے۔ نیز اس میں سنت کا استہزاء بھی ہے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کر کے حنفیہ نے گویا یہ بات مان لی

ہے کہ صحابہ کرام پہلے رکوع کی رفع یدین کیا کرتے تھے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا دیا۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اگر کرتے تھے تو انہوں نے نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہوگا تبھی کرتے تھے۔ اپنی طرف سے تو انہوں نے شروع نہیں کر دی تھی۔ حافظ حبیب اللہ ڈیروی حنفی صاحب بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایت نسخ رفع یدین میں مفید ہے (نور الصباح ص ۷٦) منسوخ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک عمل پہلے تھا جو بعد میں نہ رہا تو جو رفع یدین پہلے نبی ﷺ بھی کرتے رہے اور آپ کی اتباع میں صحابہ کرام بھی کرتے رہے اس رفع یدین کو آپ ﷺ سرکش گھوڑوں کی دموں سے کیسے تشبیہ دے سکتے تھے۔

یہ رفع یدین اگر اتنی ہی بدزیب ہے اور اس کی مثال اتنی ہی بری ہے۔ تو نبی ﷺ کے اس فرمان کے بموجب ہر رفع یدین کو منسوخ ہو جانا چاہئے تحریمہ کے وقت بھی، تکبیر قنوت کے وقت بھی، تکبیرات عیدین کے وقت بھی۔ سات مقامات کو مستثنیٰ کرنے کا کیا جواز ہے۔ والعبرة لعموم اللفظ

اسکنوا فی الصلوۃ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں اس میں اسکنوا فی الصلوۃ کے الفاظ ہیں جبکہ مسلم کی دوسری روایتوں میں یہ الفاظ نہیں۔ اس سے بھی حنفیہ کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔ نیز حنفیہ کے خیال کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ سکون کا حکم اثنائے نماز سے متعلق ہے اس لئے اس سے رکوع کی رفع یدین مراد لی جا سکتی ہے۔ سلام پر تو نماز ختم ہو جاتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین سکون کے منافی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا بھی حکم ہے۔

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اللہ تعالیٰ کیلئے چپکے کھڑے ہو جاؤ۔

گزارش ہے کہ اسکنوا فی الصلوۃ کے الفاظ بے شک اگلی دونوں احادیث میں نہیں ہیں لیکن ایسے الفاظ ضرور موجود ہیں جن کا مقصد یہی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے۔

إنما یکفی أحدکم أن یضع یدہ علی فخذہ	تمہیں اپنے ہاتھ اپنی ران پر رکھنے چاہیں۔

دوسری میں ہے۔

ولا یومی بیدہ	اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے

یعنی اگر اسکنوا فی الصلوۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہاتھوں کو نہ ہلایا جائے تو ان دونوں عبارتوں کا مطلب بھی تو یہی ہے بلکہ ان سے اسکنوا فی الصلوۃ کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے یعنی اگر ہاتھوں کو اٹھانا نہیں تو پھر انہیں کہاں رکھنا ہے۔ بلکہ بعض دیگر رفع یدین عند السلام والی روایتوں میں باقاعدہ سکون کا لفظ موجود ہے۔ مثلاً (صحیح ابن خزیمہ ص ۳۶۱' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۶۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۵۶)

دوسرا شبہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کے بیچ میں سکون کا حکم دیا ہے۔ اس طرح حنفیہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہیں (۱) رفع یدین عند الرکوع کی تردید اور (۲) تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا تحفظ۔ گویا شروع اور آخر میں ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک نہ تحریمہ ہی نماز کا حصہ ہے اور نہ سلام نماز کا حصہ ہے۔ حالانکہ صاحب ہدایہ نے تحریمہ کو نماز کے فرائض میں شمار کیا ہے۔ اور جو عمل نماز کا فریضہ ہو وہ نماز سے باہر کیسے ہو سکتا ہے اور اگر رکوع میں سکون ضروری ہے تو تحریمہ میں کیوں ضروری نہیں۔ نبی ﷺ نے سلام کو نماز میں شمار کیا ہے۔

ما بال الذین یرمون بایدھم فی الصلوۃ کانھا أذناب الخیل الشمس (عن جابر بن سمرۃ مسند ابوعوانہ عربی ج۳ ص ۲۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن)	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح نماز میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہیں۔

امام نسائی نے یوں باب باندھا ہے باب السلام بالا یدی فی الصلوۃ

(ص ۱۳۹) طحاوی نے یوں باب باندھا ہے باب السلام بالا یدی فی الصلوۃ
(ج ا ص ۱۵۸) امام شافعی نے یوں باب باندھا ہے باب السلام فی الصلوۃ
یعنی یہ سب لوگ سلام کو نماز میں شامل سمجھتے ہیں۔ تو زیر بحث حدیث سے صرف اس لئے رکوع کی رفع یدین مراد لینا کہ اس سے سلام کی ممنوعہ رفع یدین مراد نہیں ہو سکتی کتنی غلط بات ہے۔ باقی یہ کہنا کہ رفع یدین سکون یا خشوع کے منافی ہے تو یہ نہایت ہی واہیات بات ہے۔ اس سے حنفیہ کا مسلکی سکون ضرور درھم برھم ہوتا ہوگا اور ان کا ذاتی خشوع ٹوٹتا ہوگا الحمد للہ نماز کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ نماز تو مختلف حرکات ہی کی ترکیب کا نام ہے۔ ہر رکعت میں سات بار پورے جسم کی حرکت اگر خشوع کے منافی نہیں بلکہ تکبیر قنوت اور تکبیرات عیدین کی رفع یدین اگر سکون کیلئے مضر نہیں تو رکوع کی رفع یدین سے نماز کے خشوع کو کیا خطرہ ہے۔

مسند حمیدی والی حدیث حال ہی میں دیوبندی "محدثین" رفع یدین کے خلاف ایک بالکل نئی ورائٹی مارکیٹ میں لائے ہیں۔ مولنا حبیب الرحمان صاحب اعظمی دیوبندی محدث نے مسند حمیدی کا نسخہ شائع کیا ہے جس میں حدیث نمبر ۶۱۴ یوں نقل فرمائی ہے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا الزھری قال اخبرنی سالم بن عبد اللہ عن ابیہ قال رأیت رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم إذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ وإذا أراد أن یرکع وبعد ما یرفع رأسہ عن الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو اپنے کندھوں کے برابر رفع یدین کی رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ ہی دو سجدوں کے درمیان

اسے لکھ کر کچھ نئے محققین پھولے نہیں سما رہے حالانکہ اصل نسخے

میں (جو کہ مکتبہ ظاہریہ کے نسخہ سے ماخوذ ہے اور جس کی فوٹو کاپی حرم مکی میں موجود ہے اور جس کی تصویر مولنا اعظمی صاحب کے بھی پیش نظر ہے) عبارت یوں ہے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزھری ...... ولا یرفع بین السجدتین	اور انہیں رفع یدین کرتے تھے دو سجدوں کے درمیان

یعنی سنت دشمنی میں ولا یرفع بین السجدتین کو فلا یرفع ولا بین السجدتین کر دیا۔ ایسی بے اصولیاں تو کھیل کے میدان میں بھی نہیں چلتیں پھر اس جوش میں انہیں حضرت سفیان بھی نظر نہ آئے اچھی بھلی متصل سند کو منقطع بنا دیا۔

امام زھری کے تیرہ شاگردوں اور سفیان بن عیینہ کے چوبیس سے زیادہ شاگردوں نے ابن عمر والی روایت کو اثبات رفع یدین میں بیان کیا ہے۔ نیز امام حمیدی اور سفیان بن عیینہ کا اپنا مسلک بھی یہی ہے (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۲) پھر اس سے متصل اگلی حدیث نمبر ۶۶۵ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کے بغیر نماز پڑھنے والوں کو کنکر مارا کرتے تھے۔

اعظمی صاحب کی خیانت کا پول یوں بھی کھل جاتا ہے کہ ان کے اس نسخہ کی اشاعت سے پہلے تک کبھی کسی حنفی کو حمیدی والی اس روایت سے ترک رفع یدین کی دلیل نہیں سوجھی تھی۔ جبکہ یہ مسئلہ صدیوں سے معرکۃ الارا چلا آرہا ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ

مسند ابوعوانہ والی روایت

حدثنا عبد اللہ بن ایوب المخزومی وسعدان بن نمیر وشعیب بن عمر	حضرت ابن عمر کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا اپنے کندھوں کے برابر

فی اخرین قالوا حدثنا سفیان بن عیینة عن الزهری الزهری عن سالم قال رأیت رَسُولَ اللهِ صَلَّـی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم إذا افتتح الصلوة رفع یدیه حذو منکبیه وإذا أراد أن یرکع وبعد ما یرفع رأسه من

رفع یدین کیا جب نماز شروع کی اور جب رکوع کا ارادہ کیا اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد۔ نہیں رفع یدین کرتے تھے اور بعض نے کہا دو سجدوں کے درمیان نہیں کرتے تھے۔ مطلب ایک ہی ہے۔

الرکوع لا یرفعهما وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد

اس حدیث میں بھی حنفیہ نے اپنا ایک کمال دکھلایا ہے۔ اس کے ترجمے کا ہیر پھیر ان کا تازہ اور اچھوتا کارنامہ ہے۔ یہ لا یرفعهما کو پہلی عبارت کی جزا بنا کر یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے لا حول ولا قوة الا باللّٰه۔ حالانکہ اس صورت میں والمعنی واحد کے الفاظ ہی مہمل رہ جاتے ہیں محدث ابو عوانہ دراصل سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ بعض راویوں نے لا یرفعهما بین السجدتین کہا ہے اور بعض نے لا یرفع بین السجدتین کہا ہے اور مطلب ایک ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر لا یرفع کو پہلی عبارت کی جزا بنا دیا جائے تو پھر کن دو باتوں کا مطلب ایک ہے۔

محدث ابو عوانہ نے اس حدیث پر باب ہی یہ باندھا ہے۔

باب رفع الیدین فی افتتاح الصلوة قبل التکبیر بحذاء منکبیه وللرکوع ولرفع رأسه من الرکوع وإنه لا یرفع بین السجدتین

بیان ہے کندھوں کے برابر رفع یدین کرنے کا شروع نماز میں اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور یہ کہ آپ ﷺ سجدتین کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ محدث باب تو قائم کریں اثبات رفع یدین کا اور پھر

نیچے سرفہرست حدیث لائیں ترک رفع یدین کی یہ روایت بیہقی ج ۲ ص ۶۹ میں بھی موجود ہے جس میں تینوں قسم کی رفع یدین کے بعد آخر میں مذکور ہے ولا یرفع بین السجدتین ظاہر ہے کہ اس میں کوئی رولا نہیں ہے۔ پھر ابو عوانہ نے اس سے آگے جو حدیثیں اور آثار بیان کئے ہیں وہ بھی سب اثبات رفع یدین میں ہیں سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے والے تمام راوی جو بیس سے اوپر ہیں سب نے ان سے رفع یدین ہی روایت کی ہے۔ ان میں امام شافعی بھی شامل ہیں (کتاب الام ج ا ص ۷۸۹)

مولنا خالد گرجاکھی صاحب کی یہ بات دل کو لگتی ہے کہ کیا تعجب ہے کہ حنفی ناشرین نے ہی کوئی گل کھلا دیا ہو اور لا یرفعهما سے پہلے واؤ جو تمام دوسرے محدثین نے لکھی ہے گرا دی ہو یا ہو سکتا ہے سہوا ہی رہ گئی ہو (جزء رفع یدین ص ۵۳)

حنفیہ کے لطائف بہت ہیں۔ منجملہ ایک لطیفہ ملاحظہ ہو۔ اس مضمون کے شروع میں حضرت عبداللہ بن عمر کی متفق علیہ حدیث گزری ہے جو مشکوۃ شریف میں بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رفع یدین کرتے نماز شروع کرتے وقت رکوع کیلئے تکبیر کہتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرتے اور سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہتے حنفیہ نے ایک مترجم مشکوۃ شائع کی ہے جس میں وہ رفعهما ایضا کا ترجمہ ہی کھا گئے ہیں لکھتے ہیں اسی طرح جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (ص ۱۷۰) میرے بھائی اس طرح کچھ نہیں بنتا۔ یہ ترجمہ جناب عبدالحکیم خاں اختر شاہجہاں پوری نے کیا ہے اور جسے فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔

روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ بعض بانکے قسم کے مقلدین مندرجہ ذیل روایت سے بھی استدلال کرنے سے نہیں چوکتے۔

عن ابن عمر إنه عليه السلام كان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

لا یرفع یدیہ إلا فی أول مرة (خلافیات بیهقی، نصب الرأیة ج۱ ص ٤٠٤)

آنحضرت ﷺ نہیں رفع یدین کرتے تھے مگر پہلی بار

حالانکہ خود صاحب نصب الرایہ علامہ زیلعی حنفی نے اور حافظ ابن حجر نے درایہ میں امام بیہقی کے حوالہ سے حاکم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔ تردید کے بغیر اس کا ذکر کرنا جائز نہیں۔

اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ

عن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ إلا فی التکبیرة الاولی من الصلوة

مجاہد کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(طحاوی ج۱ ص ۱۵۵، مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص ۲۳۷ وغیرہ)

یہ روایت عن ابی بکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد مروی ہے۔ اول الذکر دونوں کا حافظہ آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا (تقریب و میزان الاعتدال) بخاری شریف میں ابوبکر بن عیاش سے جو روایت مروی ہے وہ استقلالا نہیں بلکہ متابعتہ" ہے (ص ۲۵ ے) متابعت میں صحت شرط نہیں۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث ابوبکر کا وہم ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں (جزء رفع یدین بخاری ص ۹) پھر کتاب العرفتہ بیہقی میں ہے کہ یہ روایت دراصل مرسلا و موقوفا ابن مسعود سے ہے آخر عمر میں حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ابوبکر نے اسے ابن عمر کی طرف منسوب کر دیا۔ حاکم نے کہا ابوبکر بن عیاش پہلے تو ثقہ تھے۔ بعد میں ان کی یادداشت کمزور ہو گئی۔ تو اس ضعیف روایت سے ابن عمر کی (صحیح) حدیث کو منسوخ کرنے کا کیا جواز ہے۔ یا ہو سکتا ہے انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے رفع یدین نہ کی ہو کہ یہ واجب نہیں بلکہ صرف سنت ہے (نصب الرایہ زیلعی ج ۱ ص ۴۰۹ تحفہ ص ۲۲۲) علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی نے بھی انہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے اور اس سے حنفیہ کے استدلال کا رد فرمایا ہے (التعلیق المجد ص ۹۳)

ابوبکر بن عیاش سے ایک روایت یوں مروی ہے۔

ما رأیت فقیها قط یرفع یدیه فی غیر تکبیرة التحریمة (طحاوی ج۱ ص ۱۵٦ تحفة ص ۲۲۲)

میں نے کبھی کسی فقیہ کو تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین کرتے نہیں دیکھا

یہ بات بھی ابوبکر بن عیاش کے حافظے کی خرابی پر دال ہے ورنہ صاحب عرف شذی حنفی نے خود تسلیم کیا ہے۔

قد ثبت الرفع تواترا عملا لا یمکن لأحد انکاره (بحوالہ تحفہ ص ۲۲۲)

رفع یدین پر عمل تواتر سے ثابت ہے۔ کسی کیلئے اس کا انکار ممکن نہیں۔

نیز ابوبکر بن عیاش چونکہ کوفی ہیں اس لئے ہو سکتا ہے ان کی مراد کوفہ کے فقیہ ہوں۔

ترک رفع یدین کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر عبدالعزیز بن حکیم کی روایت سے موطا امام محمد میں بھی ہے۔ عبدالعزیز سے محمد بن ابان بن صالح روایت کرتا ہے جسے امام بخاری نے لیس بالقوی قرار دیا ہے (میزان الاعتدال)

بروایت مجاہد ابن عمر کے اثر سے مصنف نور العینین (حنفی) نے بھی استدلال کیا ہے۔ پھر اس کے تحت یہ ثابت کرنے کیلئے کہ صحابہ و تابعین کا عام طور پر رفع یدین پر عمل نہیں تھا یہ روایت بیان کی ہے۔

عن محارب بن دثار قال رأیت ابن عمر یرفع یدیه کلما رکع وکلما رفع رأسه من الرکوع فقلت له ما هذا قال کان النبی صلی الله علیه وسلم إذا قام فی الرکعتین کبر ورفع یدیه (مسند أحمد ج۲ ص ۱٤٦)

محارب بن دثار سے مروی ہے میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ جب بھی رکوع میں جاتے سر اٹھاتے تو ہمیشہ رفع یدین کرتے۔ میں نے کہا یہ کیا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں سے اٹھ کر تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے تھے۔

اس اثر کے کل راویوں کو ثقہ کہنے کے بعد فرماتے ہیں محارب بن دثار کا

یہ کہنا ماھذا (یہ کیا؟) صاف پتہ دیتا ہے کہ اس زمانہ میں رفع یدین شائع نہ تھا الخ (ص ۷۸) حالانکہ اصل چیز یہ نہیں کہ شائع کیا تھا اور کیا نہیں تھا۔ اصل چیز یہ ہے کہ نبی ﷺ کا عمل کیا تھا۔ یہ روایت لا کر حنفی مصنف نے غلطی سے تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کا عمل اثبات رفع یدین کا تھا۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی طرح احناف ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ ملازم صحبت یا فقیہہ نہیں تھے۔ باقی ایک بات اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو وہ کسی مسئلہ کی دلیل نہیں بلکہ وہ اس کی بے خبری کی دلیل ہے۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کسی کو بھی صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا نہ میں خود پڑھتا ہوں (بخاری ص ۱۵۷) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا (مسلم ص ۲۴۹) حالانکہ صلوٰۃ الضحیٰ بالاتفاق سنت ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت تین دفعہ دہرا کر دی (بخاری ۱۵۷) اور صحابہ کرامؓ بکثرت پڑھتے تھے (مسلم ص ۲۷۸) مصنف نماز مسنون نے بھی اسے جائز اور مباح لکھا ہے (ص ۵۵۶) مگر مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا ابوتمیم پر تعجب ہے کہ وہ قبل از نماز مغرب دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم خود حضور ﷺ کے زمانے میں پڑھتے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا اب کیا رکاوٹ ہے تو کہنے لگے مصروفیت (بخاری ص ۱۵۸)

میرے بھائی رفع یدین تو ایک طرف رہی ایک زمانہ تھا لوگ نماز میں تکبیریں کہنا بھی چھوڑ گئے تھے تو اس کا کیا علاج۔ کیا عوام کی بے خبری حجت کہلانے کے قابل ہے۔ دین قرآن و سنت کا نام ہے۔ عوام کی بے خبری کا نام دین نہیں فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول

عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے مکہ میں ایک شیخ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی جس نے بائیس دفعہ اللہ اکبر کہا۔ میں نے ابن عباس سے کہا یہ تو احمق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے تیری ماں تجھے گم پائے یہ تو ابوالقاسم ﷺ کی

سنت ہے (بخاری ص ۱۰۸)

ابو سلمہ سے روایت ہے۔

إن اباهريرة كان يكبر فى الصلوة كلما رفع ووضع فقلنا يا أباهريرة ما هذا التكبير قال انها لصلوة رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم ص ١٦٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز کی ہر نقل و حرکت میں تکبیر کہتے میں نے کہا اے ابوہریرہ یہ کیا۔ تو فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔

طحاوی میں ہے کہ بنو امیہ نے نماز میں نیچے جاتے ہوئے تکبیرین کہنا چھوڑ دی تھیں اور یہ پہلی سنت نہیں تھی جسے انہوں نے چھوڑا تھا (بحوالہ تحفہ ص ۲۱۸) معلوم ہوتا ہے ترک رفع یدین بھی کسی ایسے ہی وقت کی یادگار ہے جسے حنفیہ نے مسئلہ بنالیا ہے۔

اسی طرح ایک وقت تھا لوگ نماز میں سلام بھی ایک طرف کہنے لگے تھے۔

ابو معمر سے روایت ہے۔

ان اميرا كان بمكة يسلم تسليمتين فقال عبد الله انى علقها . . . ان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يفعله كان (مسلم ص ٢١٦)

امیر مکہ دو طرف سلام کہتے تھے تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے کہا یہ بات انہوں نے کہاں سے حاصل کر لی ---- نبی ﷺ کا یہی عمل تھا

اس سے ثابت ہوا کوئی سنت اجنبی ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سنت ہی نہیں ہے۔

اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه فى أول تكبيرة ثم لا يعود (طحاوى ج١ ص

اسود کہتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے پھر دوبارہ نہیں کرتے

۱۵۶، مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص ۲۳۷) تھے۔

اس کی سند میں راوی حمانی مجہول ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۸۳)
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بیہقی نے حاکم سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت عبدالملک بن ابجر عن الزبیر بن عدی مروی ہے۔ جو روایت عن الثوری عن الزبیر مروی ہے اس میں لا یعود نہیں ہے۔ محفوظ روایت یہی ہے (درایہ بحوالہ تحفہ ص ۲۲۱)

بیہقی میں محفوظ سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عمر رفع یدین کیا کرتے تھے (ج ۲ ص ۷۴) نصب الرایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے ص ۲۱۱' ۲۱۷۔
اسود سے ایک اور روایت مروی ہے جس میں ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابواسحاق میں سے کسی کو بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)
اس روایت کو امام حاکم نے شاذ قرار دیا ہے (نصب الرایہ)

روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ

عن علی ان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی التی یفتتح بھا الصلوۃ ثم لا یرفع فی شیئ من الصلوۃ (کتاب العلل دارقطنی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی تکبیر افتتاح کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے پھر پوری نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اس روایت کا کتاب العلل میں ہونا ہی ثبوت ضعف کیلئے کافی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو رفع یدین کے اثبات میں ابوداوٗد ص ۱۷۱' ترمذی ۲۳۹' بیہقی ج ۲ ص ۷۴' مسند احمد ج ۱ ص ۹۶' ابن خزیمہ جزء بخاری دار قطنی وغیرہ میں روایات موجود ہیں۔ اس کی مختلف سندوں میں عبدالرحمٰن بن ابی زناد راوی مختلف فیہ

ہے۔ بعض نے اسے ثقہ اور بعض نے اسے ضعیف کہا ہے تاہم صرف صحیح روایات کی تائید میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ ترک رفع یدین کی روایت میں تو اتنی جان بھی نہیں۔

اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ

عن عاصم بن کلیب عن أبیه ان علیا کان یرفع یدیه فی التکبیرة الاولی من الصلوة ثم لا یرفع بعد (طحاوی ج۱ ص ۱٥٤، بیهقی ج۲ ص ۸۰، مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص ۲۲٦، مؤطأ امام محمد ص ۸۸، جزء رفع یدین بخاری ص ۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سفیان ثوری اس روایت کو نہیں پہچانتے تھے (جزء رفع یدین ص ۸) عاصم بن کلیب یہ روایت بیان کرنے میں متفرد ہے۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس روایت میں یہ متفرد ہو اس سے حجت نہ پکڑی جائے (میزان ذھبی) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کسی صحابی سے اگر ترک رفع یدین ثابت ہو تو اس کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ انہوں نے رفع یدین کو سنت موکدہ نہیں سمجھا ہوگا۔ یہ خیال کرنا کہ صحابی کے پاس یقیناً کوئی نسخ کی دلیل ہوگی تبھی انہوں نے رفع یدین کو چھوڑ دیا ہوگا محض ایک حسن ظن ہے۔ اس ظن کی بنا پر ایک ثابت شدہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منسوخ قرار دینے کی جرات نہیں کرنی چاہئے جبکہ دونوں قسم کی روایتوں میں تطبیق بھی تو ممکن ہے (التعلیق الممجد ص ۹۱' بحوالہ تحفہ ص ۲۲۱)

اس اثر کو عاصم بن کلیب سے ابوبکر النہشلی نے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے یہ اثر نقل کرنے کے بعد عثمان دارمی کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی سند واھی یعنی فضول اور بے کار ہے پھر ایک اور سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افتتاح کے علاوہ رکوع کی رفع یدین کرتے بھی دیکھا پھر کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر اپنے عمل کو ترجیح دیتے۔ نیز ابوبکر نہشلی ایسا راوی نہیں ہے کہ تنہا اس سے حجت

پکڑ لی جائے (ج ۲ ص ۸۰)

عباد رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت

لم یرفع النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الا فی أول مرة (بیھقی فی الخلافیات نصب الرأیة ج۱ ص۴۰۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی بار رفع یدین کیا

عباد تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هذا مرسل وفی إسناده إیضا من ینظر فیه (درایة بحواله تحفه ص ۲۲۲)

یہ روایت مرسل ہے۔ اس کی سند میں اور بھی ہے جس پر نظر ہے۔

حنفی مصنفین کے علی الرغم حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی ایک صحابی سے بھی صحیح سند کے ساتھ ترک رفع یدین ثابت نہیں چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کان اصحاب رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یرفعون أیدیھم إذا رکعوا وإذا رفعوا رؤسھم من الرکوع کانما أیدیھم مر أوح (بیھقی ج۲ ص ۷۵، مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص ۲۳۵، جزء بخاری ص ۱۳، نصب الرأیه ج۱ ص ۴۱۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت یوں رفع یدین کرتے تھے جیسے ان کے ہاتھ پنکھے ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولم یثبت عن أحد من أصحاب النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انه لا یرفع یدیه ولیس اسانیده اصح من رفع الا یدی (جزء بخاری ص ۲۵)

رفع یدین کا ترک کسی ایک صحابی سے بھی ثابت نہیں جو مروی ہے تو اس کی سند اثبات رفع یدین سے زیادہ صحیح نہیں۔

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ اور حافظ ابن حجر نے درایہ میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ کسی ایک صحابی سے بھی صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً" یا موقوفاً"

عدم رفع ثابت نہیں۔ (بحوالہ جزء رفع یدین گرجاکھی ص ۲۰۵)

مواظبت بسا اوقات پسپائی اختیار کرتے ہوئے حنفیہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے نبی ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے مگر یہ ثابت نہیں کہ اسے آپ نے ہمیشہ کیا۔ یعنی آپ ﷺ سے تاحیات رفع یدین کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہ نہایت مہمل سا اعتراض ہے اس طرح تو سینکڑوں مسائل جن پر حنیفہ عمل کرتے ہیں مگر وہ ان پر آنحضرت ﷺ کا تاحیات عمل کرنا ثابت نہیں کر سکتے۔ مثلاً قنوت وتر کی رفع یدین ہی کو لیجئے۔ کیا حنفیہ کے پاس کوئی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ہمیشہ عمل کیا تھا۔ تاہم حضرت عبداللہ بن عمر والی حدیث میں کان یرفع یدیہ کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ازروئے گرائمر استمرار ثابت ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یستفتح الصلوۃ بالتکبیر والقراءۃ بالحمد للہ رب العلمین (مسلم ص ۱۹۴)	نبی ﷺ تکبیر اور الحمد کے ساتھ نماز کا آغاز فرماتے

یا جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کان رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعلمنا التشهد کما یعلمنا السورۃ من القران (مسلم ص ۱۷۴)	نبی ﷺ ہمیں تشہد یوں سکھلاتے تھے جیسے ہمیں قرآن پاک کی سورت سکھلاتے تھے

ظاہر ہے کہ ان میں جو صیغے استعمال ہوئے ہیں ان سے استمرار ہی ثابت ہوتا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر اس بیماری کا کیا علاج کہ یہ لوگ رفع یدین کے معاملے میں شاذ قسم کی مثالیں دیکر اس حقیقت کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ غور فرمائیے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

ویرفع یدیه مع التکبیر وهو سنة لان النبی صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرے۔ یہ سنت ہے اس لئے کہ نبی

واظب علیہ (ص ٦٨)	ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی

اس مواظبت کو ثابت کرنے کے لئے امام زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے نصب الرایہ ج ا ص ۳۰۸ میں صحاح ستہ کے حوالے سے حضرت ابن عمر کی روایت ہی پیش کی ہے جس میں تحریمہ کے علاوہ رکوع کی رفع یدین کا بھی باقاعدہ ذکر ہے اور سجدہ کے وقت رفع یدین کی نفی ہے۔ بلکہ تمام احناف ہی افتتاحی رفع یدین ثابت کرنے کے لئے انہی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں رکوع کی رفع یدین کا بھی ذکر ہوتا ہے لیکن اس کا کیا جائے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کی قلم کی سیاہی خشک ہو جاتی ہے۔

أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرة : ٨٥)	کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور ایک حصہ کا انکار کرتے ہو

یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ نبی ﷺ سے تاحیات رفع یدین ثابت نہیں محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے اور سراسر تجاہل عارفانہ ہے۔ ورنہ کسے معلوم نہیں کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ آخر عہد نبوی ﷺ میں اسلام لائے اور ان سے بڑی وضاحت کے ساتھ رفع یدین کی روایت مروی ہے۔ (مسلم ص ۱۷۳)

حتی لقی اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی روایت بیہقی میں بھی موجود ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

فما زالت تلك صلوته حتى لقى الله تعالى	آخری دم تک نبی ﷺ کی یہی نماز رہی

اسے علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ ج ا ص ۴۱۰ میں بحوالہ بیہقی نقل کر کے حنفیہ کے دعوی نسخ کا رد کیا ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی نے بھی حاشیہ

موطا امام محمد میں حتی لقی اللہ والی روایت نقل کر کے رفع یدین کا اثبات کیا ہے۔ علامہ ظفر احمد عثمانی حنفی انہاء السکن ص ۲۴ میں فرماتے ہیں زیلعی کا سکوت اس چیز کی علامت ہے کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ضرور ہے کیونکہ اس کی سند میں کوئی جھوٹا راوی نہیں ہے۔

تحقیق رفع یدین کے حنفی مصنف اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں ایک جھوٹی حدیث غیر مقلدین بھی بیہقی کے حوالہ سے رفع یدین کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جناب مقلد صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مقلدین تو جھوٹی روایتیں بیان کرنے عادی ہیں ہی اور اس کا انہیں حق بھی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک جھوٹی روایت غیر مقلدین بھی پیش کرتے ہیں۔ یا للعجب

پھر جناب مقلد صاحب نے ایک زور دار بڑہک لگائی ہے لکھتے ہیں۔ "اگر کوئی غیر مقلد اس حدیث کو صحیح ثابت کر دے تو ہم ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو ہمت کرے؟ دیدہ باید" جواباً عرض ہے "غیر مقلدین" کی ہمت تو بعد میں دیکھی جائے گی ان حضرت صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر یہ واقعی مرد میدان ہیں تو اس انعامی رقم کو اپنے ہی ان مقلدین کے ورثاء میں تقسیم فرما دیں جو اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے کی ہمت فرما چکے ہیں۔

ان کی چالاکی کی داد دینی پڑتی ہے صحیحین کی جو روایتیں ہمارے اس مسلک کی اصل بنیاد ہیں ان پر انہوں نے انعام کی رقم نہیں لگائی کیونکہ اس صورت میں انہیں رقم کے ڈوب جانے کا یقینی خطرہ تھا انعام لگایا ہے تو بیہقی کی اس روایت پر جسے اہل حدیث صرف تائید کے لئے پیش کرتے ہیں جسے بعض اہل حدیث خود بھی ضعیف کہہ چکے ہیں (تعلیقات سلفیہ ص ۱۰۴) میں نہیں سمجھتا یہ کیا تک ہے۔

بقول احناف اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش کو علامہ سلیمانی نے جھوٹی حدیثیں گڑھنے والا کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۸۲) اور ایک دوسرے راوی عصمہ بن محمد کو یحییٰ بن معین نے کذاب عقیلی نے ثقہ راویوں کی طرف باطل روایتیں منسوب کرنے والا اور دار قطنی نے متروک کہا ہے (میزان

الاعتدال ج ۲ ص ۶۸)

حالانکہ عبدالرحمٰن بن قریش پر جرح مبہم ہے جو مقبول نہیں۔ علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

لم اسمع فيه الاخيرا (تاريخ بغداد ج۱ ص ۲۸۲)

میں نے اس کے بارے میں اچھی بات ہی سنی ہے

اور یہ عصمہ بن محمد جس کو کذاب کہا گیا ہے یہ کوئی اور راوی ہے۔ مذکورہ روایت کی سند میں جو راوی ہے اس کے متعلق ابن حبان فرماتے ہیں۔

عصمة بن محمد شيخ من أهل سرخس من أصحاب ابى زبيد يروى عن ابن عيينه روى عنه أهل بلده مستقيم الحديث (طبقة رابعة من ثقاته ص ۱۸۹)

عصمہ بن محمد اہل سرخس کا شیخ ہے۔ ابوزبید کے ساتھیوں میں سے ہے۔ ابن عیینہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے اس کے اہل شہر نے روایت کی ہے۔ حدیث بیان کرنے میں ٹھیک ٹھاک ہے

ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هذا الحديث عندى حجة على الخلق كل من سمعه فعليه أن يعمل به لأنه ليس فى إسناده شيئ (نيل الاوطار ج۲ ص ۱۸۶، التلخيص الحبير ج۱ ص ۲۱۸)

میرے نزدیک یہ حدیث ہر اس شخص پر حجت ہے جو اسے سنے۔ اسے اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں۔

یاد رہے بہت سی حنفی و غیر حنفی کتب میں بحوالہ بیہقی اس روایت کا ذکر موجود ہے لیکن یہ بیہقی میں نظر نہیں آئی۔ مولنا خالد گرجاکھی صاحب کا خیال ہے ہو سکتا ہے اسے حنفی ناشرین نے (خطرناک سمجھتے ہوئے) نکال دیا ہو کیونکہ آج

کل ایک صدی سے احناف یہی کام کر رہے ہیں (جزء رفع یدین ص ۷۸) سوال یہ ہے اگر یہ اتنی ہی ضعیف تھی تو پھر اس سے انہیں کیا خطرہ تھا۔

سجدہ میں رفع یدین حنفیہ کہتے ہیں بعض روایتوں میں زیر بحث رفع یدین کے علاوہ بعض مقامات پر بھی نبی ﷺ سے رفع یدین کرنا ثابت ہے۔ مثلا عمیر بن حبیب اور ابن عباس سے ابن ماجہ ص ۶۲ میں اور زیال بن حرملہ سے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۱ میں عند کل تکبیرۃ (ہر تکبیر کے وقت) کے الفاظ ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۳ میں موقوفا اور ابو ہریرہ سے تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۱۹ میں موقوفا و مرفوعا فی کل خفض ورفع (ہر اونچ نیچ کے وقت) کے الفاظ ہیں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے موقوفا" حین یرکع و حین یسجد (رکوع و سجدہ کے وقت) کے الفاظ ہیں (ابوداؤد ص ۲۶۹) نیز حضرت انس سے مرفوعا" فی الرکوع والسجود (رکوع و سجود میں) کے الفاظ ہیں (محلی ج ۳ ص ۹) وائل بن حجر سے کان یکبر اذا خفض واذا رفع و یرفع یدیه عند التکبیر (مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۶) آپ ہر خفض و رفع میں اللہ اکبر کہتے اور اللہ اکبر کہتے وقت رفع یدین کرتے کے الفاظ ہیں۔ اور نیز حضرت ابن عمر سے موقوفا" یہ ثابت ہے۔

وإذا رکع وإذا قال سمع الله لمن حمده وإذا سجد وبین الرکعتین (المحلی ج۳ ص ۱۰)	اور جب رکوع کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور جب سجدہ کرتے اور دو رکعتوں کے درمیان

لہذا حنفیہ کا اعتراض ہے یا تو ان مقامات پر بھی رفع یدین کرو اور اگر انہیں منسوخ سمجھتے ہو تو پھر رکوع وغیرہ کی رفع یدین کو بھی منسوخ سمجھو۔ گزارش ہے کہ ہمیں نسخ کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان مقامات پر رفع یدین کسی بھی صحیح حدیث سے صراحت کے ساتھ ثابت نہیں۔ یہ روایات اول تو سب کی سب ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لا یخلو شيئ منها عن مقال (فتح البخاری ج۲ ص ۲۲۳)	ان میں کوئی بھی کلام سے خالی نہیں۔

یا ان میں تاویل کا احتمال ہے۔ فرماتے ہیں۔

وإلا فحمله علی ظاهره یقتضی استحبابه في السجود أیضا وهو خلاف ما علیه الجمهور (ایضاً)	ورنہ انہیں ظاہر پر محمول کرنا سجدہ میں رفع یدین کے استحباب کا مقتضی ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔

یا پھر شاذ ہیں (ایضا) اگر کوئی ان ضعیف اور شاذ روایات پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کی مرضی جیسے حافظ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ کا خیال ہے اور جہاں تک صحیحین کی روایات کا تعلق ہے ان میں جس طرح ترک رفع یدین کا ذکر نہیں اسی طرح ان میں مواضع اربعہ کے علاوہ رفع یدین کا ذکر نہیں۔

احناف کا یہ کہنا کہ جس طرح سجدہ کی رفع یدین منسوخ ہے اسی طرح رکوع کی رفع یدین بھی منسوخ سمجھنی چاہئے یہ خواہ مخواہ کی دھونس ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے ہمیں کہا جائے تم نے رائے ونڈ نہیں جانا تو لاہور بھی نہ جاؤ۔ یا تم نے غیر اللہ کو نہیں پکارنا تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہ پکارو یا تم نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید نہیں کرنی تو نبی ﷺ کی اطاعت بھی نہ کرو۔ کیا عجیب منطق ہے۔ جب صحیحین کی روایتوں میں صاف موجود ہے کہ نبی ﷺ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے سجدوں کے درمیان نہیں کرتے تھے تو ہم ان دونوں موقعوں کی رفع یدین کو ایک حیثیت کیونکہ دے ڈالیں۔ یہ تو غیر مسنون عمل سے مسنون عمل کو سبوتاژ کرنے والی بات ہے۔ بلکہ بقول حنفیہ اگر نسخ کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ سجدہ والی رفع یدین منسوخ ہے رکوع والی منسوخ نہیں۔ ایک ہی حدیث میں پائے جانے والے اثبات اور نفی کی مکمل نفی کیونکہ کی جا سکتی ہے۔ میرے بھائی اگر ہر موقع کی رفع یدین منسوخ ہے تو پھر تکبیر تحریمہ، تکبیر قنوت اور تکبیرات عیدین کی رفع یدینوں کو بھی منسوخ ماننا پڑے گا۔ اپنے مسلک کی رفع یدینوں کو بحال رکھ لینا اور صحیحین

سے ثابت شدہ رفع یدینوں کو منسوخ بنا دینا قرین انصاف نہیں ہے۔

صاحب بدر الساری ج ۱ ص ۲۵۵ جو بہت بڑے حنفی ہیں فرماتے ہیں رفع یدین سندا متواتر ہے اور عملاً منسوخ نہیں بلکہ اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں۔

علامہ سندھی حنفی حاشیہ ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۸۲ میں لکھتے ہیں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ رفع یدین کے راوی ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں مسلمان ہو کر آئے تھے اس لئے ان کی حدیث رفع یدین پر محکم ہے کہ رفع یدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے اور اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ باطل ہے اور اگر نسخ ہے تو رفع یدین نہ کرنا منسوخ ہو سکتا ہے۔

لعنتی سجدہ کی رفع یدین کے متعلق چونکہ کچھ لوگوں کا قول رہا ہے اور ہمارا نہیں ہے اس لئے بعض حنفیہ غصہ سے بے قابو ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں یہ فقط ایک گالی ہے اور تقلید کے زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ (آل عمران: ۱۱۸)	تحقیق ظاہر ہو گیا غصہ ان کے مونہوں سے اور جو چھپاتے ہیں سینے ان کے زیادہ بڑا ہے

اور یہ آپے سے باہر ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ ان کا خزانہ دلائل سے خالی ہے۔ حنفیہ کو معلوم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ ثلاثہ کے علاوہ خود کئی حنفی علماء نے رفع یدین کو سنت کہا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تطبیق کو سنت سمجھتے تھے جبکہ احناف اسے سنت نہیں سمجھتے ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کے درمیان بے شمار سنتوں میں اختلاف ہے۔ بلکہ خود حنفی ائمہ کے درمیان اختلاف کا ایک سمندر موجزن ہے۔ کسی کتاب کا شاید ہی کوئی صفحہ اس اختلاف سے پاک ہو گا۔ تو میرے بھائی لعنت کا یہ طوق کس کس کو پہنایا جائے گا۔

قولی حدیث : راقم تو خیر ایک ادنی طالب علم ہے اور بحمد للہ وہ اپنے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں۔ البتہ انہی لعنت ڈالنے والوں میں سے ایک صاحب کو ان کا علم بھی واجبی سا معلوم ہوتا ہے اپنے اکابر کی شہہ پر بڑھکیں لگانے میں بہت تیز واقع ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے زبان مبارک سے جب بھی ارشاد فرمایا تو یہی فرمایا کہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرو اور نماز کے اندر کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرو دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع اور آخر میں رفع یدین نہ کرو رکوع کے شروع اور آخر میں رفع یدین نہ کرو اور سجدہ کے شروع اور آخر میں رفع یدین نہ کرو۔ اگر کوئی غیر مقلد ہمت اور جرات کر کے صرف ایک' صرف ایک اور صرف ایک ہی قولی حدیث پیش کر دے جس میں ان کا مدعی بطور نص موجود ہو ------ تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دیں گے اور رفع یدین شروع کر دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو صرف ایک ہی قولی حدیث صحیح صریح سند کے ساتھ پیش کر کے انعام حاصل کرے۔ دیدہ باید ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

(تحقیق رفع الیدین)

یہ تحریر کسی عالم کی معلوم نہیں ہوتی یہ تو مجمع بازوں اور ریفل ٹکٹ بیچنے والوں کا سا انداز گفتگو ہے جو علماء کے شایان شان نہیں۔ اس موقع پر انعام کی رقم بھی ایک ہزار سے بڑھ کر دس ہزار ہو گئی ہے۔ لگتا ہے یہ چیلنج دیتے وقت حضرت صاحب کی لاٹری نکلی ہو گی۔ غور فرمائے انعام دینے میں وہ یہاں بھی کتنے محتاط ہیں۔ ایسا مطالبہ کرتے ہیں جس کا اہل حدیث کو دعویٰ ہی نہیں کبھی کسی اہل حدیث نے یہ نہیں کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ فلاں فلاں موقع پر رفع الیدین کیا کرو۔ یہ کیسے اہل سنت ہیں جن کے دل میں آنحضرت ﷺ کی فعلی سنت کی قدر ہی نہیں اور قولی حدیث طلب کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ کیا احادیث کا تمام ذخیرہ

قولی احادیث پر ہی مشتمل ہے اور کیا یہ ان سنتوں کا انکار کر دیں گے جو صرف آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہیں۔ نیز کیا آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے یہ نہیں فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو (بخاری ص ۸۸) یہ قولی حدیث آپ ﷺ کے فعل ہی کی طرف تو اشارہ کر رہی ہے لہٰذا آپ ﷺ کا فعل آپ ﷺ کے قول ہی کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ صحیحین کی روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کا فعل رفع الیدین تھا۔ رفع یدین نہ کرنا نبی ﷺ کی اس قولی حدیث کا انکار ہے جس کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ رفع یدین کے معاملہ میں قولی حدیث کے مطالبے کی یہ بڑہک اپنی بھیڑوں کو اپنے باڑے میں محفوظ رکھنے کے لئے لگتی ہے۔ یعنی وہ کہیں نکل کر بھاگ نہ جائیں ورنہ عملی طور پر اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اثبات رفع یدین یا ترک رفع یدین کے بارے میں سرے سے کوئی قولی حدیث ہے ہی نہیں سوائے سلام کے وقت رفع یدین کے۔ ان کے علامہ صاحب نے بیٹھے بٹھائے نہ جانے یہ حدیث کہاں سے نکال لی ہے کہ آپ ﷺ نے زبان مبارک سے جب بھی ارشاد فرمایا تو یہی فرمایا الخ یہ بالکل نیا ماڈل لگتی ہے۔ اگر علامہ صاحب تکبیر تحریمہ کے لئے یا تکبیر قنوت کے لئے یا تکبیرات عیدین کے لئے رفع یدینوں کا قولی ثبوت حدیث سے پیش فرما دیں تو انہیں مبلغ دس پیسے انعام میں دیئے جا سکتے ہیں۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار۔

کفوا ایدیکم : قرآن پاک میں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (النساء: ۷۷)	کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا روک رکھو اپنے ہاتھوں کو اور نماز قائم کرو۔

یہی حضرت صاحب فرماتے ہیں اس آیت سے بعض لوگوں نے نماز کے

اندر رفع یدین کے منع پر دلیل لی ہے (تحقیق رفع یدین)

حالانکہ تمام تفسیروں میں بالاتفاق یہ بات لکھی ہے کہ اس آیت سے صحابہ کرام کو مکی زندگی میں لڑائی سے باز رکھنا مراد ہے۔

رفع یدین ایک سنت : بسا اوقات احناف اہلحدیث کو "لاجواب" کرنے کے لئے یہ سوال کر دیتے ہیں کہ بتلاؤ رفع یدین واجب ہے یا سنت موکدہ ہے یا سنت غیر موکدہ ہے۔ اس سے مجھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت یاد آ گئی۔ کسی نے ان سے بار بار یہ سوال کیا کہ آیا وتر واجب ہیں؟ آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔

قد أوتر رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ واو تَرَ المسلمون (مؤطأ امام مالك ص ٤٤)

رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے۔

اسی طرح کسی نے ان سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے تو آپ نے اس سوال کے جواب میں بھی یہی ارشاد فرمایا۔

ضحى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والمسلمون (ترمذی ج۲ ص ۳۵۸)

رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی

تو میرے بھائی ہمیں زیادہ باریکی میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے اور اس پر آپ ﷺ نے بھی اور مسلمانوں نے بھی عمل فرمایا ہے۔ تاہم حنفیہ کی تسلی کے لئے عرض ہے کہ ان کے ہاں جو حثیت تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی ہے وہی حیثیت ہمارے نزدیک رکوع کی رفع یدین کی بھی ہے۔ ہمارے نزدیک ان دونوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔

میں حنفیہ سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا صرف انہی باتوں پر عمل کرنا چاہیے جو فرض یا واجب ہوں کیا سنن موکدہ یا غیر موکدہ بلکہ مستحبات پر بھی عمل نہیں

کرنا چاہئے۔ آخر اس سوال کا کیا مطلب ہے؟ عاشقوں کو تو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں مصنف نماز پیمبر (ص ۱۷۶) نے حضرت ابن مسعود کی روایت کے تحت محشی نسائی حضرت الاستاد مولنا عطاء حنیف بھوجیالوی رحمہ اللہ کی تعلیقات سلفیہ (ص ۱۲۳) سے یہ عبارت نقل کی ہے اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

فیجوز أنه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ترك الرفع اما لكون الترك سنة أو لبيان الجواز

لہٰذا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے لئے جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہیں یا یہ بتانے کے لئے رفع یدین نہ کرنا بھی جائز ہے۔

اتنے لمبے ترجمے میں اصل کی نہیں مترجم کی روح بول رہی ہے۔ عبارت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے دو ہی باتیں سمجھ میں آسکتی ہیں یا تو یہ کہ ترک رفع بھی سنت ہے یا یہ کہ یہ بھی جائز ہے۔ اگلے الفاظ کو جنہیں ناقل نے خلاف مطلب سمجھ کر ذکر کرنا مناسب خیال کیا وہ یہ ہیں۔

فالسنة هى الرفع لا الترك

پس سنت رفع یدین ہے نہ کہ ترک رفع یدین

محترم نے فیجوز کا معنی یہ کیا ہے۔ لہٰذا یہ صحیح ہے کہ الخ یہ غلط ہے۔
صحیح ترجمہ یہ ہے: پس ممکن ہے ...... رفع یدین نہ کیا ہو۔ الخ

صاحب تعلیقات سلفیہ اس سے قبل مالک بن حویرث کی روایت کے تحت رقم طراز ہیں۔ ''اس میں دلیل ہے کہ رفع یدین باقی رہی اور منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ راوی حدیث مالک بن حویرث سال تبوک رجب ۹ ہجری میں مدینہ منورہ آئے تھے اس کے بعد آنحضرت ﷺ صرف ۹ ماہ جیئے۔ اس مدت میں ثابت نہیں

کہ آپ نے ایک بار بھی رفع یدین چھوڑی ہو۔ بلکہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شوال ۱۰ ہجری میں رفع یدین کرنا ثابت ہے۔“

جہاں تک بیان جواز کا تعلق ہے حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع اور ترک دونوں طرح ثابت ہے للہذا دونوں امر جائز ہیں ہم یوں پڑھیں یا دوں دونوں صورتوں میں سنت پر عمل ہو گا (محلی ج ۲ ص ۲۶۵) اس حوالے کا ذکر مصنف نماز مسنون نے بھی کیا ہے اس سے پہلے وہ حضرت امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ جواز عدم جواز کا مسئلہ نہیں بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے اسی لئے بعض حضرات نے دونوں پہلوؤں کو سنت قرار دیا ہے (ص ۳۴۹)

ہمارے نزدیک جیسا کہ حضرت بھوجیانوی نے فرمایا۔ رفع یدین سنت ہے۔ ترک رفع سنت نہیں۔ ان کے الفاظ اولبیان الجواز کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس کے بغیر نماز ہو جائے گی گو سنت کے مطابق نہ ہو گی۔ یعنی یہ فرض یا واجب نہیں۔ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دوسرے مقام پر اس مسئلہ پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ اور تقریباً سات صفحات رفع یدین کو سنت ثابت کرنے پر صرف فرمائے ہیں۔ حنیفہ کی دلیل کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ فرض نہیں۔ نیز لکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کے مطابق نماز پڑھتے تھے۔ لیکن چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بھی صحیح ہے۔ اس لئے ہمیں معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی رفع یدین صرف سنت یا مستحب ہیں۔ یعنی فرض نہیں ہیں۔ ”محلی ج ۳ ص ۴“ معلوم ہوا کہ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر نہیں ہیں۔ مصنف نماز مسنون کو حافظ ابن حزم کی اس عبارت کا حوالہ بھی دینا چاہئے تھا جس میں انہوں نے مسئلہ کی کھل کر وضاحت فرمائی ہے۔ دیانت کا تقاضا یہی تھا۔

مصنف نماز پیمبر نے ایک مخلصانہ نصیحت کے تحت تراویح کے حق میں باقاعدہ یہ دلیل دی ہے۔ کہ یہ چونکہ تعداد میں زیادہ ہیں اس لئے ثواب بھی بہ

نسبت آٹھ کے زیادہ ملے گا۔ نیز انہوں نے آٹھ تراویح پڑھنے کو گروہی تعصب قرار دیا ہے۔ (ص ۲۶۴) حالانکہ بیس تراویح کا نبی ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور رفع یدین بے شمار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ پھر نہ جانے احناف نے صرف شروع کی ایک رفع یدین پر کیوں قناعت کر لی ہے۔ یہاں کثرت تعداد والا اصول کدھر چلا گیا۔ اپنے گروہی تعصب کی کالک دوسروں کے منہ پر نہیں ملنی چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ احناف کے پاس سوائے تقلید عصیت اور ضد کے دلائل کا کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ خود ان میں سے جس شخص کی تقلید کا بندھن ذرا ڈھیلا پڑتا ہے۔ ضد کے بت میں دراڑیں پڑتی ہیں اور چشم بصیرت وا ہوتی ہے۔ تو اس پر مسلک اہل حدیث کی حقانیت واضح ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

شیخ ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ علیہ : مشہور حنفی بزرگ اور صحاح ستہ کے محشی شیخ ابوالحسن سندھی کے متعلق شیخ محمد عابد سندھی اپنی کتاب تراجم الشیوخ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل کرنے والے تھے۔ کسی مذہب کی آڑ لے کر حدیث کو نہ چھوڑتے تھے۔ رکوع سے پہلے رکوع سے اٹھ کر اور دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ بھی سینے پر باندھتے تھے۔ حنفی علماء اور قضاۃ کی مہربانی سے انہیں قید و بند کی سزا بھی بھگتنی پڑی۔ نہایت ذلیل قسم کی قید سے رہائی کیلئے ان سے ان سنتوں کو چھوڑنے کیلئے کہا گیا تو فرمایا میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے نزدیک صحیح نہیں اور وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکا ہے اور اس جواب پر انہوں نے قسم اٹھائی (ملخص) حنفیہ اگر اسی طرح حدیث پیمبر کے چاہنے والے بن جائیں تو پھر ہمارا ان سے جھگڑا بھی کیا ہے۔

مکھیاں جھلنا : مجھے افسوس ہے بعض لوگ رفع یدین کرنے والوں کو کہتے ہیں تم مکھیاں جھلتے ہو۔

بغلوں میں بت : اور بعض مورخ قسم کے احناف یہ انکشاف فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بغلوں میں بت ہوتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رفع یدین کروایا کرتے تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو یہ بدگمانی صریحاً غلط ہے لیکن آج میں سمجھتا ہوں تقلید کرنے والوں کی بغلوں میں ضرور عصبیت کے بت موجود ہیں یہ ان سے رفع یدین کرا کے ہی گرائے جا سکتے ہیں

؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کے آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

کبیری ص ۲۹۸ کے حوالہ سے مصنف نماز مسنون کا یہ فقرہ کتنا خوبصورت ہے۔ رفع یدین میں غیر کی کبریائی کی نفی اور تکبیر میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اثبات ہے جیسا کہ لا الہ الا اللہ میں ہے۔ (ص ۳۱۴)

یہ بات گو انہوں نے تکبیر تحریمہ کے متعلق لکھی ہے لیکن اگر سنت صحیحہ و ثابتہ کے مطابق نماز میں بار بار شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہوتا رہے تو اس پر انہیں کیا اعتراض ہے اور اس کا مذاق تو نہیں اڑانا چاہیئے۔ اس کی توہین تو نہیں کرنی چاہیئے مجھے تو یوں لگتا ہے رفع یدین جو بقول ان کے غیر کی نفی پر دلالت کرتا ہے اسے اکثر موقعوں پر چھوڑ دینے کی وجہ سے ہی شاید لاشعوری طور پر ان لوگوں کو شرک سے اتنا پرہیز نہیں رہا اور ان کی توحید کمزور پڑ گئی ہے۔

❋❋❋

رکوع

قراءت کے بعد رفع یدین کے ساتھ اللہ اکبر کہتے ہوئے مندرجہ ذیل ہدایات کے مطابق رکوع میں جھک جانا چاہئے۔

كان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه ولكن بين ذلك (عن عائشة مسلم ص ١٩٤)

نبی ﷺ جب رکوع فرماتے تو اپنا سر مبارک نہ اونچا رکھتے نہ نیچا کرتے بلکہ بین بین رکھتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تجزی صلوة الرجل حتى يقيم ظهره فى الركوع والسجود (عن ابى مسعود انصارى أبوداود ص ٣١٨، ترمذى ص ٢٢٦، ابن ماجه ص ٦٣، مسند أحمد ج٢ ص٩٩)

نہیں کفایت کرتی آدمی کی نماز یہاں تک کہ سیدھا رکھے اپنی پشت کو رکوع و سجود میں۔

رأيت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلى فكانما إذا ركع سوى ظهره حتى لوصب عليه الماء لاستقر (عن والبصه بن معبد ابن ماجه ص ٦٣)

وابصہ بن معبد سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ رکوع میں آپ کی پشت مبارک اتنی ہموار تھی کہ اس پر پانی بہایا جائے تو ٹھہر جائے

عن ابى مسعود عقبة بن عمرو انه ركع فجا فى يديه ووضع يديه ركبتيه وفرج بين اصابعه من وراء ركبتيه وقال هكذا رأيت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أحمد ج٢ ص ١٠٠، أبوداود ص٣٢٢، نسائى ص ١٢٤)

ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے رکوع کیا۔ بازوؤں کو کشادہ رکھا ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر انہیں گھٹنوں پر رکھا اور کہا میں نے نبی ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

یہ تو ہے محمدی رکوع۔ حنفی رکوع کی تعریف ملاحظہ فرمائیے۔

وقدر الواجب من الركوع ما يتناوله الاسم بعد أن يبلغ حده وهو أن يكون بحيث إذا مد يديه نال ركبتيه (فتاوى عالمكيرى ج١ ص ٧٠)

واجب رکوع بس اتنا ہی ہے کہ جس پر جھکنے کا اطلاق ہو جائے یعنی اتنا کہ اگر ہاتھ لمبے کرے تو گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

یعنی پورا جھکنا پشت کو ہموار رکھنا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا یہ حنفیہ کے نزدیک نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بحالت رکوع تطبیق یعنی دونوں ہاتھ جوڑ کر انہیں دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھنے کے قائل تھے (مسلم ص ۲۰۲) اس کے تحت علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارا اور تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے چاہئیں تطبیق مکروہ ہے۔ البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبین علقمہ اور اسود تطبیق کو سنت سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں اس کا نسخ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روزمرہ ہونے والی نماز کی ایک عام سی بات بھی بسا اوقات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے فقیہہ اور ملازم صحبت صحابی رضی اللہ عنہ سے اوجھل رہ سکتی ہے۔ ترک رفع یدین کے مسئلہ پر ضد کرنے والے احناف کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

رکوع و سجود کی تسبیح : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے :

كان النبى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يكثران يقول فى ركوعه وسجوده سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلى (بخارى ص ۱۰۹، مسلم ص ۱۹۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ پڑھتے۔ اے اللہ تو پاک ہے جو رب ہے ہمارا ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔

یہ صحیح ترین روایت ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے :

سبوح قدوس رب الملائكة والروح

وہ ہر عیب سے پاک ہے وہ فرشتوں

(عن عائشة مسلم ص ۱۹۲) اور جبریلؑ کا رب ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک رات (تہجد کے وقت) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی پڑھتے سنا (مسلم باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلوۃ اللیل ص ۲۶۴۔ ابوداؤد ص ۳۲۵۔ ترمذی ص ۲۲۵۔ نسائی ص ۱۳۵)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب آیت فسبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں رکھو اور جب سبح اسم ربک الاعلی نازل ہوئی تو فرمایا اپنے سجدہ میں رکھو۔ (ابوداؤد ص ۳۲۴) اس کی سند میں ایاس بن عامر ایک غیر معروف راوی ہے۔ گو اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ (تنقیح الرواۃ ص ۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رکوع و سجود میں تین تین بار (علی الترتیب) سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کہتا ہے اس کا رکوع و سجود مکمل ہے اور یہ تعداد کم از کم ہے (ترمذی ص ۲۲۴) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس کی سند متصل نہیں کیونکہ عون بن عبداللہ کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔" نیز اس میں اسحٰق بن یزید ہزلی مجہول ہے۔ رکوع و سجود کی تسبیحات کی تعداد کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ البتہ صاحب تحفۃ الاحوذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ' جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے طبرانی اور بزار کے حوالے سے ضعیف روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ان کے مجموعے سے استدلال ہو سکتا ہے کہ رکوع و سجود میں کم از کم تین بار تسبیح پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رکوع و سجود میں اندازاً دس بار تسبیحات پڑھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس نوجوان کی نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ بہت مشابہ پایا۔ (عن ابن جبیر' ابوداؤد ص ۳۳۱'

نسائی ص ۱۳۳)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی ﷺ کے ساتھ قیام کیا جتنی دیر میں انسان سورہ بقرہ کی تلاوت کرتا ہے اتنا طویل رکوع آپ ﷺ نے فرمایا۔ آپ ﷺ رکوع میں یہ پڑھ رہے تھے۔

سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ (نسائی ص ۱۲۵)

پاک ہے وہ قدرت والا' بادشاہی والا' بڑائی والا اور بزرگی والا۔

نبی ﷺ سے رکوع میں یہ دعا بھی ثابت ہے۔

اللھم لک رکعت ولک اسلمت وبک امنت خشع لک سمعی وبصری وعظامی ومخی وعصبی (عن علی مسلم ص ۲۶۳، نسائی ص ۱۲۵)

اے اللہ میں نے تیرے لئے رکوع کیا۔ تیرا میں فرمانبردار ہوا۔ تجھ پر میں ایمان لایا۔ میرے کان' میری آنکھیں' میری ہڈیاں' میرا گودا اور میرے اعصاب تیرے آگے جھک گئے۔

بحالت رکوع و سجود تلاوت منع ہے : نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا :

الا وانی نھیت أن اقرا القران راکعا وساجدا فاما الرکوع فعظموا فیہ الرب واما السجود فاجتھدوا فی الدعاء فقمن ان یستجاب لکم (عن ابن عباس مسلم ص ۱۹۱)

خبردار مجھے رکوع و سجود میں قرآن پاک پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع میں اپنے رب کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں بکثرت دعا مانگو۔ یہ اس لائق ہے کہ قبول کی جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔ (ایضاً)

صاحب تنقیح الرواۃ لکھتے ہیں ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ رکوع و سجود

میں چونکہ انسان انتہائی عاجزی کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے تعظیم قرآن کے پیش نظر ان حالتوں میں تلاوت قرآن پاک سے منع فرما دیا گیا (ص ۱۶۰) خیال فرمائیے قرآن مجید ایسی جلیل القدر اور بابرکت کتاب ہے کہ اسے بارگاہ ایزدی میں بھی جھک کر پڑھنے کی اجازت نہیں۔ صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو قبروں کے مجاور بن کر یا لوگوں سے بھیک مانگنے کی خاطر اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

***

قومہ

رکوع کے بعد رفع یدین کرتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جانا چاہئے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد (بخاری ص ۱۰۹)	جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے کہ مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے اور امام اللھم ربنا لک الحمد نہ کہے۔ صاحبین کا یہ مسلک ہے کہ مقتدی تسمیع تو نہ کہے البتہ امام تسمیع و تحمید دونوں کہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا لك الحمد (بخاری ص ۱۰۹)	نبی ﷺ تسمیع کے بعد تحمید کہتے۔

صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وکالت کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ نبی ﷺ نے مسئلہ کو تقسیم فرما دیا ہے جو شرکت کے منافی ہے۔ جس طرح مقتدی تسمیع نہیں کہے گا اسی طرح امام بھی تحمید نہیں کہے گا۔ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ جب امام تسمیع کہے گا اس وقت اگر مقتدی تحمید کہے گا تو امام کی تحمید مقتدی کی تحمید کے بعد ہو جائے گی۔ یہ امامت کے خلاف ہے۔ صاحبین کی پیش کردہ دلیل کو انہوں نے منفرد پر محمول کیا ہے۔ (ص ۷۳)

موجودہ احناف اپنی کتابوں میں ہمارے امام ابو حنیفہ غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب ہدایہ سے غداری کرتے ہوئے صاحبین کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔ نماز حنفی مدلل کے مصنف نے بھی جلی حرفوں میں لکھا ہے۔ امام اور منفرد تسمیع و تحمید

دونوں کہے (ص ۱۷۰) حالانکہ ان کے مجدد ماۃ حاضرہ (یعنی چودھویں صدی کے امام) امام احمد رضا خاں صاحب ملفوظات میں لکھتے ہیں۔ ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی یا شیبانی (ص ۱۴۴) یوسفی اور شیبانی مسلک قبول کر کے انہوں نے اپنے اعلیٰ حضرت صاحب سے بھی غداری فرمائی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان سب احناف کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت امام صاحب کا قول درست نہیں اور صاحب ہدایہ کی یہ ساری فقہ غلط ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا عمل ہی صحیح ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

میری گزارش ہے کہ جب تقسیم اور شراکت والی بات کالعدم ہوگئی تو امام کی طرح یہ پابندی مقتدی سے بھی اٹھ جانی چاہیے۔ یعنی جس طرح انہوں نے امام کو تحمید کی اجازت دے دی ہے اسی طرح مقتدی کو بھی تسمیع کی اجازت ہو جانی چاہیے۔ صاحبین کی پیش کردہ صحیح حدیث عام ہے۔ اس میں امام یا مقتدی یا منفرد کی کوئی قید نہیں ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ جب امام تسمیع کہے تم تحمید کہو۔ اس سے تقسیم کار مراد ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ امام کی تسمیع کے بعد تمہیں تحمید کہنی چاہیے۔ یہ مطلب نہیں کہ امام تحمید نہ کہے اور تم تسمیع نہ کہو۔ جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا :

إذا قال الامام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن فقولوا امين	جب امام ...... ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقتدی ولا الضالین نہ کہیں اور امام آمین نہ کہے۔ حنفیہ کی طرح کئی اہلحدیث مقتدی بھی تسمیع نہیں پڑھتے۔ انہیں اس پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

قومہ میں ہاتھوں کی پوزیشن : یاد رہے کہ قومہ میں اپنے ہاتھوں کو بصورت ارسال رکھنا چاہیے یعنی انہیں کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔ بعض لوگ قومہ میں بھی قیام

کی طرح ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ اجتہاد کا نہایت ہی غلط استعمال ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے :

باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ الاحرام تحت صدرہ فوق سرتہ	رکھنا اپنے دائیں ہاتھ کا بائیں پر تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ کے نیچے ناف کے اوپر۔

اس کے تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں :

إنه رای النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رفع یدیہ حین دخل فی الصلوۃ وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری الخ (ص ۱۷۳)	کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں داخل ہوتے وقت رفع یدین کیا کانوں کے برابر۔ پھر اپنا کپڑا لپیٹا' پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حالت قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ یقیناً ایسی کوئی دلیل نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی کبھی ہاتھ باندھے ہوں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قومہ میں ہاتھ باندھنا ثابت نہیں تو ارسال بھی تو ثابت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا ایک عمل ہے۔ عمل کیلئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ارسال عمل نہیں ہے اس لئے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں' رکوع میں' سجود میں' تشہد میں کہاں کہاں ہاتھ رکھتے تھے؟ یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ میں کہاں ہاتھ رکھتے تھے؟ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہاتھوں کو قدرتی طریقہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔

علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں۔ رکوع سے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھنا

سراسر بدعت و ضلالت ہے۔ اس بارے میں کوئی ایک حدیث بھی منقول نہیں ہے۔ نہ یہ سلف سے ثابت ہے اور نہ آئمہ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

(صفت صلوٰۃ النبی ﷺ ص ۱۱۵)

افسوس کہ بعض متشدد قسم کے لوگوں نے اسے بھی اختلافی مسئلہ بنا لیا ہے۔

قومہ کی دعائیں : سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد صرف ربنا لک الحمد کہہ لینا بھی کافی ہے۔ ایک صحابیؓ نے نبی ﷺ کے پیچھے اس کے بعد یہ پڑھا حمداً کثیراً طیبًا مبارکا فیہ تو سلام پھیر کر آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو اس کی طرف لپکتے دیکھا کہ کون اسے سب سے پہلے سمیٹے (عن رفاعہ بن رافع بخاری ص ۱۱۰) مصنف عماد الدین اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ امام کو تو حمداً کثیراً طیبًا نہیں پڑھنا چاہئے۔ ہاں مقتدی سجدہ کو جاتے جاتے پڑھ لیں تو بہت پسندیدہ ہے۔ (ص ۱۶۷) حالانکہ یہ قومہ کی دعا ہے نہ کہ سجدہ کو جاتے جاتے کی۔ اس وقت تو اللہ اکبر مسنون ہے۔ پھر امام کو منع کر دینا بھی خوب ہے حالانکہ صاحبین کے مسلک کے مطابق مصنف عماد الدین سمیت یہ سب احناف خود امام کو تحمید کی اجازت دے چکے ہیں۔

نبی ﷺ سے قومہ میں یہ پڑھنا بھی ثابت ہے :

اللهم ربنا لك الحمد ملأ السموت والأرض وملأ ما شئت من شيئ بعد (عن عبد الله بن ابی اوفی مسلم ص ۱۹۰)	اے اللہ! جو رب ہے ہمارا۔ تیری تعریف ہے تمام آسمان اور زمین بھر کر اور اس کے بعد اتنا بھر کر جتنا تو چاہے۔

ایک روایت میں اس کے آگے یہ الفاظ ہیں :

أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد	تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔ تیری

وکلنا لک عبد اللھم لا مانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد (عن ابی سعید خدری مسلم ص ۱۹۰)

شان میں بندہ جو کہے تو اس کے لائق ہے۔ ہم سب تیرے بندے ہیں۔ جسے تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو منع کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور نہیں نفع دیتی دولت مند کو تجھ سے دولت۔

***

سجدہ

قومہ سے فارغ ہو کر بغیر رفع یدین کئے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جانا چاہئے۔

پہلے ہاتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رأیت رَسُولَ اللهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه وإذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه (ترمذی ص ٢٢٨، نسائی ص ١٢٩، ابن ماجه ص ٦٣)

میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھتے تھے اور کھڑے ہوتے وقت پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے اٹھاتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا یہی عمل ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اس میں شریک بن عبداللہ نخعی قاضی متفرد ہے جو عاصم بن کلیب سے روایت کرتا ہے۔ شریک بحیثیت متفرد قوی نہیں (سنن دار قطنی)

بطور متابعت .سند ہمام بن یحییٰ عن محمد بن حجادہ عن عبدالجبار بن وائل عن ابیہ ایک روایت مروی ہے (ابوداؤد ص ۲۶۸، ۳۱۱) اور ایک روایت عن ہمام عن شقیق ابواللیث عن عاصم بن کلیب عن ابیہ مروی ہے (ابوداؤد ص ۲۶۸) پہلی سند منقطع ہے کیونکہ عبدالجبار کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں۔ دوسری سند مرسل ہے نیز اس میں شقیق مجہول ہے (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲۹ و عون المعبود ص ۳۱۱)

بروایت ابوہریرہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

یعمد أحدکم فیبرك کما یبرك البعیر (ترمذی ص ٢٢٩، أبوداود ص ٣١٢، نسائی ص ١٢٩)

قصد کرتا ہے ایک تمہارا پس بیٹھتا ہے جیسے بیٹھتا ہے اونٹ

مطلب یہ ہے کہ تمہیں اونٹ کی طرح پہلے گھٹنے نہیں ٹیکنے چاہئیں۔ کیونکہ اونٹ کے گھٹنے اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدہ کو جاتے ہوئے زمین پر پہلے ہاتھ اور بعد میں گھٹنے رکھنے چاہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے مگر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر سکوت اختیار فرمایا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔

اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ صرف عبداللہ بن نافع کے متعلق تقریب میں لکھا ہے ثقہ صحیح الکتاب فی حفظہ لین۔ تاہم یحیٰی بن معین اور امام نسائی نے اس کی توثیق کی ہے۔ نیز عبدالعزیز بن محمد الدرا وردی اس کا متابع بھی موجود ہے اس کی روایت یوں ہے

إذا سجد أحدكم فليضع يديه قبل ركبتيه ولا يبرك كما يبرك البعير (نسائی ص ۱۲۹، سنن دارقطنی ج۱ ص ۳٤٤، مسند أحمد، أبوداود ص ۳۱۱)	سجدہ کرنے والا پہلے ہاتھ اور بعد میں گھٹنے رکھے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔

حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں علامہ ابن الترکمانی نے الجوھرالنقی ج ۲ ص ۱۰۰ میں اور قاضی ابوبکر بن عربی نے عارضۃ الاحوذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں اسکی سند صحیح ہے (الارواء ج ۲ ص ۷۸) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال ہے کہ اس روایت میں قلب واقع ہوا ہے یعنی راوی نے یہ کہنا تھا کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے لیکن غلطی سے یہ کہہ دیا کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے۔ حافظ ابن قیم کی یہ بات بلا دلیل ہے۔ حضرت ابن عمر کا عمل پہلے ہاتھ رکھنے کا تھا (بخاری ص ۱۱۰، ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۱۸) بلکہ ان سے اس کی تائید میں ایک مرفوع روایت بھی ہے (سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۱۰۰ حاکم ج ۱ ص ۲۲۶، ابن خزیمہ)

امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور محدثین کا یہی مسلک ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كنا نضع اليدين قبل الركبتين فأمرنا أن نضع الركبتين قبل اليدين (سنن كبرى بيهقى ج١ ص ١٠٠ ابن خزيمه)	ہم پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھا کرتے تھے۔ پھر ہمیں حکم دیا گیا کہ گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھا کریں۔

اسے ابراہیم اپنے باپ اسمٰعیل بن یحیٰی بن سلمہ بن کھیل سے روایت کرتا ہے۔ یہ دونوں ضعیف ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت میں

فليبدأ بركبتيه قبل يديه	پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھے

کے الفاظ ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ شرح معانی الاثار طحاوی) اس کا حوالہ ترمذی میں بھی موجود ہے (ص ۲۲۹) اس میں عبداللہ بن سعید مقبری کو یحیٰی بن سعید قطان نے ضعیف کہا ہے (ترمذی ص ۲۳۰) نیز اسے یحیٰی بن معین نے لیس بشئی فلاس نے منکر الحدیث دار قطنی امام احمد اور امام بخاری نے متروک کہا ہے (میزان بحوالہ تحفہ ص ۲۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رأيت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انحط بالتكبير فسبق ركبتاه يديه (مستدرك حاكم)	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہہ کر نیچے جھکتے تو ہاتھوں سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے لگتے۔

اس میں علاء بن اسمٰعیل العطار متفرد اور مجہول ہے۔

امام عبدالسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منتقٰی (مع نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۶۳)

میں اور صاحب مشکوۃ نے بھی لکھا ہے کہ ابو سلیمان الخطابی نے وائل کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے حامی ہیں (زاد المعاد ج ا ص ۵۶)

گزارش ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا وائل کی روایت کو حسن غریب کہنا یا خطابی اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا اسے ترجیح دینا متعدد ضعیف روایات کی وجہ سے ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بذات خود صحیح یا حسن کے درجے کی ہے۔

علقمہ اور اسود دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

انہ خر بعد رکوعہ علی رکبتیہ کما یخر البعیر ووضع رکبتیہ قبل یدیہ (طحاوی ج۱ ص ۱۷۶، بحوالہ نماز حنفی مدلل ۱۷۵، مسند عبد الرزاق بحوالہ نماز مدلل ص ۱۱۳)

کہ وہ رکوع کے بعد گھٹنوں کے بل یوں گرے جیسے اونٹ گرتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے۔

یہ اثر آپ اپنی تردید ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی طرح بیٹھنے سے صاف منع فرمایا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ترجیح سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم نمازیوں کو نہیں چاہئے کہ وہ پچھلا یا اگلا دھڑ بے ہنگم طریقے سے دھڑام کر کے زمین پر گرا دیں کہ زمین کے ساتھ ہاتھ اور گھٹنے لگنے میں نمایاں فرق محسوس ہو۔ بلکہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ اور ہموار طریقے سے زمین کی طرف جھکنا چاہئے اور پھر پہلے ہاتھ رکھ کر معاً بعد گھٹنے رکھ دینے چاہیں۔ دیکھنے والے کو صاف اندازہ ہی نہ ہو سکے کہ پہلے کیا رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے اس مسئلہ میں اختلاف بھی اسی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔

یاد رہے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق سجدہ کو جاتے ہوئے اگر پہلے گھٹنے اور بعد میں ہاتھ رکھے جائیں تو فارغ ہوتے وقت پہلے ہاتھ اور بعد میں گھٹنے اٹھانے چاہیں۔ یہ "حنفیہ کا مسلک ہے مگر یہ صورت ذرا تکلیف دہ ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے خود احناف اگر نماز کے علاوہ دو زانو بیٹھے ہوں تو کھڑے

ہوتے وقت پہلے گھٹنے اور بعد میں ہاتھ اٹھاتے ہیں بلکہ اپنے ترجیحی مسلکے سے ناواقف کئی احناف نماز میں بھی اسی قدرتی طریقے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔
آگے جلسہ استراحت کے باب میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی یہ روایت آرہی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

وإذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الأرض (بخاری ص ١١٤)

اور جب انہوں نے اپنا سر دوسرے سجدہ سے اٹھایا تو بیٹھ گئے اور زمین پر ٹیک لگائی

اگر گھٹنے بعد میں اٹھانے ہوں تو اس صورت میں زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگانے کا کوئی مطلب نہیں۔ حالانکہ ٹیک لگانا اس حدیث سے ثابت ہے۔ جلسہ استراحت کے قائل ان بعض اہل حدیث حضرات کو بھی اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بجائے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

سجدہ سات اعضاء پر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

أمرت أن اسجد على سبعة اعظم على الجبهة وإشار بيده على انفه واليدين والركبتين واطراف القدمين (عن ابن عباس بخاری ص ١١٢، مسلم ص ١٩٣)

مجھے حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں پیشانی پر اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اپنے ناک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہاتھوں گھٹنوں اور پاؤں کی انگلیوں پر

پیشانی کا لفظ بول کر ناک کی طرف اشارے کا مطلب یہ ہے کہ ناک بھی زمین پر لگنا چاہئے ایک روایت میں صاف تصریح ہے۔
الجبهة والانف (مسلم ص ۱۹۳، نسائی ص ۱۳۰، تحفہ ص ۲۳۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں حکم دیا گیا ہوں ظاہر ہے کہ یہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر حنفیہ کیلئے یہ حکم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ان کے لئے یہ حکم ہے۔

فان اقتصر علی أحدهما جاز عند ابی حنیفة وقالا لا یجوز الاقتصار علی الانف الا من عذر	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف پیشانی یا صرف ناک پر سجدہ جائز ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک صرف ناک پر سجدہ بلاعذر جائز نہیں

صاحب ہدایہ نے امام صاحب کیلئے دلیل لکھی ہے۔

ان السجود یتحقق بوضع بعض الوجه وهو المامور	چہرے کا بعض حصہ بھی زمین کے ساتھ لگ جائے تو سجدہ ہو جاتا ہے اور حکم بھی یہی ہے۔

نیز لکھا ہے

ووضع الیدین والرکبتین سنة عندنا لتحقق السجود دونها (ص ٧٥)	سجدہ میں ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا ہمارے نزدیک (صرف) سنت ہے کیونکہ سجدہ ان کے بغیر بھی متحقق ہو جاتا ہے۔

فتاوئ عالمگیری میں صاف لکھا ہے۔

ولو ترك وضع الیدین والرکبتین جازت صلاته بالاجماع (ج١ ص ٧٠)	اگر ہاتھ اور گھٹنے زمین پر نہ بھی لگائے تو نماز بالاجماع صحیح ہے۔

یہ اجماع بازیگروں کا ہی معلوم ہوتا ہے آج کل کے احناف عموماً اپنے یہ اصل مسائل بتلانے سے گریز فرماتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے اگر یہ بیان کر دیئے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ مصنف عماد الدین لکھتے ہیں پیشانی پر اکتفا کرنا مکروہ تحریمی ہے (ص ١٦٨) حالانکہ ان کے تمام ائمہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے یہ کہتے ہیں

کہ مکروہ تحریمی ہے۔ یہ تقلید ہماری سمجھ سے باہر ہے

سجدہ میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

إن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان إذا سجد .... ووضع کفیہ حذو منکبیہ (ترمذی ص ۲۳۱، أبوداود ص ۲۶۷ ابن خزیمہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر رکھتے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنا چہرۂ مبارک اپنے ہاتھوں کے درمیان رکھتے تھے (ترمذی ص ۲۳۱) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے تھے (ابوداؤد ص ۲۶۸) پہلی حدیث سے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اور اگلی احادیث سے چہرہ کے برابر رکھنے کا ثبوت ملا۔ یہ دونوں امر جائز ہیں۔ بلکہ رفع یدین کی طرح یوں تطبیق بھی جائز ہے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر اور انگلیاں چہرے کے برابر ہو جائیں امام ترمذی نے ابو حمید رضی اللہ عنہ والی روایت کو حسن صحیح اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کو حسن غریب فرمایا ہے۔ وائل بن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے متعلق جیسا کہ پہلے بیان ہوا عبدالجبار کا اپنے باپ وائل سے سماع ثابت نہیں۔ حنفیہ چونکہ کانوں تک رفع یدین کے قائل ہیں اس لئے اس سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے انہوں نے صرف موخر الذکر روایتوں کو ترجیح دی ہے (ہدایہ ص ۷۴)

سجدہ کی ھیئت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب سے فرمایا جب سجدہ کرو تو اپنے ہاتھ زمین پر رکھو اور اپنی کہنیاں اٹھا کر رکھو (مسلم ۱۹۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بازوؤں کو اس طرح کشادہ رکھتے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی (عن عبداللہ بن مالک بن بحینہ بخاری ص ۱۱۲ مسلم ص ۱۹۴) بلکہ اگر چاہے تو آپ کے بازوؤں کے نیچے سے ایک بکری کا بچہ گزر سکتا تھا (عن میمونہؓ مسلم ص ۱۹۴، ابوداؤد ص ۳۳۹) مطلب یہ ہے اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھنا

چاہیے۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے جو نماز پڑھ کر دکھلائی تھی اس کے مطابق ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

وفرج بين فخذيه غير حامل بطنه على شيئ من فخذيه (أبوداود ص ٢٦٧)

رانوں کے درمیان فاصلہ تھا اور پیٹ کا بوجھ رانوں کے کسی حصہ پر نہیں ڈالا ہوا تھا۔

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ میں بازوؤں کو کتے کی طرح نہ بچھاؤ اور رانوں کو ملا کر رکھو (عن ابی ہریرہ' ابوداؤد ص ۳۳۹)

اگر انسان مشقت محسوس کرے تو کہنیوں کو گھٹنوں پر ٹکایا جا سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

استعينوا بالركب (عن ابى هريرة أبوداود ص ٣٤٠)

اپنے گھٹنوں سے مدد حاصل کرو۔

نیز سجدہ میں پشت کو اٹھا کر رکھنا چاہیے (عن براء بن عازب ابوداؤد ص ۳۳۸)

رکوع و سجود میں ہاتھ پاؤں کی انگلیاں

كان إذا ركع فرج بين أصابعه وإذا سجد ضم أصابعه (عن وائل بن حجر مستدرك حاكم ج١ ص ٢٢٧)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں انگلیاں کشادہ اور سجدہ میں ملا کر رکھتے

اس طرح انگلیاں سیدھی قبلہ رخ ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

سجد النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ووضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف أصابع

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو نہ بچھایا ہوا تھا نہ انہیں بند کیا ہوا تھا اور آپ کے پاؤں کی

رجلیه القبلة (بخاری ص ۱۱٤)	انگلیاں قبلہ رخ تھیں۔

سجدہ کی شان ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

أقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثروا الدعاء (عن ابی هریرة مسلم ص ۱۹۱)	بندہ اپنے رب کے قریب سب سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو۔ لہٰذا بہت دعا کیا کرو۔

قیامت والے دن جب نبی ﷺ کو شفاعت کی اجازت ملے گی تو آپ بارگاہ ایزدی میں سجدہ بجالائیں گے تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

ارفع محمد وقل تسمع واشفع تشفع وسل تعطه (عن انس بخاری ج۲ ص ۱۱۰، مسلم ج۱ ص ۱۰۹)	اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ۔ کہو سنی جائیگی۔ سفارش کرو قبول ہوگی۔ مانگو دیئے جاؤ گے۔

سجدہ کی دعائیں رکوع کے بیان میں مذکور پہلی تین تسبیحات کے علاوہ آنحضرت صلعم سے سجدہ میں مندرجہ ذیل دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔

اللهم اغفرلی۔ذنبی کله دقه وجله أوله واخره وعلانیته وسره (عن ابی هریرة مسلم ص ۱۹۱)	یااللہ میرے چھوٹے بڑے' اگلے پچھلے کھلے چھپے سب گناہ معاف فرمادے۔
اللهم إنی أعوذ برضاك من سخطك وبمعا فاتك من عقوبتك وأعوذ بك منك لا أحصی ثناء علیك أنت کما اثنیت علی نفسك (عن عائشة	یااللہ میں پناہ مانگتا ہوں تری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے۔ اور تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تجھ سے میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ایسے ہی

مسلم ص ۱۹۲)

ہے جیسے تو نے اپنی شان بیان کی۔

اللهم لك سجدت وبك امنت ولك اسلمت سجد وجهي للذى خلقه وصوره وشق سمعه وبصره تبارك الله أحسن الخالقين (عن علی مسلم ص ۲۶۳)

اے اللہ میں نے تیرے لئے سجدہ کیا۔ میں تجھ پر ایمان لایا میں تیرا فرمانبردار ہوا میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ذات کو جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور اس کے کان اور آنکھیں بنائیں۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ہے بہترین خالق ہے۔

اللهم اجعل في قلبي نورا وفي سمعي نورا وفي بصري نورا وعن يميني نورا وعن شمالي نورا وفوقي نورا وتحتي نورا واجعل لي نورا أو قال واجعلني نورا (عن ابن عباس مسلم ص ۲۶۱)

یا اللہ میرے دل میں نور پیدا فرما میرے کانوں میں نور میری آنکھوں میں نور میرے دائیں نور میرے بائیں نور میرے آگے پیچھے اور نیچے نور پیدا فرما اور میرے لئے یا فرمایا مجھے نور بنا دے

جلسہ بین السجدتین

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ثم يرفع رأسه ويثني رجله اليسرى فيقعد عليها (أبوداود ص ۲۶۵، ترمذی ص ۲۴۹)

پھر آپ اپنا سر اٹھاتے اور موڑتے اپنے پاؤں اور اس پر بیٹھ جاتے

اس نشست کو افتراش کہتے ہیں۔ یہ بیٹھنے کی افضل صورت ہے۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی ایک اور صورت بھی ہے جسے اقعاء کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ دو زانو ہو کر انگلیوں کے سہارے پاؤں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھا جائے۔ طاؤس

کہتے ہیں۔

قلنا لابن عباس فی الاقعاء علی القدمین قال هی السنة فقلنا إنا لنراه جفاء بالرجل قال بل هی سنة نبیکم (مسلم ص ۲۰۲، ترمذی ص ۲۳۵، أبوداود ص ۳۱۱)

ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اقعاء یعنی دونوں پاؤں کے اوپر بیٹھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ سنت ہے۔ ہم نے کہا یہ نشست آدمی کیلئے تکلیف دہ ہے فرمایا یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے

ابوالزبیر سے روایت ہے۔

أنه رأی عبد الله بن عمر إذا سجد حین یرفع رأسه من السجدة الا ولی یقعد علی اطراف اصابعه ویقول انه من السنة (بیهقی ج۲ ص ۱۱۹)

کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ جب پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کے کناروں پر بیٹھتے اور فرماتے یہ سنت ہے۔

طاؤس کہتے ہیں عبا دلہ ثلاثہ یعنی عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کا یہی عمل تھا (ایضا)

موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق آتا ہے کہ وہ دو سجدوں کے درمیان علی صدور قدمیہ یعنی بصورت اقعاء بیٹھے تو دریافت کرنے پر فرمایا۔

أنها لیست بسنة الصلوة إنما افعل ذلك من اجل انی اشتکی (ص ۳۰)

یہ نماز کی سنت نہیں ہے۔ میں بیماری کی وجہ سے ایسے کرتا ہوں

ممکن ہے ان کا مطلب یہ ہو کہ یہ نشست افضل صورت نہیں ہے یا یہ کہ

یہ نماز کا عام طریقہ نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تقع بين السجدتين (ترمذی ص ۲۳۵، ابن ماجه ص ٦٤) سجدتین کے درمیان بصورت اقعاء نہ ہو۔

اس کی سند میں حارث اعور ضعیف ہے (ترمذی ص ۲۳۵) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے (شرح مسلم ص ۲۰۲)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقعاء بین السجدتین مکروہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مستحب اور مکروہ دونوں طرح منقول ہے۔ حقیقت یہ ہے اقعاء بین السجدتین کے ممنوع ہونے کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آتی ہے۔

نهانی رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن ثلاث عن نقرة كنقرة الديك واقعاء كاقعاء الكلب والتفات كالتفات الثعلب (مسند أحمد، تحفه الاحوذی ص ۲۳۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین چیزوں سے منع فرمایا کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے کتے کی طرح اقعاء بیٹھنے سے اور لومڑ کی طرح جھانکنے سے

اس کی سند بے شک حسن ہے مگر یہاں اقعاء کا وہ مفہوم نہیں جو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ کتے کی طرح اقعاء یہ ہے کہ ہاتھ اور سرین زمین پر ہوں اور پنڈلیاں کھڑی ہوں۔ یہ نشست نماز کی ہر حالت میں منع ہے اور پہلی قسم کے اقعاء کا جواز بھی صرف دو سجدوں کے درمیان مخصوص ہے اس کے علاوہ حالتوں میں نہیں۔ بعض لوگ تشہد میں بھی بصورت اقعاء بیٹھ جاتے ہیں جو صحیح نہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم (ص ۲۰۲) میں اقعاء بین السجدتین کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بہتوں کا مذہب نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص ج ۱ ص ۲۵۷ میں اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار (ج ۲ ص ۲۸۶)

میں بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ صاحب تحفہ الاحوذی ابن عباس والی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ

هذا الحديث نص صريح في ان الاقعاء سنة (ص ٢٣٥)
یہ حدیث اقعاء کے سنت ہونے پر نص صریح ہے

دعاء بین السجدتین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے۔

اللهم اغفرلي وارحمني وعافني واهدني وارزقني (أبوداود ص ٣١٦)
یااللہ مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما مجھے معاف فرما۔ مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق دے

ترمذی میں وعافنی کی بجائے واجبرنی (میری تلافی فرما) کا لفظ ہے (ص ۲۳۶)

مسند احمد میں واجبرنی کے آگے وارفعنی (میری شان بلند فرما) بھی ہے (ج ۱ ص ۳۷۰)

ابن عباس کی روایت میں کامل ابوالعلاء راوی متکلم فیہ ہے۔ احناف نے ان دعاؤں کے پڑھنے کو مسنون کہا ہے۔ (نماز پیمبر ص ۱۹۱، نماز مسنون ص ۳۶۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو یہ پڑھتے سنا رب اغفرلی رب اغفرلی (نسائی ص ۱۳۵ ابن ماجہ ص ۶۴) یہ روایت صحیح ہے

دوسرا سجدہ

ثم يكبر حين يسجد (عن ابی هريرة بخاری ص ١٠٩، مسلم ١٦٩)
پھر دوسرے سجدہ کیلئے تکبیر کہے

اس میں بھی وہی تسبیحات اور دعائیں مسنون ہیں جو پہلے سجدہ میں ہیں۔

جلسہ استراحت

سجدتین سے فارغ ہو کر کھڑا ہونے سے قبل پہلی اور تیسری رکعت میں تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جانا چاہئے۔ اسے جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ حنفی شریعت میں یہ جائز نہیں ہے۔ نماز پیمبر میں لکھا ہے امت کا اجماع ہے کہ یہ جلسہ سنت نہیں ہے (ص ۱۹۴)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی نماز کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوى قاعدا (بخاری ص ۱۱۳، ترمذی ص ۲۳۷)	آپ ﷺ طاق رکعت سے اٹھتے وقت کھڑا ہونے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

والعمل عليه عند بعض أهل العلم وبه يقول اصحابنا	بعض اہل علم اور ہمارے اصحاب کا یہی عمل ہے

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں اس میں جلسہ استراحت کی مشروعیت کا ثبوت ہے امام شافعی اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ خلال نے ذکر کیا ہے کہ ان کا آخری قول یہی ہے۔ تاہم اکثر نے اسے مستحب نہیں جانا (فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۲) ھدایہ میں بھی موجود ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جلسہ استراحت کے قائل تھے (ص ۷۶) معلوم ہوتا ہے مصنف نماز پیمبر نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اجماع سے چلتا کر دیا ہے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد میں لوگوں کو نبی ﷺ جیسی نماز پڑھ کر دکھلائی۔ دیکھنے والے ایک راوی ابوقلابہ نے ایوب کو بتلایا کہ ان کی نماز حضرت عمرو بن سلمہ جیسی تھی جن کے بارے میں ایوب کہتے ہیں۔

وإذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الأرض ثم قام (بخاری ص ۱۱٤، نسائی ص ۱۳٦)	جب وہ اپنا سر دوسرے سجدہ سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگا کر پھر کھڑے ہوتے

ابو حمید ساعدی فرماتے ہیں

ثم یسجد ثم یقول اللہ اکبر ویرفع ویثنی رجلہ الیسری فیقعد علیہا ثم یعتدل حتی یرجع کل عظم الی موضعہ ثم ینہض (أبوداود ص ۲٦٦)	نبی ﷺ سجدہ سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑ کر اس کے اوپر بیٹھ جاتے اور مکمل اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر پھر کھڑے ہوتے

بروایت ابورافع ترمذی (ص ۳۴۹) میں اور بروایت ابن عباس ابوداؤد (ص ۴۹۹) میں نبی ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نماز تسبیح کا جو طریقہ بتلایا تھا اس میں دوسرے سجدے کے بعد ذکر ہے۔

ثم ارفع رأسك فقلها عشرا قبل ان تقوم	پھر اپنا سر اٹھاؤ اور کھڑے ہونے سے پہلے دس بار تسبیح پڑھو۔

اس سے بھی جلسہ استراحت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ روایتیں گو ضعیف ہیں تاہم حنفیہ نماز تسبیح کے قائل ہیں اور اس پر ان کا عمل ہے۔ صاحب نماز مسنون نے صلوۃ التسبیح کے تحت ان کا ذکر کیا ہے (ص ۵۷۷) مگر چونکہ یہ جلسہ استراحت کے قائل نہیں اس لئے وہ بجائے اس کے حضرت عبداللہ بن مبارک کے قول (ترمذی ص ۳۵۱) کے مطابق حالت قیام میں ۲۵ مرتبہ تسبیح پڑھ لیتے ہیں۔ ۱۵ مرتبہ ثناء کے بعد اور ۱۰ مرتبہ قراءت کے بعد۔ یعنی نماز تسبیح کا مسئلہ حدیث سے لے لیتے ہیں۔ اور طریقہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے لے لیتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ جلسہ استراحت نہ کرنا پڑے۔ مالک ہیں جو مرضی کریں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شافعیہ اور اکثر محدثین نے حدیث شریف میں بیان شدہ طریقہ نماز تسبیح کو پسند کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ حنفی شافعی کا امتیاز پیدا کئے بغیر سب کو اس طریقہ پر عمل کرنا چاہئے (یعنی جس میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے) (الاثار المرفوعہ بحوالہ تحفہ ص ۲۳۷)

اس سنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے حنفیہ نے نبی ﷺ کے جلسہ استراحت کو عذر پر محمول کیا ہے (ہدایہ ص ۷۶) یہ محض ایک وہم ہے جسے خود بحرالرائق کے حنفی مصنف نے محتاج دلیل ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ہے (بحوالہ تحفہ ص ۲۳۷) اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تردید کی ہے (درایہ)

حنفیہ کا نبی ﷺ کے جلسہ استراحت کو بڑھاپے پر محمول کرنا میرے لئے ایک اور لحاظ سے بھی باعث حیرت ہے۔ آپ ﷺ کا ۶۳ برس کی عمر پانا قمری حساب سے ہے۔ شمسی حساب سے آپ کی عمر مبارک تقریباً ۶۱ برس بنتی ہے۔ اسے ہم ادھیڑ عمر تو کہہ سکتے ہیں معروف معنوں میں بڑھاپا کہنا مشکل ہے۔ اس عمر میں انسان اتنا بوڑھا نہیں ہو جاتا کہ وہ سیدھا کھڑا بھی نہ ہو سکے اور پھر آپ ﷺ تو آخر تک غزوات میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا کہ آپ ﷺ بڑھاپے کی وجہ سے جلسہ استراحت کرتے تھے توہین رسالت معلوم ہوتی ہے اور حنفیہ کا اپنا یہ حال ہے (اللہ تعالیٰ ہر ایک کو رذیل عمر سے بچائے) کہ ان کے ستر اسی سالہ بوڑھے بھی چاہے کتنی دقتوں کے ساتھ اور کئی پینترے بدل بدل کر کیوں نہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوں مگر مجال ہے جو جلسہ استراحت کر لیں تاکہ سنت نبوی ﷺ سے کہیں مشابہت نہ ہو جائے۔ ایسی بھی تقلید کیا ہوئی جو گور کنارے بھی پیچھا نہ چھوڑے میرے بھائی اگر نبی ﷺ نے بڑھاپے میں جلسہ استراحت کیا تھا تو کم از کم اپنے بوڑھوں کو ہی اس کی اجازت دیدو کہ وہی اس بڑھاپے کی سنت پر عمل کر لیں۔

اس میں شک نہیں کہ آخر عمر میں نبی ﷺ کا وجود مبارک بھاری ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کمزوری محسوس فرمانے لگے تھے جیسا کہ عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی

ہیں۔

لما بدن رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وثقل كان أكثر صلاته جالسا (مسلم ص ۲۵۳)

جب نبی ﷺ کا وجود مبارک بھاری اور بوجھل ہوگیا تو آپ ﷺ عموما بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔

"اسی لئے" حنفیہ بھی ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ گو ظہر اور مغرب کے بعد نبی ﷺ سے دو نفل بیٹھ کر پڑھنے کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس عمل کے متعلق ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبر سنی کی وجہ سے کیا تھا بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا پورا ثواب ملتا تھا (عن عبداللہ بن عمر مسلم ج ا ص ۲۵۳) اور یہ بھی ثابت ہے کہ دوسروں کو نصف ثواب ملتا ہے (ہدایہ باب النوافل ص ۱۰۹) پھر بھی حنفیہ کے نوجوان کیا اور بوڑھے اور بچے کیا سب بیٹھ کر پورے دو نفل پڑھتے ہیں مگر ایک ذرا سے جلسہ استراحت پر اعتراض ہے کہ ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے بڑھاپے کی وجہ سے اس پر عمل کیا ہوگا اور اس پر ان کے بوڑھے بھی عمل نہیں کرتے۔ اندازہ فرمایئے ان کا مسلک کتنا متناقض کتنا غیر مدلل کتنا غیر مسنون اور کتنا غیر پیغمبری ﷺ ہے۔

حنفیہ کا ایک یہ اعتراض ہے کہ کئی احادیث میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں۔ حالانکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہر مسئلہ ہر حدیث میں نہیں مل جاتا۔ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں خود حنفیہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ ان کی نظر ایک حدیث پر نہیں بلکہ احادیث پر ہوتی ہے اگر ایک حدیث میں ذکر نہیں تو دوسری میں تو ہے۔ پھر یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی کبھی کہتے ہیں اگر یہ سنت ہوتی تو اس کے لئے کوئی مخصوص ذکر ہونا چاہئے تھا۔ یہ اعتراض انہیں تب زیب دیتا اگر ذکر کا ثبوت پا کر انھوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہوتا نماز تسبیح کے جلسہ استراحت میں ذکر کا ثبوت ہے۔ یہ اسے بھی نہیں مانتے۔ اصل بات یہ

ہے یہ ایک مستقل رکن نہیں۔ بلکہ سجدہ سے فارغ ہو کر اٹھ کر کھڑے ہونے کا یہ ایک تدریجی طریقہ ہے۔ یعنی دم لینے کو نمازی ذرا سا بیٹھ جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ کو اس پر اعتراض ہے۔ کہتے ہیں چونکہ یہ جلسہ استراحت ہے جبکہ نماز استراحت کیلئے وضع نہیں کی گئی ہے۔ محشی ہدایہ نے اس پر اشکال پیش کیا ہے کہ قعدہ اولیٰ (یعنی دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا) بھی تو استراحت کیلئے ہی ہے پھر خود ہی جواب دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ استراحت اسی لئے مشروع ہے کہ پہلی نماز کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور تجدید نشاط ہو جائے۔ چونکہ دو رکعت سے کم نماز معتبر نہیں اس لئے پہلی اور تیسری رکعت میں جلسہ استراحت بے مقصد ہے اس سے ثابت ہوا احناف نے نماز کے بیچ میں استراحت اور تجدید نشاط کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ باقی رہ گیا مسئلہ ایک یا دو رکعت کا۔ ایک رکعت بھی اگر صحیح طریقہ سے پڑھی جائے تو تجدید نشاط کی ضرورت پڑ سکتی ہے نیز ایک رکعت کو قابل اعتبار نہ سمجھنا بھی صحیح نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

فرض اللہ الصلوۃ علی لسان نبیکم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعة (مسلم ص ۲۴۱)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر نماز حضر میں چار سفر میں دو اور خوف میں ایک رکعت فرض فرمائی

نیز وتر کے متعلق صاف حدیث آتی ہے۔

الوتر رکعة من اخر اللیل (عن ابن عمر وابن عباس مسلم ص ۲۵۷)

وتر ایک رکعت ہے آخر رات میں

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ولنا حدیث ابی ھریرۃ ان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کان ینهض فی الصلوۃ علی صدور قدمیه (ص ۷۶)

ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اپنی پاؤں کی نوک پر کھڑے ہوتے تھے

یہ روایت ترمذی میں ہے اور ضعیف ہے خود امام ترمذی فرماتے ہیں اس

میں خالد بن ایاس اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے (ص ۲۳۸) یہ صالح مولیٰ التومتہ سے روایت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آخر عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا (تقریب) اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو تعارض والی بات نہیں علی صدور قدمیہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جلسہ استراحت کئے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے بلکہ یہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپ بیٹھے بیٹھے پاؤں سیدھے کر لیتے ہوں اور پھر ایڑیوں کے زور پر اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوں جیسے متربع انسان عام طور پر اٹھتا ہے۔ اہل حدیث کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے کئی احناف بھی اسی طرح اٹھتے ہیں۔ کیونکہ امام نے جلسہ استراحت کرنا ہوتا ہے اور انہوں نے اس سنت سے پرہیز کرنا ہوتا ہے اس لئے یہ انتظار میں پاؤں کے بل بیٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

عطیہ عوفی سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔

يقومون على صدور اقدامهم (بیهقی ج۲ ص ۱۲۵)

وہ اپنے پاؤں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

خود امام بیہقی فرماتے ہیں عطیہ عوفی قابل احتجاج نہیں ہے۔ (ص ۱۲۶) عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے۔

رمقت ابن مسعود فرايته ينهض على صدور قدميه ولا يجلس إذا صلى فى أول ركعة حين يقضى السجود (بیهقی ص ۱۲۵)

میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ پاؤں کے بل کھڑے ہوئے تھے اور پہلی رکعت میں سجدہ سے اٹھ کر نہیں بیٹھتے تھے۔

اس کے متعلق امام بیہقی فرماتے ہیں۔

هو عن ابن مسعود صحيح ومتابعة

یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح ہے لیکن

السنة أولى (ص ١٢٦) سنت کی پیروی بہتر ہے۔

ممکن ہے ابن مسعود نے اس لئے جلسہ استراحت نہ کیا ہو کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے۔ شمس الائمہ حلوائی حنفی فرماتے ہیں جلسہ استراحت کا اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔ اگر کر بھی لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(ردالمحتار بحوالہ تعلیقات نسائی ص ۱۳۶)

حضرت ابوحمید ساعدی کے متعلق ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ثم كبر فسجد ثم كبر فقام ولم يتورك (أبوداود ص ٢٦٧) پھر انہوں نے تکبیر کہی پس سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور کھڑے ہوگئے اور تورک نہ کیا

اس سے حنفیہ جلسہ استراحت کی نفی ثابت کرتے ہیں مثلا فقط اتنے ہی الفاظ نقل کر کے مصنف نماز مسنون نے ولم یتورک کا ترجمہ یہ کیا ہے اور جلسہ استراحت نہ کیا (ص ۳۷۳) اسی طرح بس یہی الفاظ نقل کر کے مصنف نماز حنفی مدلل نے ولم یتورک کا ترجمہ یہ کیا ہے اور نہ بیٹھے (ص ۱۹۱) حالانکہ یہ دونوں ترجمے صحیح نہیں۔ تورک بائیں سرین پر بیٹھ کر بائیں پاؤں کو دائیں طرف کر لینے کا نام ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کے مطابق اہل حدیث آخری تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ راوی کا مقصد یہ نہیں جو ان دونوں شیوخ نے بیان کیا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ اٹھتے وقت یہ تورک کی خاص صورت نہیں بیٹھے تھے۔ اس سے متصل پہلے یہ الفاظ ہیں۔

ثم كبر فجلس فتورك ونصب قدمه الاخرى پھر انہوں نے تکبیر کہی اور بصورت تورک بیٹھے اور اپنا دوسرا پاؤں کھڑا کر دیا

یعنی کہ وہ سجدوں کے درمیان بصورت تورک بیٹھے تھے (جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ عون المعبود ص ۲٦۷) مگر دوسرے سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت انہوں نے تورک کی یہ صورت اختیار نہیں کی تھی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح بیٹھے تھے تو اس کے متعلق ابوداؤد (ص ۲٦٦) ہی کے حوالہ سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ بصورت افتراش بیٹھے تھے۔ حنفی بزرگ اگر پورے الفاظ نقل کر دیتے اور ترجمہ بھی صحیح کر دیتے تو یہ دھوکہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ بلکہ ان کی اس پیش کردہ روایت میں رفع یدین کا ذکر بھی ہے جس سے ان کی پرانی "دُلگتی پھبتی" ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ استراحت کو مستحبات میں شمار فرمایا ہے۔ (حجتہ اللہ ج ۲ ص ۸) اسی طرح شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ استراحت کو مسنونات میں بیان کیا ہے (غنیتہ الطالبین مترجم ص ۹)

❋❋❋

کیسے کھڑے ہوں

حنفیہ چونکہ جلسہ استراحت کے قائل نہیں۔ نیز ان کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ کھڑا ہوتے وقت پہلے ہاتھ اور بعد میں گھٹنے اٹھانے چاہئیں لہٰذا یہ سجدہ سے فارغ ہوتے ہی بدقت تمام اپنا بوجھ رانوں پر ڈال کر اٹھتے ہیں۔

ولا يقعد ولا يعتمد على الأرض بيديه عند قيامه وانما يعتمد على ركبتيه (فتاوى عالمكيرى ج١ ص ٧٥)

اور نہ بیٹھے اور نہ زمین پر ٹیک لگائے اپنے ہاتھوں کے ساتھ کھڑا ہوتے وقت۔ اپنے گھٹنوں پر ٹیک لگائے۔

چنانچہ ایک روایت میں بھی ہے۔

وإذا نهض نهض على ركبتيه واعتمد على فخذيه (عن وائل بن حجر أبوداود ص ٢٦٨، ٣١١)

کھڑے ہوئے نبی ﷺ اپنے گھٹنوں پر اور ٹیک لگائی اپنی رانوں پر

اور ایک روایت میں ہے

نهى رسول الله أن يعتمد الرجل على يديه إذا نهض فى الصلوة (عن ابن عمر أبوداود ص ٣٧٧)

نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی نماز میں کھڑا ہوتے وقت اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے

اول الذکر حدیث کی سند منقطع ہے دوسری حدیث میں اضطراب ہے۔ امام ابو داؤد نے چار مختلف شیوخ سے یہ حدیث سنی ہے مگر کسی کے الفاظ آپس میں نہیں ملتے مثلاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ہیں

نهى أن يجلس الرجل فى الصلوة وهو معتمد على يده

منع کیا آپ ﷺ نے کہ آدمی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے

احمد بن شبویہ کے یہ الفاظ ہیں

نهى أن يعتمد الرجل على يديه فى الصلوة — آپ ﷺ نے منع کیا کہ آدمی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگائے

محمد بن رافع کے یہ الفاظ ہیں۔

نهى أن يصلى الرجل وهو معتمد على يده — آپ ﷺ نے منع کیا کہ آدمی اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر نماز پڑھے۔

صرف محمد بن عبدالملک کے وہ الفاظ ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ حنفیہ کا استدلال محمد بن عبدالملک کی روایت سے ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ محمد بن عبدالملک مجہول ہے اور یہ اپنے سے زیادہ ثقہ یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کرتا ہے لہٰذا یہ شاذ بھی ہے (عون المعبود ص ۳۷۶) اس کے بالمقابل جلسہ استراحت کے باب میں آپ صحیح روایت پڑھ چکے ہیں۔

إذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الأرض ثم قام (بخاري ص ١١٤ و ص ٩٣، نسائي ص ١٣٦) — جب انہوں نے اپنا سر دوسرے سجدہ سے اٹھایا تو زمین پر ٹیک لگائی پھر کھڑے ہوئے

اس لئے کسی مشکل میں گرفتار ہوئے بغیر نہایت سہولت کے ساتھ ہمیں زمین پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے۔ حنفیہ نے اپنے مقتدیوں کو امتحان میں ڈال رکھا ہے بے چارے بہت کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنی رانوں کے زور پر اٹھ کھڑے ہوں اور زمین کے ساتھ ان کے ہاتھ مس نہ ہوں لیکن اکثر اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی گھٹنے اٹھانے کے بعد ان کے ہاتھ زمین کے ساتھ سہارا لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کے جسم کی کمزوری نہیں ان کی فقہ کی کمزوری ہے۔

بند مٹھی بعض دوست ہاتھوں کو مٹھی بنا کر اٹھتے ہیں۔ یہ ایک مشکل سے بچ کر دوسری مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ دوستوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ

اس بارے میں کوئی صحیح اور واضح روایت نہیں ہے۔ صحاح ستہ میں تو اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں۔

ان رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا قام فی صلوته وضع یده علی الأرض کما یضع العاجن

نبی ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے اپنے ہاتھ زمین پر یوں رکھتے جیسے آٹا گوندھنے والا رکھتا ہے۔

اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابن الصلاح نے وسیط پر اپنے کلام میں لکھا کہ یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معروف ہے۔ اس کے ساتھ احتجاج جائز نہیں۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب میں کہا کہ یہ ضعیف بلکہ باطل اور بے اصل ہے اور تنقیح میں کہا کہ یہ ضعیف اور باطل ہے ---------- اور طبرانی اوسط میں ارزق بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا۔

وھو یعجن فی الصلوۃ یعتمد علی یدیه کما یفعل الذی یعجن العجین

وہ نماز میں آٹا گوندھنے والے کی طرح اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے۔

(التلخیص الحبیر ج۱ ص ۲۶۰)

علامہ البانی نے آگے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

فقلت له فقال رأیت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یفعله أخرجه ابو اسحاق الحربی فی غریب الحدیث (۱/۹۸/۵۰)

میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا میں نے نبی ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہے

اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

(الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج ۲ ص ۳۹۲)

بقول علامہ البانی یہ سند حسن بھی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البانی صاحب سمیت یار لوگوں کو لفظ عجن سے مغالطہ لگ گیا ہے وہ سمجھتے ہیں اس

کے معنی بس آٹا گوندھنے کے ہیں حالانکہ المنجد اور قاموس میں ہے۔

عجن الرجل . . . . نهض معتمدا بيديه على الأرض

اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوا۔

آٹا گوندھنا بھی اگر مراد لے لیا جائے تو آٹا گوندھنے والا انسان بھی ہمیشہ مٹھیاں بند نہیں رکھتا۔ کبھی کھولتا ہے کبھی بند کرتا ہے راوی کا مقصد بھی یہ نہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما مٹھیاں بند کر کے اٹھتے تھے بلکہ یہ ہے کہ وہ آٹا گوندھنے والے کی طرح زمین پر دباؤ ڈال کر اٹھتے تھے۔ ہرگز کوئی ایسی روایت نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ مٹھیاں بند کر کے کھڑے ہوتے ہوں۔ لغت بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔ یہ فقط ایک شوشہ ہے جو عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے چھوڑا گیا ہے خود اسی ارزق بن قیس سے مروی ہے۔

رأيت ابن عمر إذا قام من الركعتين اعتمد على الأرض (بيهقى ج٢ ص ١٣٥)

میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ دو رکعتوں سے فارغ ہو کر زمین پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے تھے

علامہ البانی فرماتے ہیں۔

هذا إسناد جيد ورجاله ثقات كلهم

اس کی سند عمدہ اور راوی ثقہ ہیں

(الاحاديث الضعيفة والموضوعة ج٢ ص ٣٩٢)

مصنف عبدالرزاق میں اس اثر کے الفاظ یوں ہیں۔

عن ابن عمر أنه كان يقوم إذا رفع رأسه من السجدة الثانية معتمدا على يديه قبل أن يرفعهما (بحواله فتح البارى ج٢ ص ٣٠٣)

ابن عمر دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے وقت ہاتھوں کو اٹھانے سے پہلے ان پر ٹیک لگاتے تھے۔

ان میں عجن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

بخاری ص ۱۱۴ کے حوالہ سے اوپر حدیث مذکور ہوئی ہے اس کے حنفی حاشیہ نمبر ا پر کرمانی کے حوالے سے لکھا ہے۔

قال الفقهاء يعتمد كما يعتمد العاجن للخمير	فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ ٹیک لگائے جیسے آٹا گوندھنے والا کرتا ہے

میں نے اپنے استاد محترم مولنا ابو البرکات احمد صاحب مرحوم سے اس موضوع پر بات کی تو مسکرا دیئے اور اسی حاشیہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ بعض فقہاء کا قول ہے۔ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

❋❋❋

دوسری رکعت

پھر ہر رکعت پہلی رکعت کی طرح ادا کرنی چاہئے جیسے نبی ﷺ نے مسئی الصلوۃ کو فرمایا تھا

ثم افعل ذلك فی صلوتك كلها

پھر پوری نماز اسی طرح پڑھو۔

(عن ابی هريرة بخاری ص ١٠٩، مسلم ص ١٧٠، أبوداود ص ٣١٩)

ثناء؟ البتہ باقی رکعتوں میں ثناء نہیں پڑھی جائے گی۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا نهض من الركعة الثانية استفتح القراءة بالحمد لله رب العالمين ولم يسكت (عن ابی هريرة مسلم ص ٢١٩)

جب نبی ﷺ دوسری رکعت (کیلئے) کھڑے ہوتے تو بغیر سکوت فرمائے الحمدللہ سے قراءت کا آغاز فرما دیتے

تعوذ؟ تعوذ میں اختلاف ہے۔ قرآن پاک میں ہے

فإذا قراءت القرءان فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم

جب قرآن پڑھو تو اعوذ پڑھو

اس سے تعوذ پڑھنے کی گنجائش نکلتی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے چونکہ منقول نہیں اس لئے نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔

تسمیہ بسم اللہ پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا" یا موقوفا" مروی ہے۔

إذا قرأتم الفاتحة فاقرءوا بسم الله الرحمن الرحيم (دارقطنی بحواله بلوغ المرام مع سبل ص ١٧٠)

الحمد شریف پڑھنے لگو تو بسم پڑھو

بلکہ بسم اللہ ہر سورت کے شروع میں پڑھنی چاہئے۔

قراءت میں تناسب دوسری رکعت میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ قراءت

پہلی رکعت سے ذرا مختصر ہو۔

يطول في الركعة الا ولى مالا يطيل في الركعة الثانية وهكذا في العصر وهكذا في الصبح (عن ابى قتادہ بخاری ص ۱۰۷، مسلم ص ۱۸۵)

نبی ﷺ ظہر کی نماز میں دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت میں قراء ت لمبی فرماتے تھے۔ پھر عصر میں بھی اسی طرح صبح کی نماز میں بھی اسی طرح

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک قراء ت میں کمی و بیشی کا یہ تناسب صرف فجر کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام محمد کا مسلک حدیث کے مطابق ہے (ہدایہ ص ۸۲) یاد رہے یہ مسئلہ استجاب سے تعلق رکھتا ہے اگر بالفرض دونوں رکعتوں میں قراء ت برابر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں میں بقدر تیس تیس آیات کے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں بقدر پندرہ پندرہ آیات کے اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں بقدر پندرہ پندرہ آیات کے اور آخری دونوں رکعتوں میں اس کا نصف تلاوت فرماتے تھے (مسلم ص ۱۸۶)

بلکہ اگر کبھی دوسری رکعت پہلی رکعت سے قدرے طویل بھی ہو جائے تو اعتراض والی بات نہیں۔ مثلاً ثابت ہے کہ نبی ﷺ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون تلاوت فرماتے تھے (عن ابی ہریرہ مسلم ص ۲۸۷) یا عیدین کی پہلی رکعت میں ق اور دوسری میں قمر تلاوت فرماتے تھے (عن ابی واقد اللیثی مسلم ص ۲۹۱) یا عیدین اور جمعہ کی پہلی رکعت میں اعلی اور دوسری میں غاشیہ تلاوت فرماتے تھے (عن نعمان بن بشیر مسلم ص ۲۸۸) ان میں ہر دوسری سورت پہلی سورت سے قدرے طویل ہے۔

قراء ت میں ترتیب اسی طرح آپ ﷺ کا عام معمول بے شک یہی تھا کہ آپ ﷺ پہلی اور دوسری رکعتوں کی تلاوت میں قرآن کریم کی ترتیب ملحوظ رکھتے تھے اور اسی طرح ہونا بھی چاہئے لیکن اگر کبھی ترتیب میں تقدم تاخر ہو جائے تو

نماز میں نقص واقع نہیں ہوگا۔

وقرا الاحنف بالكهف في الاولى وفي الثانية بيوسف أو يونس وذكر أنه صلى مع عمر الصبح بهما (بخاری ص ۱۰۷)

احنف نے پہلی رکعت میں سورہ کہف اور دوسری میں سورہ یوسف یا یونس تلاوت کی اور بتایا کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ان سورتوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔

مفصلات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل (یعنی اذا زلزلت سے آخر تک) عشاء کی نماز میں اوساط مفصل (بروج سے لم یکن تک) اور صبح کی نماز میں طوال مفصل (حجرات سے اذا السماء انشقت تک) پڑھتے تھے (عن ابی ہریرہ نسائی ص ۱۱۹) ظہر اور عصر کے بارے میں بحوالہ صحیح مسلم ص ۱۸۶ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا علی الترتیب اوساط اور قصار میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے مگر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پابندی لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کی نماز میں مندرجہ ذیل سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے۔ المرسلات (عن ام الفضل بخاری ص ۱۰۵) الطور (عن جبیر بن مطعم بخاری ص ۱۰۵) جو کہ طوال میں سے ہیں۔ بلکہ دخان اور صافات کا پڑھنا بھی ثابت ہے (بحوالہ تنقیح الرواۃ ص ۲۰۸) الاعراف (عن زید بن ثابت بخاری ص ۱۰۵ ابوداؤد ص ۲۹۸ عن عائشہ نسائی ص ۱۲۰) جو کہ سوا پارے سے بھی زیادہ ہے۔ فجر کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ مومنون کی تلاوت فرما رہے تھے کہ آپ کو کھانسی شروع ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے (عن عبداللہ بن سائب بخاری ص ۱۰۶ مسلم ص ۱۸۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی ۱۲۰ آیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں کوئی اور سورت پڑھی (بخاری ص ۱۰۷) نبی صلعم نے ایک دفعہ فجر کی نماز سورہ فلق اور سورہ ناس سے پڑھا دی (عن

عقبہ بن عامر مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۵۴۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صبح کی دونوں رکعتوں میں بقرہ پڑھی (موطا امام مالک ص ۲۸) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں اس کثرت سے سورہ یوسف کی تلاوت فرماتے کہ فرافصہ بن عمر حنفی کو زبانی یاد ہوگئی (موطا امام مالک ص ۲۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی پہلی رکعت میں سورہ یوسف اور دوسری میں سورہ حج پڑھی (عن عامر بن ربیعہ موطا امام مالک ص ۲۸)

اسی طرح ظہر و عصر کی نمازوں کے بارے میں ایک طرف تو یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ ان میں سورہ لیل یا اعلی وغیرہ پڑھتے تھے (عن جابر بن سمرہ مسلم ص ۱۸۷) دوسری جانب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ظہر کی نماز کھڑی ہو جاتی۔ ہم میں سے کوئی ایک بقیع کی طرف رفع حاجت کیلئے جاتا پھر اپنے گھر لوٹتا وضو کرتا اور مسجد میں آتا ہنوز نبی ﷺ پہلی رکعت میں ہوتے (مسلم ص ۱۸۶) یہ وقت وقت کی بات ہے۔

دوبارہ وہی سورت ایک دفعہ نبی ﷺ نے فجر کی ہر دو رکعت میں اذا زلزلت پڑھی (عن معاذ بن عبداللہ الجھینی ابوداؤد ص ۲۹۹)

دو رکعت میں ایک سورت آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے دو رکعتوں میں ایک سورت پڑھی مثلا نماز مغرب کی دو رکعتوں میں سورہ اعراف (عن عائشہ نسائی ص ۱۲۰) اور ابھی بیان ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فجر کی دو رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھی (موطا امام مالک ص ۲۸)

ایک رکعت میں دو سورت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لقد عرفت النظائر التی کان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یقرن بینھن فذکر عشرین سورۃ من المفصل

میں ان ایک جیسی سورتوں کو جانتا ہوں جنہیں نبی ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ تو انہوں نے مفصلات میں سے بیس ایسی سورتوں کا ذکر کیا جنہیں نبی ﷺ

سورتین فی کل رکعۃ (بخاری ص ۱۰۷، مسلم ص ۲۷۴) ایک رکعت میں دو دو کر کے پڑھا کرتے تھے۔

ناکمل سورت آپ ﷺ سے ایک رکعت میں ایک سورت کا کچھ حصہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ فجر کی دو رکعتوں (سنتوں؟) میں قولوا امنا باللہ (بقرہ) اور قل یا اھل الکتاب تعالوا (ال عمران) پڑھتے (مسلم بحوالہ مشکوۃ ج ا ص ۱۵۴)

❋❋❋

آیات کا جواب

تلاوت کے دوران میں نبی ﷺ سے بعض آیات کا جواب دینا بھی ثابت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو فرماتے ہیں۔

اذا مر باية فيها تسبيح سبح واذا مر بسؤال سال واذا مربتعوذ تعوذ (مسلم ج١ ص ٢٦٤، أبوداود ص ٣٢٥)

جب آپ کا گزر کسی ایسی آیت پر سے ہوتا جس میں تسبیح کا ذکر ہو تو آپ تسبیح پڑھتے۔ سوال کا ذکر ہوتا تو سوال کرتے۔ پناہ کا ذکر ہوتا تو پناہ مانگتے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس کے تحت لکھتے ہیں کہ ہمارا یعنی شافعیہ کا یہی مسلک ہے کہ یہ سب کیلئے مستحب ہے چاہے وہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو یا نماز کے علاوہ ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہ دونوں امام فرض اور نفل میں بھی فرق نہیں کرتے (عون المعبود ص ۳۳۰)

ایک صحابی نماز میں جب یہ آیت پڑھتے

أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى (القيمة ٤٠)

کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔

تو کہتے سبحانک فبلٰی پوچھنے پر بتلایا کہ یہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے (عن موسیٰ بن ابی عائشہ ابوداؤد ص ۳۳۰)

نبی ﷺ نے فرمایا تلاوت کرنے والا والتین کے آخر میں بلی وانا علی ذلک من الشاھدین اور القیمۃ کے آخر میں بلی اور المرسلات کے آخر میں امنا باللہ کہے (عن ابی ہریرہ ابوداؤد ص ۳۳۱) یہ

حدیث ایک اعرابی حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے۔ یہ حدیث والتین تک ترمذی میں بھی ہے (ج ۱ ص ۲۱۵) اس کے تحت صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں۔

هو حديث ضعيف لجهالة الاعرابى — اعرابی کے مجہول ہونے کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

نبی ﷺ سبح اسم ربک الا علی کے بعد سبحان ربی الا علی کہا کرتے تھے (عن ابن عباس ابوداؤد ص ۳۲۹)

امام بیہقی فرماتے ہیں۔

انه مختلف فى رفعه وإسناده (عون المعبود ص ۳۳۰) — اس حدیث کی سند میں بھی اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

ایک دفعہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو سورہ الرحمٰن سنائی۔ انہیں خاموش پا کر آپؐ نے فرمایا میں نے یہ سورت جنات کو بھی سنائی تھی۔ وہ کتنا اچھا جواب دیتے تھے جب بھی میں پڑھتا۔ فبای الاء ربکما تکذبن تو وہ کہتے لا بشئی من نعمک ربنا نکذب (ترمذی ج ۴ ص ۱۹۱) اس روایت کو بعض نے صحیح اور بعض نے ضعیف کہا ہے (تحفہ الاحوذی ص ۱۹۲) امام ترمذی نے غریب لکھا ہے۔

بعض لوگ سورہ ملک کے آخر میں اللہ رب العالمین اور غاشیہ کے آخر میں اللھم حاسبنی حسا با یسیرا اور سورہ واقعہ کے آخر میں سبحان ربی العظیم اور سورہ بقرہ کے آخر میں آمین کہتے ہیں۔ یہ جوابات نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ الا یہ کہ انہیں حضرت حذیفہ والی روایت کے عموم سے استدلال کر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز کے بیچ میں آیات کا جواب دینے کے قائل نہیں (عون المعبود ص ۳۲۹) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ' امام

احمد رحمۃ اللہ علیہ اور محدثین کا مسلک برحق معلوم ہوتا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے نماز کے بیچ میں جواب دینا ثابت ہے۔ صاحب تحفہ الاحوذی لکھتے ہیں مقتدی کا جواب دینا ثابت نہیں (ج ۴ ص ۲۱۵) میں سمجھتا ہوں بحکم نبویؐ

صلوا کما رأیتمونی اصلی (عن مالك بن حویرث بخاری ص ۸۸) نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو

مقتدی کو بھی جواب دینا مستحب ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے امام سجدہ تلاوت کرتا ہے تو مقتدی بھی سجدہ تلاوت بجا لاتے ہیں کیونکہ سجدہ تلاوت بھی اصل میں آیت کا جواب ہی ہے البتہ یہ بات ہے کہ مقتدیوں کو بالجہر جواب نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے۔ نیز اس سے امام کی قراءت میں خلل واقع ہوتا ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مقتدیوں کو سرا جواب دینا چاہئے اور اس وقفہ کے دوران میں جواب دینا چاہئے جس وقفہ میں امام جواب دیتا ہے اگر امام جواب دینے کیلئے وقفہ نہیں کرتا تو مقدیوں کو دوران قراءت میں ہرگز جواب نہیں دینا چاہئے نہ جہرا" نہ سرا" کیونکہ نبی ﷺ نے (سورہ فاتحہ کے علاوہ) دوران قراءت میں مقتدیوں کو قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمادیا ہے تو بھلا اور کسی چیز کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

❋❋❋

سورۃ سجدہ کی تلاوت

ہماری مساجد میں ائمہ کرام نمازوں میں عموماً ان سورتوں سے احتراز فرماتے ہیں جن میں آیات سجدہ ہوتی ہیں۔ اگر کبھی بھولے سے شروع کر دیں تو سجدہ والے مقام تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ یہ عمل خلاف سنت ہے۔ ابورافع کہتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے اذا السماء انشقت پڑھ کر سجدہ کیا میں نے اس بارے میں ان سے سوال کیا تو فرمایا

سجدت فیھا خلف ابی القاسم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فلا أزال اسجد فیھا حتی القاہ (بخاری ص ۱۰۶، مسلم ص ۲۱۵)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا لہٰذا میں اس میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپؐ سے جا ملوں

ہدایہ میں بھی لکھا ہے نماز میں یا نماز کے علاوہ کوئی سورت تلاوت کرنا اور سجدہ والی آیت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سجدہ سے اعراض پایا جاتا ہے (ص ۱۲۴)

بالفرض اگر امام کسی وجہ سے زائد سجدہ نہیں کرنا چاہتا تو اس کا ایک یہ حل صاحب نماز مسنون (ص ۵۳۱) نے ذکر کیا ہے اگر نماز پڑھ رہا ہے اور آیت سجدہ تلاوت کی تو آیت کے اختتام پر سجدہ تلاوت ہو اور یہ قراءت ختم کر کے رکوع کرنا چاہتا ہے تو رکوع میں ہی سجدہ کی نیت کر لے تو سجدہ ادا ہو جائے گا (بحوالہ شرح نقایہ ج ا ص ۱۱۶ کبیری ص ۵۰۵)

مصنف عماد الدین ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں رکوع میں یہ نیت کر لے کہ سجدۂ تلاوت کی طرف سے بھی یہی رکوع کرتا ہوں تو سجدہ ادا ہو جائے گا

اگر رکوع میں یہ نیت نہ کی تو رکوع کے بعد جب سجدہ کرے گا تو یہی سجدۂ تلاوت کا بھی بدل ہو جائے گا چاہئے کچھ نیت کرے یا نہ کرے (ص ۱۷۷) آیت سجدہ کی تلاوت کرنے کے بعد فورا رکوع جانے کی بھی ضرورت نہیں صاحب نماز مسنون لکھتے ہیں سجدہ کی آیت تلاوت کرتے وقت بہتر تو یہ ہے کہ فوری طور پر سجدہ کر لیا جائے لیکن فی الفور وجوب نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت نہ کر سکے تو بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے (ص ۵۲۶)

مصنف عماد الدین لکھتے ہیں (نماز میں) اگر آیت سجدہ تلاوت کو پڑھ کر فی الفور سجدہ تلاوت نہ کیا تو اس کے بعد تین آیتیں پڑھ کر سجدہ کیا تو بھی مضائقہ نہیں۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ آیتیں پڑھ کر سجدہ کیا تو سجدہ ادا ہو گیا لیکن گنہگار ہو گا (ص ۱۷۷) یہ مسائل بہشتی زیور میں بھی لکھے ہیں۔ آخر میں یہ حقیقت بھی عرض کر دوں کہ سجدہ تلاوت سرے سے واجب ہی نہیں ہے اس پر کئی مستند اور صحیح دلائل موجود ہیں صرف اور صرف حنفیہ کو خواہ مخواہ اس کے وجوب پر اصرار ہے۔

قعدہ اولیٰ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے

كان يقول في كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان (مسلم ص ١٩٤)

آپؐ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے۔ آپ اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے اور آپ شیطان جیسی نشست یعنی اقعاء سے منع فرماتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

إن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی ﷺ تشہد میں اپنے بائیں ہاتھ کو

كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى وعقد ثلاثا وخمسين وإشار بالسبابة (مسلم ص ۲۱٦)

اپنے بائیں گھٹنے پر اور اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ۵۳ کا عقد بناتے اور سبابہ سے اشارہ فرماتے

ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے اس سے پہلی روایت یوں ہے۔

كان إذا جلس في الصلوة وضع يديه على ركبتيه ورفع اصبعه اليمنى التي تلي الابهام فدعا بها ويده اليسرى على ركبته باسطها عليها (مسلم ص ۲۱٦)

آپؐ تشہد میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور انگشت شہادت کے ساتھ دعا فرماتے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر پھیلا کر رکھتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں یوں ہے۔

كان إذا جلس في الصلوة وضع يديه على فخذه اليمنى وقبض اصابعه كلها وإشار باصبعه التي تلي الابهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى (مسلم ص

جب آپؐ نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی اپنی دائیں ران پر رکھتے اور اس کی تمام انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کی ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرماتے اور اپنی بائیں ہتھیلی کو اپنی بائیں ران پر رکھتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا قعد يدعو وضع يده ...... وإشار باصبعه السبابة ووضع ابهامه على اصبعه الوسطى ويلقم كفه اليسرى (مسلم ص ۲۱٦)

نبی ﷺ جب نماز میں دعا کیلئے بیٹھتے۔ تو اپنے ہاتھ........ اور اپنی سبابہ انگلی سے اشارہ فرماتے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی درمیانی انگلی پر رکھتے اور اپنی بائیں ہتھیلی سے اپنے گھٹنے کو پکڑ لیتے۔

اشارہ ان احادیث سے مسئلہ کافی واضح ہو گیا ہے معلوم ہوا قعدہ اولی میں بصورت افتراش بیٹھنا چاہئے اور شروع ہی سے دائیں ہاتھ کو اشارے کی شکل دینی چاہئے اور بائیں ہاتھ کو پھیلا کر رکھنا چاہئے صاحب ہدایہ قعدہ اولی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ووضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه وتشهد ویروی ذلك فی حدیث وائل ولان فیه توجیه اصابع إلی القبلة (ص۷۷)

اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیاں پھیلا کر رکھے۔ یہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔ اس سے انگلیاں قبلہ رخ ہو جاتی ہیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وجلس فی الصلوة کما جلس فی الاولی لما روینا من حدیث وائل و عائشة (ص ۷۸)

اور آخری قعدہ میں بھی پہلے قعدہ کی طرح بیٹھے جیسا کہ ہم نے حضرت وائل اور حضرت عائشہ کی حدیث سے بیان کیا۔

صاحب ہدایہ کا ہمارے دل میں احترام ہے مگر یہ عبارت قابل احترام نہیں کیونکہ یہ غلط بیانی پر مبنی ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایسی کوئی روایت نہیں آتی ہے کہ تشہد میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا کر رکھنا چاہئے بلکہ ان سے اس کے برعکس صاف مروی ہے۔

وقبض ثنتین وحلق حلقة ... وإشار بالسبابة (عن وائل بن حجر ابوداود ص ۳۶۱)

آپؐ نے دو انگلیاں بند کر لیں اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنایا اور سبابہ سے اشارہ فرمایا۔

کسی بھی حدیث سے تشہد میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا کر رکھنے کا ثبوت نہیں ملتا بحالت تشہد دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو پھیلا کر رکھنے کی حنفیہ کے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اپنی بیان کردہ اس مصلحت کے کہ انگلیاں قبلہ رخ ہو جاتی ہیں۔ اگر نص کے مقابلے میں قیاس پر ہی چلنا ہے تو پھر بائیں پاؤں کو دائیں بائیں بچھانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ اس کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ ہی کر لینا چاہئے مذکورہ بالا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ سبابہ انگلی سے اشارہ فرماتے تھے لیکن ہدایہ سے یہ مسئلہ یوں غائب ہے جیسے "گھوڑے کے سر سے سینگ"۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر تو ہے مگر ترجیح اسی بات کو دی ہے کہ اشارہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مشائخ نے اسے مکروہ سمجھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (ج ا ص ۸۵)

جاننے والے جانتے ہیں کہ ماضی میں احناف کو اس اشارے سے کتنی چڑ رہی ہے۔ انگلیاں تک کاٹنے کی دھمکیاں دی جاتی رہی ہیں۔ مولنا لطف اللہ نسفی حنفی نے اپنی کتاب خلاصہ کیدانی میں انگلی اٹھانے کو حرام لکھا ہے۔

(بحوالہ عماد الدین ص ۱۸۸)

مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں بعض حضرات مثلا ابن ہمام رحمہ اللہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، مولنا حسین علی رحمہ اللہ اور دیگر نقشبندی حضرات کرام کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے اشارہ فی الصلوۃ کو سکون فی الصلوۃ کے خلاف سمجھا اور اس کو ترک کر دیا اور ان احادیث کو مول قرار دیدیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس بارہ میں صریح صحیح اور غیر متضاد احادیث موجود ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں ہے اور ائمہ کا اتفاق اسی پر ہے (ص ۳۹۲) اسی سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی بڑے درد دل کے ساتھ کیا ہے (التعلیق الممجد بحوالہ تحفہ ص ۲۴۲) گزارش ہے کہ یہ اشتباہ صرف بعض حضرات کو نہیں بلکہ ان کی مرکزی کتابوں کے مصنفین یعنی قدوری صاحب ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کے "پانچ

سو" علماء کو بھی ہوا ہے۔ جس طرح ان کا یہ اشتباہ دور ہو گیا ہے ہماری دعا ہے کاش رفع یدین کے بارے میں بھی ان کا اشتباہ دور ہو جائے کہ انہوں نے اسے بھی سکون فی الصلوۃ کے منافی سمجھ کر ترک کر رکھا ہے۔

مصنف نماز مدلل (ص ۱۲۶) لکھتے ہیں اشارہ بالمسبحۃ کے ثبوت میں بارہ مرفوع حدیثیں مروی ہیں تفصیل بتلانے کے بعد علامہ عبدالحی کا قول نقل کرتے ہیں۔

والاخبار فی الإشارة عن النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ واصحابه تکاد أن تکون متواتره (بحواله السعایة ج۲ ص ۲۱۶)	اشارہ بالمسبحۃ کے ثبوت میں احادیث و آثار تواتر کے قریب ہیں۔

آگے لکھتے ہیں محقق ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۱ ص ۲۷۲ پر انکار اشارہ کی تردید میں لکھتے ہیں۔

وهو خلاف الدرایة والروایة	کہ اشارہ کی نفی اور انکار درایت اور روایت کے خلاف ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ حوالہ مصنف نماز مسنون کی معلومات کے برعکس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صفائی پیش کرتے ہوئے مصنف عماد الدین لکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صحیح اور معتبر کتب حنفیہ کا ذخیرہ کم تھا ورنہ وہ ہرگز ایسا نہ کرتے اور افسوس کہ اس مسئلہ میں ان کا کشف صحیح بھی کام نہ دے سکا (ص ۱۸۸) ثابت ہوا قدوری ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری صحیح اور معتبر کتب حنفیہ نہیں ہیں کیونکہ ان میں بھی اشارے کا فتویٰ مفقود ہے۔ بقول ان کے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ صرف معتبر کتب حنفیہ کا ذخیرہ کم تھا بلکہ میں کہتا ہوں معلوم ہوتا ہے ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ بھی کم تھا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ احادیث جو خود بقول احناف حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، جناب مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم نہ

ہوتیں کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ کسی بڑے سے بڑے عالم (بشرطیکہ وہ متبع کتاب و سنت ہو) کا فتویٰ اگر حدیث کے برخلاف ہو تو اس کی اصل وجہ صحیح مسئلہ سے بے خبری ہوتی ہے۔ یہ توجیہہ اگر بارہویں صدی کے کسی عالم کے بارے میں کی جاسکتی ہے جب کہ علم بھی نسبتاً عام ہو چکا تھا تو پہلی اور دوسری صدی کے فقہاء کے بارے میں کیوں نہیں کی جاسکتی جبکہ اس وقت الف ثانی کی نسبت علم کے مجموعے بدرجہا کم تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار اس بحث سے معلوم ہوا کہ اشارے کا مسئلہ احناف کے سلف میں تھا خلف میں نہیں تھا اب خلف الخلف میں پھر سے رائج ہو گیا ہے الحمد لله علی ذلک۔ اسی طرح اشارے کی انگلی چھوڑ کر دائیں ہاتھ کی باقی انگلیوں کو سمیٹ کر رکھنے کا مسئلہ بھی ان کی کسی قابل ذکر کتاب میں نہیں۔ مثلاً ہر جگہ یہی لکھا ہے۔

ووضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه (قدوری ص ۲۶، فتاوی عالمگیری ص ۷۵، هدایه ص ۷۷)	اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور انگلیاں پھیلا کر رکھے

ہدایہ میں تو انگلیاں سمیٹ کر رکھنے کے خلاف "دلائل" بھی دیئے ہیں۔ مگر اب انہوں نے اسے بھی کھلے دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ مثلاً نماز پیمبر میں لکھا ہے۔ دائیں ہاتھ کی بڑی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے۔ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور الا اللہ پر انگلی کو نیچے لے جائے اور یہ حلقہ آخر تک بنائے رکھے (ص ۱۹۶)

عماد الدین میں لکھا ہے عقد و حلقہ کی ہیئت کو نماز کے اخیر تک باقی رکھنا چاہئے (۱۸۶) نماز مسنون میں لکھا ہے تشہد کے وقت تریپن کا حلقہ بنائے .... اور سبابہ کے ساتھ اشارہ کرے تشہد میں لفظ لا پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر نیچے رکھ دے اور اس حالت کو آخر تک قائم رکھے (ص ۳۸۹)

اب ہمارے اور ان کے درمیان صرف اتنا فرق رہ گیا کہ عقد و حلقہ شروع سے بنانا چاہئے یا لا الہ الا اللہ کے موقع پر اشارہ کرتے وقت سو مصنف عماد الدین

نے اس فرق کو بھی تقریبا مٹا دیا ہے۔

سوال = بعض علمائے حنفیہ شروع میں کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور اشارہ کرتے وقت عقد کرتے ہیں اور بعض اول سے ہی انگلیاں بند کر لیتے ہیں ان میں سے کون سا طریقہ صحیح ہے۔

جواب = دونوں طرح عمل درست ہے (ص ۱۸۶) بلکہ مصنف نماز مسنون نے بھی لکھا ہے یہ جملہ طرق صحیح ہیں۔ ان میں جس پر بھی عمل کرے گا درست ہو گا (ص ۳۹۱)

بقول شخصے واقعی کچھ کچھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدی مسلک اہلحدیث کی طرف پلٹ رہی ہے البتہ مصنف نماز مدلل نے اس فرق کو قائم رکھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ لکھا ہے محقق ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۱ ص ۲۷۲ میں فرماتے ہیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا ران پر رکھنا اور انگلیاں بند کرنا یہ بیک وقت ناممکن ہے تو ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ پہلے ہتھیلی کو کھلا رکھے پھر اشارہ کے وقت انگلیاں بند کر لے (ص ۱۲۹) یہ بات کرنے کا موقع انہیں صرف اس لئے مل گیا ہے کہ صحیح مسلم ص ۲۱۶ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں کف کا لفظ موجود ہے حالانکہ صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر نہ صرف ابن عمر سے بلکہ ابن زبیر سے بھی متعدد روایتیں موجود ہیں کہ ان سب میں ید کا لفظ موجود ہے۔ صرف بات بنانے کے لئے ان محققین نے کف کا لفظ چن کر ایک "فقیہانہ" تحقیق کر ڈالی۔ جب کہ دوسری روایتوں کے پیش نظر اس سے مراد ید ہی ہے۔ کسی بھی حدیث میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ نبی ﷺ اولا دائیں ہاتھ کو کھلا رکھتے ہوں اور پھر شہادت کے وقت انگلیوں کو بند کرتے ہوں۔ ہر جگہ یہ مضمون یکجا بیان ہوا ہے کہ آپؐ دائیں ہاتھ کو یوں رکھتے تھے۔ ایسی تطبیق کا کیا فائدہ جس سے حنفیت کی لاج رہ جائے سنت کی چاہے خلاف ورزی ہو جائے۔ دراصل یہ تطبیق دو احادیث کے درمیان نہیں بلکہ حدیث اور تقلید کے درمیان ہے۔

رفع سبابہ کب اور کیسے بحالت تشہد سبابہ انگلی کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً اشار (عن ابن عمر مسلم ۲۱۶ نسائی ص ۱۴۹) رفع (عن ابن عمر مسلم ص ۲۱۶ نسائی ص ۱۴۹) بسط (عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ ترمذی ج ۴ ص ۲۸۶) نصب (عن وائل بن حجر نسائی ص ۱۳۶) یحرکھا (عن وائل بن حجر نسائی ص ۱۴۹) لا یحرکھا (عن ابن زبیر نسائی ص ۱۴۹، ابوداؤد ص ۳۷۵) رافعا اصبعه السبابة قدا حناها شیاء (عن مالک بن نمیر خزاعی عن ابیہ نسائی ص ۱۴۹، ابوداؤد ص ۳۷۶

ان تمام احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارے کی صورت تو شروع سے لے کر آخر تک قائم رہنی چاہیئے اور اشارے کی انگلی کو ذرا سا اٹھا کر رکھنا چاہیئے بایں صورت کہ وہ آگے سے کچھ جھکی ہوئی ہو اور لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کیلئے انگلی کو ایک دفعہ اوپر نیچے ہلانا چاہیئے۔ بار بار نہیں ہلانا چاہیئے۔

انگلی کو حرکت دینے کے بارے میں حنفیہ اور شافعیہ کا تقریباً یہی مسلک ہے۔ صرف معمولی سا فرق ہے۔ صاحب نماز مسنون (ص ۳۹۰) لکھتے ہیں۔

وصفة الإشارة عند الحلوائی إنه یرفع الاصبع عند النفی ویضعها عند إلا ثبات إشارة إلیهما (کبیری ص ۳۲۸، شرح نقایه ج۱ ص ۸۰)

علامہ حلوائی سے اشارہ کا طریقہ یہ مروی ہے کہ نفی کے وقت انگلی اٹھائے اور اثبات کے وقت نیچے لے جائے تاکہ نفی اور اثبات دونوں کی طرف اشارہ ہو جائے

شافعیہ کا طریقہ امام نووی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔

قال أصحابنا یشیر عند قوله إلا الله من الشهادة (شرح مسلم ص ۲۱۶)

ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرے

صاحب سبل السلام (ص ۱۸۶) لکھتے ہیں۔

موضع الإشارة عند قوله لا إله إلا الله لما رواه البيهقي من فعل النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وينوى بالإشارة التوحيد والاخلاص فيه فيكون جامعا في التوحيد بين الفعل والقول والإعتقاد ولذلك نهى النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن الإشارة بالاصعين وقال أحد أحد لمن راه يشير باصبعيه (عن أبي هريرة نسائی ص ١٤٩)

اشارے کا موقع لا الہ الا اللہ ہے جیسا کہ امام بیہقی نے نبی ﷺ کا عمل روایت کیا ہے۔ اشارہ کے وقت توحید اور اخلاص کی نیت کرے اس طرح نمازی توحید کے مسئلہ میں قول فعل اور اعتقاد کا جامع ہو جائے گا۔ اسی لئے نبی ﷺ نے دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنے سے منع فرمایا۔ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا تو اسے فرمایا ایک انگلی کے ساتھ اشارہ کر۔

خفاف بن ایماء بن رحضہ سے روایت ہے۔

كان المشركون يقولون إنما يسحرنا وإنما يريد النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التوحيد (بيهقى ج٢ ص ١٣٣)

مشرک کہتے تھے نبی ﷺ ہمیں جادو کرتے ہیں حالانکہ نبی ﷺ کا اشارہ توحید کی طرف ہوتا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وموضع الإشارة قول لا إله است لحديث مسلم وبجهت انكه غرض از إشارة توحيد است تاقول وفعل معاضد يكديكر واقع شود (مصفى

اشارہ کا وقت لا الہ ہے صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق اور اس وجہ سے بھی کہ اشارہ کی غرض و غایت توحید ہے تاکہ قول و فعل ایک دوسرے کے

مددگار ہو جائیں۔ شرح مؤطا ج۱ ص ۱۱۶، بحوالہ نماز مسنون ص ۳۹۱)

طیبی رحمۃ اللہ علیہ ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

ای رفعها عند قوله لا إله إلا الله ليطابق القول الفعل على التوحيد (مرقاۃ ملا علی قاری بحوالہ تحفہ ج۱ ص ۲۴۲)

یعنی لا الہ الا اللہ کے وقت انگلی اٹھائے تاکہ توحید کے مسئلہ پر قول و عمل میں مطابقت ہو جائے۔

بعض نمازیوں کو میں نے دیکھا ہے جو شروع سے لے کر آخر تک انگشت شہادت کو سیدھی اکڑائے رکھتے ہیں اور کبھی کبھی ہلا دیتے ہیں یہ کارروائی بے کار بلکہ بے شرم نظر آتی ہے تشہد بیٹھتے ہی ہاتھ کو اشارے کی وضع میں تو ضرور رکھنا چاہئے لیکن انگلی اٹھا کر اشارہ اسی وقت کرنا چاہئے جب اشارہ کی بات ہو اور وہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا توحید ربانی ہے۔ ایسے وقت اشارہ کرنا جب اشارے کا مقصد ہی کوئی نہ ہو مہمل بات لگتی ہے۔

بشر بن مروان دونوں ہاتھ بلند کئے منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ عمارہ بن رویبہ نے کہا۔

قبح الله هاتين اليدين لقد رأيت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما يزيد على أن يقول هكذا وأشار باصبعه المسبحة (مسلم ص ۲۸۷)

برا ہو ان ہاتھوں کا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ کرتے نہیں دیکھا آپ انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے تھے۔

اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورے خطبے میں اشارہ ہی فرماتے رہتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے جب کوئی اشارہ کرنا مقصود ہوتا تھا۔

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگ نماز میں ادھر ادھر جھانک لیتے تھے

یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المؤمنون)

تحقیق کامیاب ہوگئے مومن جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں

تو لوگ اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے آگے دیکھنے لگے۔ وہ اس بات کو مستحب سمجھتے تھے کہ ان کی نگاہ سجدہ والی جگہ سے ہٹنے نہ پائے (مصنف ابن ابی شیبہ' مستدرک حاکم عون المعبود ج ۱ ص ۳۴۳' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۸) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کو مستحبات میں بیان کیا ہے۔

وقصر النظر على محل السجدة تعظيما وجمعا لأطراف البدن حذو جمع الخاطر (حجة الله ج۲ ص ۸)

اور نگاہ کو سجدہ والی جگہ پر محدود کر دینا تعظیم کیلئے اور تا کہ اجتماع خاطر کے ساتھ اجتماع اعضا کا بھی پایا جائے۔

معلوم ہوا کہ عام طور پر نمازی کو اپنی سجدہ والی جگہ میں دیکھنا چاہئے۔ مگر تشہد میں اشارہ کے موقع پر آتا ہے۔

لا يجاوز بصره اشارته (عن ابن زبير أبوداود ص ۳۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اشارہ سے نہیں ہٹتی تھی

اس سے ثابت ہوا اشارہ ایک وقتی چیز ہے اس موقع پر نمازی کو اپنے اشارہ والی انگلی کی طرف دیکھنا چاہئے ورنہ عام مسئلہ تو سامنے سجدہ والی جگہ کو دیکھنے کا ہے۔ جو لوگ اول سے آخر تک مسلسل اشارہ کیلئے انگلی کو بلند کئے رکھتے ہیں ان کا بھی اس بات پر عمل نہیں کہ وہ پورے تشہد میں انگلی کی طرف دیکھتے رہتے ہوں جبکہ سنت یہ ہے کہ اشارہ کے وقت نگاہ انگلی کی طرف رہے۔

جلسہ بین السجدتین میں بھی ؟ کچھ عرصہ سے ایک نیا اجتہاد دیکھنے میں آرہا ہے وہ یہ کہ بعض "مجتہدین" تشہد کی طرح جلسہ بین السجدتین میں بھی دائیں ہاتھ

کو ترپن کی شکل دے کر اشارہ فرمانے لگ جاتے ہیں۔ شائد وہ ان الفاظ کی عمومیت سے استدلال کرتے ہیں۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا قعد يدعو ... وإشار بالسبابة (عن إبن الزبير مسلم ص٢١٦)	نبی ﷺ جب دعا کیلئے بیٹھتے ..... تو سبابہ سے اشارہ فرماتے

انہوں نے سوچا جب جلسہ بین السجدتین میں بھی دعا مانگی جاتی ہے تو کیوں نہ یہاں بھی ہاتھ کی یہی پوزیشن بنا لی جائے۔ یہ فقط ان کا بھولپن ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما والی ایک روایت میں صاف الفاظ موجود ہیں۔

كان إذا قعد في التشهد .... عقد ثلاثا وخمسين وإشار بالسبابة (مسلم ص ٢١٦، نسائی ص ١٤٩)	جب آپؐ تشہد میں بیٹھتے ------ تو ہاتھ کو ۵۳ کی شکل بناتے اور سبابہ سے اشارہ فرماتے

خفاف بن ایماء بن رحضہ سے روایت ہے۔

رأيت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يشير باصبعه إذا جلس يتشهد في صلوته وكان المشركون يقولون إنما يسحرنا وإنما يريد النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التوحيد (بیهقی ج٢ ص ١٣٣)	میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپؐ اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے جب اپنی نماز کے تشہد میں بیٹھتے۔ مشرکین کہتے تھے آپؐ ہمیں جادو کرتے ہیں حالانکہ آپ کی نیت توحید کی ہوتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا جلس في الثنتين اوفي الا ربع يضع يديه على ركبتيه ثم إشار باصبعه (نسائی ص ١٣٧)	نبی ﷺ دوسری یا چوتھی رکعت کے قعدہ میں اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے پھر اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

لہٰذا دائیں ہاتھ کی یہ کیفیت صرف پہلے یا دوسرے تشہد کی بیٹھک میں

ہے۔ جلسہ بین السجدتین میں ایسا کرنا سراسر بدعت بلکہ حماقت ہے۔

ترپین یاد رہے حالت تشہد میں اشارے کیلئے مٹھی کو بند کرنے کے مختلف طریقے بیان ہوئے ہیں (۱) دائیں طرف کی تینوں انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کو انگشت شہادت کی جڑ سے لگا دیا جائے۔ یہ ترپین کی شکل ہے (عن ابن عمر مسلم ص ۲۱۶) (۲) دائیں طرف کی دونوں انگلیاں بند کر کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا لیا جائے (عن وائل بن حجر ابوداؤد ص ۳۶۱ نسائی ص ۱۴۹) (۳) انگشت شہادت کے سوا چاروں انگلیاں تہہ کر لی جائیں (عن ابن عمر مسلم ص ۲۱۶) صاحب سبل السلام لکھتے ہیں

الظاهر انه مخير بين هذه الهيئات (ج ۱ ص ۱۸٦) ظاہر بات یہ ہے کہ ان سب صورتوں میں اختیار ہے۔

تشہد میں ہاتھ رکھنے کا مقام حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے تھے (مسلم ص ۲۱۶) بعض روایات میں ہے کہ رانوں پر رکھتے تھے (عن ابن زبیر مسلم ص ۲۱۶ عن وائل بن حجر ابو داؤد ص ۳۶۱) اور عبداللہ بن زبیر کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپؐ بایاں ہاتھ اپنی ران پر رکھتے تھے اس طرح پر کہ اپنے گھٹنے کو لقمہ بنایا ہوتا تھا (مسلم ص ۲۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ ہاتھوں کا کچھ حصہ رانوں پر اور کچھ حصہ گھٹنوں پر ہونا چاہئے۔ حنفیہ اپنے ہاتھوں کو صرف اپنی رانوں پر رکھنے کے قائل ہیں (ہدایہ ص ۷۷ نماز مسنون ص ۳۷۹ نماز حنفی مدلل ص ۱۹۸)

تشہد میں پاؤں کیسے رکھے جائیں ؟ قعدہ اولی میں بصورت افتراش بیٹھنا چاہئے جس کی صورت ابوحمید ساعدی کے الفاظ میں یوں ہے

فإذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنى (بخاری ص ١١٤) آپؐ قعدہ اولی میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے

دائیں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہونی چاہئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

من سنة الصلوة أن تنصب القدم اليمنى واستقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى (نسائی ص ۱۳۶)

نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تم دایاں پاؤں کھڑا کرو اور اس کی انگلیاں قبلہ رخ کرو اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاؤ۔

صاحب ہدایہ نے بھی دایاں پاؤں کھڑا کرنے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنے کا ذکر کیا ہے اور حوالہ یہ دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ کی نماز میں نشست اس طرح بیان کی ہے (ص ۷۷) حالانکہ حضرت عائشہ کی روایت میں دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنے کا قطعا کوئی ذکر نہیں ہے (مسلم ص ۱۹۴)

عذر کی بات اور ہے بہت لوگوں کو دیکھا ہے وہ بلا عذر ہی تشہد میں عجیب و غریب اشکال سے بیٹھتے ہیں۔ کوئی پنجوں کے بل ایڑیوں پر یعنی بصورت اقعاء بیٹھ جاتا ہے۔ کوئی دونوں پاؤں پشت کے بل زمین پر بچھا کر ایڑیوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ کوئی دائیں پاؤں کی پشت کو بائیں پاؤں کے تلوے پر رکھ کر ان پر سوار ہو جاتا ہے کوئی بائیں پاؤں کو کھڑا کر کے دائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ نشستیں اگر بلا عذر ہوں تو خلاف سنت ہیں۔

تشہد کے الفاظ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے تشہد کیلئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

ألتحيات لله والصلوات والطيبت السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصلحين، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله

بدنی' قولی اور مالی عبادتیں اللہ کیلئے ہیں اے نبی تجھ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔ ہم پر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے

(بخاری ص ۱۱۵، مسلم ص ۱۷۳)

لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

بعض روایتوں میں الا اللہ کے آگے وحدہ لا شریک لہ کا اضافہ ہے (عن ابن مسعود مصنف ابن ابی شیبہ عن ابن عمر دار قطنی) لیکن انکی سندیں ضعیف ہیں (فتح الباری ج ۲ ص ۳۱۵) حضرت عائشہؓ سے بھی روایت ہے مگر وہ موقوف ہے (موطا امام مالک ص ۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تشہد میں اشھد ان محمدا رسول اللہ کے الفاظ ہیں (مسلم ص ۱۷۴) وغیرہ۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقال ابوحنيفة وأحمد وجمهور الفقهاء وأهل الحديث تشهد ابن مسعود افضل لانه عند المحدثين أشد صحة (شرح مسلم ص ۱۷۳)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہاء و اہل حدیث کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

ایک شخص نے اشھد ان محمدا رسولہ و عبدہ پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لقد كنت عبدا قبل أن أكون رسولا قل عبده ورسوله (عن ابن جريج عن عطاء مصنف عبد الرزاق، فتح الباری ج۲ ص۳۱۵)

میں پہلے بندہ اور پھر رسول بنا اس لئے عبدہ و رسولہ کہو۔

السلام علیک ایھا النبی اس سے بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں ورود ایں کلمہ دراصل شب معراج بصیغہ خطاب بود۔ دیگر تغیرش

نداوند برہماں اصل گزاشند۔

(مکاتیب و رسائل مجتبائی ص ۱۸۹۔ نماز مسنون ص ۳۸۴)

معراج کی رات یہ الفاظ بصیغہ خطاب کہے گئے۔ بغیر تبدیلی کے انہیں اسی طرح رہنے دیا گیا۔

بلکہ خود اسی مذکورہ تشہد کے راوی حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں۔

فلما قبض قلنا السلام علی النبی (بخاری ص ۹۲۶)

جب نبی ﷺ وفات پاگئے تو ہم نے السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر بھی السلام علی النبی پڑھتے تھے (موطا امام مالک ص ۳۱، بیہقی ج ۲ ص ۱۴۲)

فتح الباری میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق عن ابن جریج حضرت عطاء سے مروی ہے۔

إن الصحابة كانوا يقولون والنبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حى السلام عليك أيها النبى فلما مات قالوا السلام على النبى- وهذا إسناد صحيح (ج١ ص ٣١٤)

حضور ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام السلام علیک ایھا النبی کہتے تھے۔ آپؐ کے وفات پا جانے کے بعد انہوں نے السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا

اس سے ثابت ہوا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ زندہ یا حاضر ناظر ہیں۔ یہ عقیدہ بعد میں سبیل المومنین سے ہٹ کر اختیار کیا گیا ہے یاد رہے کہ علی النبی کے الفاظ فقط

احتیاط کیلئے ہیں ورنہ صرف اللہ جل جلالہ کو حاضر ناظر جاننے والے نمازی کیلئے السلام علیک ایھا النبی اور السلام علی النبی کہنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

قعدۂ اولی میں صرف تشہد پڑھنا چاہیئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

إن كان فی وسط الصلوة نهض حين يفرغ من تشهده وإن كان فی اخرها دعا بعد تشهده بما شاء أن يدعو ثم يسلم (مسند أحمد ج۱ ص ٥٦)

درمیانے قعدہ میں تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور آخری قعدہ میں حسب منشاء دعا مانگے پھر سلام پھیرے

ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے (تعلیقات سلفیہ ۱۳۸)

آج کل بعض "مجتہدین" نے قعدہ اولی میں بھی درود شریف پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ جس سے یہ قعدہ خاصا طویل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے۔

إن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان فی الركعتين إلا ولين كانه علی الرضف قلت حتی يقوم قال حتی يقوم (مسند أحمد ج۱ ص ٤٠٩ ،نسائی ص ١٣٨، ترمذی ص٢٩١)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اولی سے اتنی جلدی کھڑے ہو جاتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہوں

یہ روایت منقطع ہے۔ ابوعبیدہ کا اپنے باپ ابن مسعود سے سماع ثابت نہیں۔ اور یہ صرف تائید کیلئے پیش کی گئی ہے۔ تاہم ابوعبیدہ ثقہ تابعی ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ تنقیح الرواۃ میں ہے۔

وقد احتج البخاری ومسلم بحديثه فی صحيحيهما فهذا يشهدانه سمع من بعض الصحابة غير ابيه (ص ١٦٧)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین میں اس کی روایت سے احتجاج کیا ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے

کہ اس نے اپنے باپ کے علاوہ بعض صحابہ کرام سے سنا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والعمل على هذا عند أهل العلم يختارون ان لا يطيل الرجل القعود في الركعتين ولا يزيد على التشهد شيأ في الركعتين الا ولين (ص ٢٩١)

اہل علم کا یہی عمل ہے وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی پہلے قعدہ کو لمبا نہ کرے اور اس میں تشہد سے زیادہ کچھ نہ پڑھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

روى ابن ابي شيبه من طريق تميم بن سلمة كان أبوبكر إذا جلس في الركعتين كانه على الرضف إسناده صحيح وعن ابن عمر نحوه (تلخيص ج١ ص ٢٦٣ بحواله تحفه ص ٢٩١)

مصنف ابن ابی شیبہ میں تمیم بن سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے قعدہ میں یوں بیٹھتے تھے جیسے وہ گرم پتھر پر ہوں۔ اس کی سند صحیح ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

کسی حدیث میں تفصیل کے ساتھ یہ ذکر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قعدہ میں بھی تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہو۔ پہلے اور دوسرے قعدے کا نام لئے بغیر صحاح ستہ میں تشہد کے بعد البتہ یہ ضرور موجود ہے۔

ثم يتخير من الدعاء أعجبه إليه فيدعوه (عن ابن مسعود بخاری ص١١٥، مسلم ص ١٧٣)

پھر جو دعا اسے پسند ہو پڑھے

تو اگر پہلے قعدہ میں درود شریف پڑھنا ہے تو پھر دعائیں بھی مانگنی چاہیں۔ قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد صرف درود شریف پر اکتفا کرنا اور دوسرے قعدہ میں

دعائیں بھی مانگنا یہ امتیاز بلا دلیل ہے۔ یہ اعتراض میں نے ایک حضرت صاحب سے کیا تو انہوں نے قعدہ اولیٰ میں دعا بھی مانگنی شروع فرما دی یعنی نماز بخشوانے گئے تو روزے بھی گلے پڑ گئے ایک طرف تو یہ انتہاء پسند لوگ ہیں دوسری طرف احناف ہیں جو کہتے ہیں کہ قعدہ اولی میں درود شریف سے سجدہ سہو لازم آجاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے شروع میں روایت بیان ہو چکی ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

كان يقول في كل ركعتين التحية (مسلم ص ١٩٤)	آپؐ ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے تھے۔

یعنی آپؐ تشہد ہر دو رکعت کے بعد پڑھتے تھے یہ نہیں فرمایا کہ آپؐ درود شریف یا دعائیں بھی ہر دو رکعت کے بعد پڑھتے تھے تفکرو تدبر۔

تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین اگر نماز تین یا چار رکعتی ہو تو تشہد سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور رفع یدین کرنا چاہئے۔ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے وقت رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔ (عن ابن عمر بخاری ص ۱۰۲) اگر نمازی امام یا منفرد یا ابتداء سے شامل ہونے والا مقتدی ہو تب تو اسے اس مسئلہ پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔ لیکن اگر وہ مسبوق ہو۔ یعنی امام تو تیسری رکعت کا آغاز کرنے لگا ہو مگر اس مسبوق کی یہ تیسری رکعت نہیں بلکہ پہلی یا دوسری ہے تو اس صورت میں رفع یدین کرنا چاہئے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ذرا غور طلب ہے۔ اگر امام کی اقتداء کا لحاظ رکھا جائے تب تو اسے رفع یدین کرنا چاہئے جیسے وہ دیگر حرکات و سکنات نماز میں امام کی اقتداء کرتا ہے باوجود اس بات کے کہ اس کی رکعات امام کی رکعات سے مختلف ہوتی ہیں جیسے مثلاً قعدہ اولیٰ و قعدہ ثانیہ۔ اور اگر اپنی رکعات کا لحاظ رکھا جائے تب اسے رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ دو

رکعتوں سے اٹھ کر تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع یدین کرنا ہے مگر یہ اس کی تیسری نہیں بلکہ پہلی یا دوسری رکعت ہے اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں پھر امام کی اقتداء متاثر ہو جائے گی۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے آخری رکعت میں امام تورک بیٹھتا ہے مگر مسبوق اس کی اقتداء میں تورک نہیں بیٹھتا کیونکہ یہ اس کی آخری رکعت نہیں ہوتی۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فلو کان مسبوقا وجلس امامه في آخر صلاته متوركا جلس مفترشا جلوسه لا يعقبه سلام (شرح مسلم ص ۱۹۵)

امام آخری قعدہ میں متورک بیٹھتا ہے تو مسبوق بصورت افتراش بیٹھے کیونکہ اسکی اس بیٹھک کے بعد سلام نہیں ہے۔

یا جیسے مسافر امام بھی اپنی آخری رکعت میں متورک بیٹھتا ہے مگر اس کے مقیم مقتدی بصورت افتراش بیٹھتے ہیں یا جیسے امام خاموش قراءت کر رہا ہو تو مسبوق اپنی پہلی رکعت میں ثناء پڑھتا ہے بظاہر یہ بات بھی اقتداء کے خلاف ہے جسے برداشت کیا جاتا ہے۔ اگر امام حنفی المسلک ہو تب تو میرا خیال ہے مسبوق کو یہ رفع یدین نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں نہ تو مسبوق کی تیسری رکعت ہے اور نہ امام کی اقتداء کا مسئلہ درپیش ہے۔ جیسے حنفی امام کی اقتداء میں اہل حدیث کو کبھی وتروں میں دعائے قنوت کیلئے ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا گیا۔ امام سلام پھیرتا ہے تو عام طور پر ہمارے سب مسبوق حضرات اٹھ کر رفع یدین کرتے ہیں۔ اگر وہ امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھ چکے ہوں اور اب یہ ان کی تیسری رکعت ہو تب تو رفع یدین کا جواز ہے اور اگر یہ ان کی پہلی یا دوسری یا چوتھی رکعت ہو تب رفع یدین کا کوئی تک نہیں۔ کیونکہ نہ تو یہ ان کی تیسری رکعت ہے اور نہ ہی امام کی اقتداء باقی رہی۔ یہ کہنا کہ ہر تشہد کے بعد رفع یدین کرنا چاہئے ایک خود ساختہ مسئلہ ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ دو رکعتوں کے بعد جو تشہد ہوتا ہے اس سے اٹھ کر رفع یدین کرنا چاہئے نیز امام کے آخری تشہد میں شامل ہونا بوجہ اقتداء

مسبوق کی ایک مجبوری ہے۔ سلام کے بعد رفع یدین کیلئے اسے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ بوجہ اقتداء صحیح موقع نہ ملنے کے باعث مسبوق کی یہ رفع یدین رہ بھی جائے تو پریشانی والی بات نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی نمازی جماعت میں اس وقت شامل ہوتا ہے جب امام جہری قراءت کر رہا ہو تو موقع نہ ملنے کی بنا پر اس کی ثناء پڑھنے سے رہ جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❋❋❋

آخری قعدہ میں تورک

آخری قعدہ میں بصورت تورک بیٹھنا چاہئے۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی مجلس میں فرمایا۔

فإذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری ونصب الیمنی فإذا جلس فی الرکعة الاخیرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته (بخاری ص ۱۱٤)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدہ میں بصورت افتراش بیٹھے اور آخری قعدہ میں آپؐ نے اپنا بایاں پاؤں آگے بڑھا لیا اور دایاں پاؤں کھڑا کرلیا اور اپنے سرین پر بیٹھ گئے۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں تورک کا ذکر ابوداؤد ص ۳۶۳' ترمذی ص ۲۴۷ وغیرہ میں بھی پوری مجلس میں صحابہ کی تصدیق کے ساتھ موجود ہے۔ اس حدیث سے بالصراحت معلوم ہوا کہ قعدہ اولیٰ میں افتراش اور قعدہ ثانیہ میں تورک بیٹھنا افضل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دونوں قعدوں میں تورک کے قائل ہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تورک ثابت ہے (موطا ص ۳۱) حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے افتراش کو بھی سنت فرمایا ہے۔

من سنة الصلوة أن تنصب القدم الیمنی واستقباله باصابعها القبلة والجلوس علی الیسری (عن ابن عمر نسائی ص ۱۳٦)

سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا جائے اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔

تعارض اس طرح رفع ہوگا کہ افتراش قعدہ اولی میں ہے اور تورک قعدہ ثانیہ میں ہے یاد رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جلسہ بین السجدتین میں بھی تورک کے قائل ہیں (عون المعبود ص ۲۶۷) نسائی کی یہ روایت افتراش میں بہت واضح ہے۔ بخاری ص ۱۱۴ اور موطا امام مالک ص ۳۱ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

الفاظ یوں ہیں۔

إنما سنة الصلوة أن تنصب رجلك اليمنى وتثني رجلك اليسرى	نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تو دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں کو موڑ لے۔

ان میں یہ وضاحت نہیں کہ بیٹھنا بائیں پاؤں پر ہے یا زمین پر۔ اس لئے ان الفاظ سے افتراش یا تورک پر استدلال مشکل ہے حنفیہ دونوں قعدوں پر افتراش کے قائل ہیں دلیل (۱) ایک تو یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے مگر ظاہر ہے کہ بخاری اور موطا والی روایت غیر واضح ہے اور نسائی والی روایت میں بھی یہ وضاحت نہیں کہ وہ کس قعدہ سے تعلق رکھتی ہے (۲) حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

كان يقول في ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى (مسلم ١٩٤)	آپؐ ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے اور آپ بائیں پاؤں کو بچھاتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے

گزارش ہے کہ ہر دو رکعتوں کا تعلق صرف التحیات کے ساتھ ہے۔ اگلا جملہ اس سے بالکل الگ ہے۔ اس میں ہرگز یہ وضاحت نہیں کہ یہ طریقہ نشست قعدہ اولیٰ کیلئے ہے یا قعدہ ثانیہ کیلئے۔ بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے الفاظ کی طرح حضرت عائشہ کے الفاظ سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ افتراش کا ذکر کر رہی ہیں یا تورک کا کیونکہ دونوں صورتوں میں دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو موڑ کر بچھایا جاتا ہے۔ اصل مسئلہ تو بیٹھنے کا ہے کہ آیا آپؐ بائیں پاؤں پر بیٹھتے یا زمین پر۔ اول الذکر صورت افتراش کی ہے اور ثانی الذکر تورک کی۔ یہ وضاحت اس میں نہیں ہے۔ (۳) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فلما جلس يعني للتشهد افترش	پس جب تشہد کیلئے بیٹھے تو اپنا بایاں

رجله اليسرى ..... ونصب رجله اليمنى (ترمذی ص ۲۴۰)
پاؤں بچھا دیا------ اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیا۔

اس میں بھی پہلے اور دوسرے قعدہ کا کوئی امتیاز نہیں نہ ہی یہ ذکر ہے کہ آپؐ بائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھے کس جگہ تھے پاؤں کے اوپر یا زمین پر۔ اس کے برخلاف ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف موجود ہے کہ آپؐ قعدہ ثانیہ میں اپنے بائیں سرین پر بیٹھے (بخاری ص ۱۱۴)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راھویہ کا یہی مسلک ہے (عون المعبود ص ۳۶۶) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں (غنیتہ الطالبین مترجم ص ۱۰)

صحیح بخاری کی اس روایت کو رد کرنے کیلئے صاحب ہدایہ ارقام فرماتے ہیں۔

ضعفه الطحاوی أو يحمل علی حالة الكبر (ص ۷۸)
اسے طحاوی نے ضعیف کہا ہے۔ یا یہ بڑھاپے پر محمول ہے۔

ہر مخالف حدیث کو ضعیف یا مئول قرار دے دینا حنفیہ کا اصل الاصول ہے۔ بندہ اس بارے میں کیا عرض کر سکتا ہے خود علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی نے ان توہمات کا شافی جواب دیا ہے (التعلیق الممجد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑھاپے کا عذر تھا یا نہیں البتہ حنفیہ کو تقلید کا عذر ضرور ہے۔ اس لئے ان بے چاروں کو معذور ہی خیال کرنا چاہئے۔ نیز رفع یدین کے خلاف بحث کرتے ہوئے صفدر جالندھری حنفی اسی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں ابوحمید ساعدی کی صحیح روایت جو بخاری ص ۱۱۴ پر ہے اس میں رکوع اور تیسری رکعت کی رفع یدین کا ذکر تک نہیں (تحقیق رفع الیدین) یعنی بقول ان کے چونکہ اس میں رفع یدین کا ذکر نہیں اس لئے صحیح ہے اور چونکہ اس میں تورک کا ذکر ہے اس لئے ضعیف ہے۔ واہ کیسی پیاری فقہ

ہے؟

مصنف نماز مدلل فرماتے ہیں تورک حالت عذر (بیماری وغیرہ) پر محمول ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز میں بیٹھنے کا طریقہ افتراش ہے۔

أن تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى — کہ تو دائیں پاؤں کو کھڑا کر لے اور بائیں کو موڑ لے

تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ تو تربع و تورک کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا۔

إن رجلاى لا تحملانى (بخاری ص ۱۱٤، مؤطا ص ۳۱) — کہ میرے پاؤں مجھے نہیں اٹھاتے۔

یعنی میں معذور ہوں۔ پاؤں کے سہارے نہیں بیٹھ سکتا اس لئے تورک کرتا ہوں۔ موطا امام مالک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں۔

إنما أفعل هذا من أجل اشتكى (نماز مدلل ص ۱۲۱) — کہ میں بیمار ہوں اس لئے تورک کرتا ہوں

یہ استدلال سراسر غلط بیانی پر مبنی ہے اس عبارت میں بار بار تورک کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عذر کی بنا پر تربع فرماتے تھے تورک نہیں فرماتے تھے۔ نہ بخاری شریف کی اس حدیث میں تورک کا ذکر ہے اور نہ موطا امام مالک میں ذکر ہے۔ ہر دو مقامات پر صرف تربع کا ذکر ہے۔ مصنف مذکور نے تربع اور تورک کو مترادف ظاہر کرنے کی کوشش فرمائی ہے حالانکہ تربع کا معنی آلتی پالتی مارنا یعنی چوکڑی مار کر بیٹھنا ہے۔ موطا امام مالک کے حنفی محشی نے بھی اس کا یہی ترجمہ کیا ہے (ص ۳۰)

تربع میں انسان کے دونوں سرین زمین پر ہوتے ہیں۔ ٹانگیں اکٹھی کر کے

دایاں پاؤں بائیں طرف اور بایاں پاؤں دائیں طرف کر لیا جاتا ہے۔ اور تورک کی دو صورتیں حدیث میں مذکور ہوئی ہیں دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو دائیں جانب نکال دینا بخاری ص ۱۱۴ یا دونوں پاؤں دائیں طرف کر کے بائیں سرین پر بیٹھ جانا (ابوداؤد ص ۲۶۶، ۳۶۴)

عذر کی بنا پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تربع کرنا ثابت ہے تورک ثابت نہیں۔ یوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تورک بھی ثابت ہے جو کہ امام مالک کا استدلال ہے مگر اس کا کسی عذر یا بیماری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد نے لوگوں کو تشہد بیٹھ کر دکھلایا۔

فنصب رجله اليمنى وثنى رجله اليسرى وجلس على وركه إلا يسر ولم يجلس على قدمه

پس انہوں نے اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیا اور بایاں پاؤں موڑ دیا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں پر نہ بیٹھے۔

اور پھر کہا کہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر نے مجھے اسی طرح کر کے دکھلایا اور کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کرتے تھے (موطا امام مالک ص ۳۱)

یہ تورک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح ثابت ہے جیسے ان سے افتراش بھی ثابت ہے اس تورک کو عذر اور بیماری سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر یہ تورک بیماری کی وجہ سے تھا تو اس سے تو حضرت ابن عمر نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو منع فرما دیا تھا (موطا ص ۳۱) تو پھر عبیداللہ اس کی آگے تعلیم کیسے دے سکتے تھے۔ دراصل ابن عمر بیماری کی وجہ سے تربع ہی فرماتے تھے اور آپ نے عبیداللہ کو تربع ہی سے منع فرمایا تھا نہ کہ تورک سے (موطا ص ۳۱) مولنا عبدالحی لکھنوی حنفی اس بارے میں صحیح مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ألإنصاف إنه لم يوجد حديث يدل صريحا على استنان الجلوس على

انصاف کی بات یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں بصورت افتراش بیٹھنے کی کوئی صریح

الرجل الیسری فی القعدۃ الا خیرۃ وحدیث ابی حمید مفصل فلیحمل المبهم علی المفصل (التعلیق الممجد ۱۱۳)	حدیث نہیں۔ ابوحمید ساعدی کی حدیث مفصل ہے۔ لہٰذا مبہم کو مفصل پر محمول کرنا چاہیئے۔

نیز یاد رہے آخری تشہد بیٹھتے وقت سجدہ سے اٹھتے ہی تورک کی صورت اختیار کرلینی چاہیئے اکثر لوگ پہلے افتراش بیٹھتے ہیں پھر چند سیکنڈ ٹھہر کر اپنی نشست کو تورک میں بدل لیتے ہیں۔ اور پھر اس کے لئے اتنا جھک جاتے ہیں جیسے دوبارہ سجدہ کرنے لگے ہوں۔ صحابہ کرام نے نبی ﷺ کی ہر نقل و حرکت نوٹ کی ہے۔ کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ پہلے افتراش بیٹھتے ہوں اور پھر دوبارہ جھک کر افتراش کو تورک میں بدلتے ہوں۔ بار بار حرکت ویسے بھی نامناسب ہے۔

❊❊❊

آخری قعدہ میں درود شریف

آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے۔ کلام پاک میں ہے۔

يَـٰأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الأحزاب ٥٦)	اے ایمان والو نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔

كيف الصلوة عليكم أهل البيت فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليك	اے اہل بیت ہمیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو بتلا دیا صلوٰۃ (درود) کس طرح بھیجیں

تو فرمایا کہو

اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابرهيم إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد (عن كعب بن عجره بخارى ص ٤٧٧)	یا اللہ رحمت بھیج محمد پر اور آل محمد پر جیسے رحمت بھیجی تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر بے شک تو تعریف کیا گیا ہے بزرگی والا اے اللہ برکت نازل فرما محمد پر اور آل محمد پر جیسے برکت نازل فرمائی تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر بے شک تو تعریف کیا گیا ہے۔ بزرگی والا

صحاح ستہ میں یہ ذکر نہیں کہ یہ درود شریف کب پڑھنا چاہیے البتہ بعض دوسری روایات میں صحابہ کرام کا سوال اس طرح سے مذکور ہوا ہے۔

فكيف نصلي عليك إذا نحن صلينا عليك في صلاتنا (ابن حبان، حاكم ابن خزيمـه دارقطني وغيره بحوالہ سبل السلام ج ۱ ص ۱۹۰، شرح مسلم نووی ص ۱۷۵)

ہم نماز میں آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجیں

علامہ البانی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں نبی ﷺ نے کسی تشہد کو مخصوص نہیں فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ درود شریف پہلے تشہد میں بھی مشروع ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب "الام" میں کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ امام نووی نے المجموع ج ۳ ص ۴۶۰ میں تصریح کی (صفتہ صلوٰۃ النبی ﷺ ص ۱۴۲) مگر یہ ذرا کمزور قسم کا استدلال ہے۔ کوئی ایسی صریح حدیث نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے قعدہ میں بھی درود شریف کو مسنون فرمایا ہو۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کچھ لوگ عام قسم کے استدلال سے قومہ میں بھی ہاتھ باندھ لیتے ہیں جسے خود علامہ البانی نے بھی بدعت ضلالتہ فرمایا ہے (صفتہ صلوٰۃ النبی ص ۱۱۵) اگر بقول علامہ البانی استدلال کی بنیاد یہی ہے کہ آپ ﷺ نے درود شریف کیلئے کسی تشہد کو مخصوص نہیں فرمایا تو یاد رہے کہ پھر آپ ﷺ نے دعاؤں کیلئے بھی کسی تشہد کو مخصوص نہیں فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق تشہد کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔

ثم يتخير من الدعاء أعجبه إليه فيدعوه (بخاری ص ۱۱۵، مسلم ص ۱۷۳)

پھر اپنی پسندیدہ دعا مانگے

بلکہ نسائی میں یہاں تک موجود ہے۔

إذا قعدتم في كل ركعتين فقولوا التحيات . . . . عبده ورسوله ولتيخير أحدكم من الدعاء أعجب إليه فليدع الله (عن ابن مسعود نسائی ص ۱۳۷)

ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھو ----- پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی پسندیدہ دعا مانگو

مگر البانی صاحب تشہد اول میں دعاؤں کے قائل نہیں انہوں نے ان

احادیث کو آخری تشہد پر محمول فرمایا ہے (صفتہ صلوٰۃ النبی ص ۱۶۳) علامہ البانی صاحب نے مندرجہ ذیل احادیث سے تشہد میں درود شریف کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے۔

قد سمع النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رجلا یدعو فی صلاتہ لم یحمد اللہ تعالی ولم یصلی علی النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فقال عجل ھذا ثم دعاہ فقال لہ أو لغیرہ إذا صلی أحدکم فلیبدا بتحمید ربہ جل وعز والثناء علیہ ثم یصلی علی النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثم یدعو بما شاء (عن فضالہ بن عبید أبوداود ج ۱ ص ۵۵۲)

نبی ﷺ نے ایک شخص سے سنا جو حمد و صلوٰۃ کے بغیر دعا مانگنے لگا۔ فرمایا اس نے جلد بازی کی تھا۔ بلا کر اسے یا کسی اور کو فرمایا جب نماز پڑھو تو حمد ثنا اور درود شریف کے بعد حسب خواہش دعا مانگو۔

سمع رجلا یصلی فمجد اللہ وحمدہ وصلی علی النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسلم فقال رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أدع تجب أدع تجب (عن فضالہ بن عبید نسائی ص ۱۵۱)

آپ ﷺ نے ایک نمازی سے سنا جس نے حمد و صلوٰۃ پڑھی تو اسے فرمایا دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی

اس سے بھی ثابت ہوا کہ جس قعدہ میں دعائیں ہیں اسی میں اول درود شریف بھی ہے۔ بلکہ اس موقع پر درود شریف ہے ہی اسی لئے کہ اس پر دعاؤں کی قبولت کا انحصار ہے۔ پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد صرف درود شریف پڑھنا اور دوسرے قعدہ میں درود شریف کے بعد دعائیں بھی مانگنا بلا دلیل ہے۔

نیز یہ کہنا بھی درست نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے درود شریف کیلئے کسی تشہد کو مخصوص نہیں کیا۔ قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھنا چاہئے کے عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات سے یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے۔ فضالہ بن عبید کی روایت سے یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ تشہد میں دعائیں وغیرہ سرا پڑھی جاتی ہیں تو پھر نبی ﷺ نے انہیں کیسے سن لیا۔ اس کے دو ہی جواب ممکن ہیں یا تو پڑھنے والوں نے تھوڑا بہت جہر سے کام لیا ہوگا جس سے آپ

ﷺ نے اندازہ فرمالیا۔ یا ہو سکتا ہے یہ نماز کے بعد دعا کا واقعہ ہو۔ نماز کے بعد متصل ہونے کی وجہ سے راوی نے اسے نماز ہی کا ذکر سمجھ کر بیان کر دیا۔ اس احتمال کا ذکر صاحب عون المعبود نے بھی کیا ہے (ص ۵۵۲)

کیا تشہد میں درود شریف واجب ہے؟ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آخری تشہد میں درود شریف کے وجوب پر علماء کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک اور جمہور اسے سنت کہتے ہیں ان کے نزدیک اس کے بغیر نماز ہو جائے گی امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے ان کے نزدیک اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے امام شعبی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے (شرح مسلم ص ۱۷۵)

تشہد کی دعائیں نبی ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں پڑھنے کیلئے یہ دعا سکھلائی۔

اللهم إنی ظلمت نفسی ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب إلا أنت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی إنك أنت الغفور الرحيم (بخاری ص ۱۱۵، باب الدعاء قبل السلام)

یااللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا۔ گناہوں کو تو ہی معاف فرماتا ہے۔ مجھے اپنی طرف سے بخشش عطا فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

آپ ﷺ یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔

اللهم إنی أعوذ بك من عذاب القبر وأعوذ بك من فتنة المسيح الدجال، أعوذ بك من فتنة المحيا والممات اللهم إنی أعوذ بك من المأثم والمغرم (ایضاً عن عائشة)

یااللہ میں تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے اور تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔ اے اللہ میں تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں گناہ سے اور

قرض سے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک سند کے ساتھ یوں مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا

إذا فرغ أحدكم من التشهد الاخر فليتعوذ بالله من أربع من عذاب جهنم الخ (مسلم ص ٢١٨)

آخری تشہد سے فارغ ہو کر اللہ کے ساتھ پناہ مانگو چار چیزوں سے عذاب جہنم سے الخ

آپ ﷺ سے یہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔

اللهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت اعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لا إله إلا أنت (عن علي مسلم ص ٢٦٣)

یااللہ میرے اگلے پچھلے چھپے کھلے گناہ اور زیادتیاں جن کو تو مجھ سے بڑھ کر جانتا ہے معاف فرما دے تو ہی مقدم اور موخر کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں

آپ ﷺ یہ بھی پڑھتے تھے

اللهم إني اسئلك الثبات في الأمر والعزيمة على الرشد واسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك واسالك قلبا سليما ولسانا صادقا واسالك من خير ما تعلم وأعوذ بك من شر ما تعلم وأستغفرك لما تعلم (عن شداد بن أوس نسائی ص ١٥٣)

یااللہ میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور بھلائی پر پختگی مانگتا ہوں۔ اور میں تجھ سے تیرے نعمت کے شکر اور اچھی عبادت کی توفیق مانگتا ہوں اور میں تجھ سے سلامتی والے دل اور سچی زبان کا سوال کرتا ہوں۔ میں تجھ سے ہر خیر کا سوال کرتا ہوں اور ہر شر سے پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں۔

ان کے علاوہ کچھ اور بھی دعائیں مروی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے جو دعا اچھی لگے مانگی جا سکتی ہے۔ مندرجہ ذیل دو قرآنی دعائیں تشہد میں اکثر پڑھی جاتی ہیں۔

رب اجعلني مقيم الصلوة ومن ذريتي ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب (إبراهيم ٤٠، ٤١)

یااللہ مجھے اور میری اولاد کو نمازی بنا۔ یااللہ میری دعا قبول فرما یااللہ مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو روز قیامت بخش دینا

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرة:٢٠١)

یااللہ ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا

یہ گو نبی ﷺ سے منصوص نہیں تاہم ان کے اچھا ہونے میں کیا شک ہے۔

ہدایہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

وإن تعمد الحدث في هده الحالة أو تكلم أو عمل عملاً ينافي الصلوة تمت صلوته (ص ٩٠)

اگر اس حالت میں جان بوجھ کر وضو توڑ ڈالے یا کلام کرے یا اور کوئی نماز کے منافی عمل کرے نماز پوری ہوگئی۔

مطلب یہ ہے تشہد کے بعد بجائے درود شریف پڑھنے کے بجائے دعائیں مانگنے کے اور بجائے سلام پھیرنے کے اگر انسان جان بوجھ کر گوز مارے ٹٹی پیشاب کر دے یا بات چیت کرے یا کوئی اور نماز کے منافی عمل کرے تو نماز مکمل ہو جائے گی۔

آگے لکھا ہے

لأنه لم يبق عليه شيئ من الأركان

اس لئے کہ اس کے ذمہ اب کوئی

رکن باقی نہیں رہا

تسلیم

آخر میں دائیں بائیں سلام پھیرنا چاہیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

كنت أرى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يسلم عن يمينه وعن يساره حتى أرى بياض خده (مسلم ص ٢١٦)

میں نبی ﷺ کو دائیں بائیں سلام پھیرتے دیکھتا یہاں تک مجھے آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی بھی نظر آتی تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

يسلم عن يمينه وعن يساره
السلام عليكم ورحمة الله
السلام عليكم ورحمة الله (ترمذی ص ٢٤٢)

آپ ﷺ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے
السلام علیکم و رحمتہ اللہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔

فكان يسلم عن يمينه السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وعن شماله السلام عليكم ورحمة الله (أبوداود ص ٣٨٠)

آپ ﷺ دائیں طرف السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اور بائیں طرف اسلام علیکم ورحمتہ اللہ کہتے۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو بلوغ المرام میں نقل کیا ہے جس میں دونوں طرف وبرکاتہ کا ذکر ہے اور سند کو صحیح کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اضافہ بھی جائز ہے۔ بعض نے آگے ورضوانہ و کرامتہ کو بھی جائز رکھا ہے مگر یہ زیادتی ثابت نہیں (سبل السلام ج ۱ ص ۱۹۲)

حنفیہ کے نزدیک دائیں طرف پہلے سلام پھیرنا واجب نہیں۔ انہوں نے اسے سنن میں شمار کیا ہے (ہدایہ ص ۷۹ نماز مسنون ص ۳۱۰)

ایک دفعہ سلام کہنا؟ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

إن رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يسلم في الصلوة تسليمة واحدة تلقاء وجهه ثم يميل إلى الشق الايمن (ترمذی ص ۲۴۲)

نبی ﷺ نماز میں ایک ہی سلام کہتے قبلہ رخ۔ پھر ذرا سا دائیں جانب رخ موڑتے

ابن ماجہ ص ۶۵ میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ حضرت سہل بن سعد اور سلمہ بن اکوع سے بھی ایک سلام کی روایت مروی ہے۔ ایک روایت حضرت ابن عمر سے مسند احمد میں بھی آئی ہے مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں (نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۳، شرح مسلم نووی ص ۲۱۶، نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۳۳) بعض صحابہ و تابعین کا یہ مسلک رہا ہے (نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۴ تحفتہ الاحوذی ص ۲۴۳) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے زیادہ صحیح روایات دو سلاموں کے بارے میں ہیں۔ اکثر اہل علم صحابہ و تابعین اور بعد والوں کا یہی مسلک ہے بعض صحابہ و تابعین وغیرھم فرضی نماز میں ایک سلام کے قائل ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں دونوں طرح جائز ہے (ص ۲۴۳) امام نووی رحمہ اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت فرماتے ہیں یہ حدیث مذہب شافعی رحمہ اللہ اور جمہور سلف و خلف کیلئے اس بات پر دلیل ہے کہ دو سلام ہی مسنون ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور کچھ لوگ ایک سلام کے قائل ہیں۔ ان کے دلائل ضعیف احادیث ہیں جو صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ایک سلام کی کوئی حدیث اگر ثابت ہو تو اسے صرف جواز پر محمول کیا جا سکتا ہے (شرح مسلم ص ۲۱۶) معلوم ہوا جو لوگ ایک سلام کہتے ہیں وہ صحیح احادیث کو چھوڑ کر ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل مسلک اہل حدیث کے برخلاف ہے۔ یہ مسلک کی صحیح خدمت نہیں۔ بلکہ مسلک کو ٹھیس پہنچانے والی بات ہے۔ ضعیف روایات کے ٹھیکیداروں کو یہ

کہنے کا موقع مل سکتا ہے کہ اہل حدیث بھی صحیح احادیث کو چھوڑ کر ضعیف روایات پر عمل کرتے ہیں تو پھر ہمارا کیا قصور ہے۔

بعض لوگوں کو دیکھا ہے عام نمازوں میں دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں مگر نماز جنازہ میں ایک سلام پر قناعت کر لیتے ہیں۔ نہ جانے یہ امتیازی مسئلہ انہوں نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اسی طرح حنفیہ بھی تشہد اور سجدہ سہو کے درمیان صرف دائیں جانب ایک سلام کہتے ہیں۔ اس کی بھی بندہ کو سمجھ نہیں آئی۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات پر اجماع ہے کہ واجب سلام ایک ہی ہے۔ ایک سلام کی صورت میں سامنے کی طرف اور دو سلاموں کی صورت میں دائیں بائیں رخ کرنا مستحب ہے (شرح مسلم ص ۲۱۶) مصنف نماز مدلل بحوالہ معارف السنن ج ۳ ص ۱۱۱ مختلف احادیث کے درمیان یوں تطبیق دیتے ہیں ایک سلام قدرے بلند آواز سے کہا جاتا اور دوسرا معمولی آواز سے۔ تو دو سلام والی احادیث میں اصل واقعہ اور مسئلہ کا ذکر ہے اور ایک سلام والی احادیث میں اختلاف کیفیت کی طرف اشارہ ہے (ص ۱۳۴) حالانکہ دو سلام والی احادیث میں دائیں بائیں منہ پھیرنے کا ذکر ہے اور ایک سلام والی احادیث میں صرف سامنے کی طرف اور پھر تھوڑا سا دائیں طرف رخ کرنے کا ذکر ہے تو ان دونوں قسم کی احادیث کے درمیان تطبیق کس طرح ممکن ہے۔ یہ سراسر دو مختلف عمل ہیں۔ ویسے اگر مصنف نماز مدلل کی یہ پسندیدہ توجیہہ مان لی جائے تو آمین کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ یعنی معمولی آواز سے کہنے کی وجہ سے کسی نے اسے بالجہر روایت کر دیا اور کسی نے (ضعیف روایت کے مطابق) بالاخفاء بیان کر دیا

ارشاد نبوی ﷺ ہے

تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم　نماز تکبیر سے شروع اور اسلام پر ختم ہوتی ہے۔

(عن علی ترمذی ص ۱۳)

مگر جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے حنفیہ کے نزدیک ایک سلام بھی فرض نہیں

ہے۔

مصنف نماز مسنون تحریر فرماتے ہیں اگر بغیر لفظ سلام کہے کوئی شخص نماز سے اٹھ کر چلا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی ورنہ گنہگار ہو گا کیونکہ لفظ السلام علیکم کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے اور واجب کے ترک سے نماز لوٹانا واجب ہے (ص ۴۰۷) جناب محترم نے یہ اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی نہیں فرمائی فقہ حنفی کی رو سے نماز لوٹانے کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب تشہد کے بعد ازخود وضو ٹوٹ جائے لیکن اگر قصدا توڑے یا نماز کے منافی کوئی عمل کرے تو اندریں صورت صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

لا اعادة عليه (ص ۹۰) اس کے ذمہ اعادہ نہیں ہے

احناف کو اپنی حنفی نماز بیان کرنے سے شرمانا نہیں چاہئے اگر وہ حق ہے تو اسے کھل کر بیان کرنا چاہئے۔

یاد رہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلام نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

سلام اور مصافحہ رفع یدین کی بحث میں آپ حضرت جابر بن سمرہ والی روایت پڑھ آئے ہیں جس میں ہے کہ صحابہ کرام سلام کے وقت دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ بھی کرتے تھے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

كانها أذناب خيل شمس گویا کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں

کہہ کراہت کا اظہار فرمایا

آج کل بعض لوگ سلام کے ساتھ تو نہیں البتہ سلام کے بعد معا دائیں بائیں بیٹھے ساتھیوں سے مصافحے کرتے ہیں۔ یہ چیز بھی اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ اسے بدعت بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

علامہ شامی رد المختار شرح درمختار میں لکھتے ہیں ادائے نماز کے بعد مصافحہ ہر حال میں مکروہ ہے کیونکہ صحابہ علیہم الرضوان ادائے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نمازوں کے بعد مصافحہ اس لئے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کے شعائر میں سے ہے پھر ابن حجر مکی شافعی سے منقول ہے کہ یہ ایک بدعت مکروہہ ہے جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں اور پھر علامہ ابن الحاج مالکی سے منقول ہے کہ مصافحہ مسلمان بھائی سے ملاقات کرتے وقت مشروع ہے نہ کہ نمازوں کے بعد (بحوالہ عماد الدین ص ۳۷۵)

پیری مریدی کا کاروبار کرنے والوں میں یہ بیماری عام ہے۔ نماز کے بعد نمازی باری باری نہایت عقیدت کے ساتھ جھک کر حضرت صاحب سے مصافحہ کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔

نماز عید کے بعد معانقہ بھی مسنون نہیں ہے اگر شرعی مسئلہ سمجھ کر کیا جائے تو غلط ہے اور بدعت ہے لیکن اگر اس شعر کے مصداق کیا جائے تو شائد حرج نہ ہو۔

عید کا دن ہے آج تو گلے مل لے ظالم
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے ایک دفعہ عید کے موقع پر دو بچیاں کچھ گا بجا رہی تھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

دعهما يا أبابكر إن لكل قوم عيد   ابوبکر انہیں رہنے دو ہر قوم کی عید ہے
وهذا عيدنا (عن عائشة بخاری ص   اور یہ ہماری عید ہے
۱۳۰، مسلم ص ۲۹۲)

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے عید کے بعد معانقہ بدعت ہے (ج ۲ ص ۹۹)

سلام کے بعد مصافحے کی بات ہو رہی تھی تو اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے نمازی جو السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہتے ہیں تو اس سے نمازی ہی مخاطب ہوتے ہیں۔

سمرہ سے مروی ہے۔

أمرنا رَسُوْلُ اللهِ صَلّٰى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن نرد على الامام ونتحاب وأن يسلم بعضنا على بعض (أبوداود ص ۳۸۲)	نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام کو سلام کا جواب دیں اور ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک دوسرے کو سلام کریں

***

نماز کے بعد اذکار مسنونہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرض نماز سے فارغ ہو کر باواز بلند ذکر کرنا عہد نبوی ﷺ میں موجود تھا۔ مجھے ذکر سن کر ہی پتہ چلتا تھا کہ جماعت ہوگئی ہے (بخاری ص ۱۱۶، مسلم ص ۲۱۷، ابوداؤد ص ۳۸۳) وہ ذکر کیا تھا۔ صحیحین میں انہیں صفحات پر ابن عباس سے یہ روایت ہے۔

كنت أعرف انقضاء صلوة النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالتكبير

مجھے نبی ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کا علم اللہ اکبر کی آواز سے ہوتا تھا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نماز کے بعد تین بار استغفر اللہ پڑھ کر یہ پڑھتے۔

اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والإكرام (مسلم ص ۲۱۸)

یااللہ تو سلامتی والا ہے تجھ ہی سے سلام ہے تو بابرکت ہے اے بزرگی اور عزت والے

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے

لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيئ قدير اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد (بخاری ص ۱۱۷، مسلم ص ۲۱۸)

نہیں کوئی لائق عبادت کے مگر اللہ جو ایک ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جسے تو دے اسے کوئی منع کرنے والا نہیں اور جس سے تو منع کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ اور نہیں نفع دیتی کسی دولت مند کو تجھ سے دولت

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد (باواز بلند) یہ پڑھتے

لا إله إلا الله ..... قدير لا حول ولا قوة إلا بالله لا إله إلا الله ولا نعبد إلا إياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن مخلصين له الدين ولو كره الكافرون (مسلم ص ٢١٨، مسند أحمد ج١ ص ٤٦٨)

نہیں کوئی لائق عبادت کے مگر اللہ الخ نہیں ہے بچنا گناہ سے اور نہ قدرت نیکی کرنے کی مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں وہ نعمتوں والا فضل والا اور اچھی تعریف والا ہے ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں اخلاص کے ساتھ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو

یاد رہے کہ اس حدیث میں بصوتہ الا علی یعنی باواز بلند کے الفاظ صرف کتاب الام (ج ا ص ۱۱۰) میں ہیں (بحوالہ تعلیقات سلفیہ ص ۱۵۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ پڑھتے۔

اللهم إني أعوذ بك من الجبن وأعوذ بك من البخل وأعوذ بك من أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وعذاب القبر (بخاری ص ٣٩٦)

یااللہ میں تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں بخل سے رذیل عمر سے دنیا اور عذاب قبر کے فتنے سے

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنے کا حکم دیا (مسند احمد ج ا ص ۱۷۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہے (بیہقی مشکوۃ ص ۱۷۸)

عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب اور فجر کی نماز کے بعد اپنے پاؤں موڑنے سے پہلے دس بار یہ کلمات پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد بیدہ الخیر یحیی و یمیت وھو علی کل شئی قدیر اس کے لئے ہر کلمہ کی بدولت دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں ہر تکلیف سے شیطان سے اور گناہ سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ افضل الناس ہو جاتا ہے (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر اور ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ --- قدیر پڑھے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں چاہے سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں (مسلم ص ۲۱۹)

بعض روایتوں میں بجائے آخری کلمہ کے اللہ اکبر کا ۳۴ بار پڑھنا مذکور ہے (عن کعب بن عجرہ مسلم ص ۲۱۹) ایک اور روایت میں ان تینوں کلمات کا گیارہ گیارہ بار پڑھنا مذکور ہے (عن ابی ہریرہ مسلم ص ۲۱۹) اور بخاری شریف کی ایک روایت میں تسبیح، تحمید اور تکبیر کا دس دس بار پڑھنا مذکور ہے (عن ابی ہریرہ ص ۹۳۷) ایک روایت میں تسبیح، تحمید، تکبیر اور تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کا پچیس پچیس بار پڑھنا مذکور ہے (عن زید بن ثابت مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۶، نسائی ص ۱۵۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد اپنے سر مبارک کے اگلے حصہ پر ہاتھ رکھ کر یہ پڑھتے۔

بسم الله الذی لا إله إلا هو الرحمن الرحیم اللهم أذهب عن الهم والحزن (رواه البزار والطبرانی فی الأوسط وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة)

یااللہ مجھ سے فکر و غم دور فرما دے

شیخ محمد جزری المتوفی ۸۰۸ نے بھی اسے حصن حصین میں نقل کیا ہے مولنا رشید احمد گنگوہی اور مولنا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ فرمایا

ہے۔ مگر مصنف عماد الدین لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے بلکہ عجیب نہیں کہ موضوع ہو (ص ۳۶۲)

یہ تسبیحیں اور گھٹلیاں وظائف کے بارے میں جو اعداد و شمار نبی ﷺ نے بتلائے ہیں انہیں تو علی حالہ رہنے دینا چاہئے ان میں لازما کوئی حکمت ہوگی باقی اس کے علاوہ انسان جتنا مرضی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے

أَذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً (الأحزاب ٤١)	اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو

آنحضرت ﷺ نے تسبیحات کی جو مقدار بیان فرمائی ہے اسے تو انگلیوں کے پوروں پر گنا جا سکتا ہے اس کے لئے موتیوں کی لڑیوں کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

عليكن بالتسبيح والتهليل والتقديس واعقدن بالانامل فانهى مسئولات مستنطقات (عن يسيره ام ياسر أبوداود ص ٥٥٦، ترمذى ج٤ ص ٢٨٤)	تسبیح تہلیل اور تقدیس پڑھا کرو اور پوروں پر گنا کرو یہ پوچھے جائیں گے اور انہیں بلوایا جائے گا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

رأيت النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يعقد التسبيح بيده (ترمذى ج٤ ص ٢٥٥)	میں نے نبی ﷺ کو اپنے ہاتھ سے تسبیح گنتے دیکھا

یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے جس میں عثام بن علی کا ایک شاگرد محمد بن قدامہ بیمینہ کا لفظ ذکر کرتا ہے یعنی عبداللہ بن عمروؓ نے نبی ﷺ کو اپنے دائیں ہاتھ سے تسبیح کرتے دیکھا (ص ۵۵۶) بعض اس سے استدلال کرتے ہیں کہ تسبیح صرف دائیں ہاتھ سے کرنی چاہئے مگر یہ استدلال قوی نہیں۔ بیمینہ کا لفظ اگر محفوظ

ہو تو اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جس وقت عبداللہ بن عمرو نے نبی ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھ رہے تھے اور یقیناً دائیں ہاتھ سے ہی آغاز کرنا چاہئے۔ کیونکہ

کان النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعجبه التیمن فی تنعله وترجله وطهوره (و) فی شأنه کله (عن عائشة بخاری ص ٢٩)

نبی ﷺ کو دائیں طرف سے آغاز کرنا پسند تھا جوتا پہننے میں کنگھی کرنے میں وضو کرنے میں اور ہر کام میں

یہ مطلب نہیں ہے کہ جب دائیں ہاتھ کی تسبیحات پوری ہو جائیں تو اس کے بعد بھی آپ ﷺ بایاں ہاتھ استعمال نہیں فرماتے تھے اسکی مثال بالکل ایسے ہے جیسے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

إن النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إذا عرس بلیل اضطجع علی شقه الأیمن (مشکوة باب الجلوس والنوم بحواله شرح السنة)

نبی ﷺ رات کو دائیں جانب لیٹتے

براء بن عازب سے آپ ﷺ نے فرمایا باوضو ہو کر لیٹو

ثم اضطجع علی شقك الأیمن الخ (بخاری ص ٩٣٤)

پھر اپنی دائیں کروٹ لیٹ جاؤ

تو ان احادیث کا یہ مقصد نہیں کہ بائیں کروٹ لیٹنا منع ہے۔ خود قرآن مجید میں اصحاب کہف کے بارے میں فرمایا

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (الکهف: ١٨)

ہم دائیں بائیں ان کی کروٹیں بدلتے تھے

اگر کسی کو انگلیوں پر گننا مشکل لگے تو شاید اس کے لئے اپنے ہاتھ میں تسبیح رکھنا قابل اعتراض نہ ہو مگر ریاکاری کرنا اور بطور فیشن اس کی نمائش کرتے پھرنا انتہائی غلط ہے۔ کئی بزرگوں کو دیکھا ہے باتیں بھی کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ منکے پر منکا بھی پھینکتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تسبیح غالبا ان کے ہاں بٹیر کے متبادل کا

درجہ رکھتی ہے۔

يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلاَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلاَّ قَلِيْلاً (النساء : ۱۴۲)
لوگوں کو دکھلاتے ہیں اور نہیں ذکر کرتے مگر تھوڑا

بزرگوں سے یہ بات چل کر بزرگانیوں میں بھی آ گئی ہے۔ سیر سپاٹا بھی ہو رہا ہے۔ سہیلیوں کے جھرمٹ میں ساس بہو کے شکوے بھی جاری ہیں اور گز بھر لمبی تسبیح بھی گردش میں ہے۔

ہے مشق سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی

بلکہ ان سے نکل کر یہ بات اس قوم کی لیڈرانیوں میں بھی آ گئی ہے۔ یہ اسلامی نظام سے برگشتگی کا اظہار بھی کرتی رہتی ہیں بلکہ اس پر پھبتیاں بھی کستی رہتی ہیں اور ماتم میں تسبیح یوں لئے پھرتی ہیں جیسے بزعم خود حضرت رابعہ بصریہ یہی تو ہوں۔ معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہے اور انہوں نے خود اس کو آزما بھی لیا ہے کہ اس قوم کو صحیح بیوقوف اسلام کے نام پر ہی بنایا جا سکتا ہے۔ یہ بیگمات ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر اپنے جیالوں کو یہ تاثر دینا چاہتی ہیں کہ ہم بھی اللہ والے لوگ ہیں۔

حجاج کرام واپسی پر اپنے عزیزوں اور ملنے والوں میں زم زم' کھجوریں تسبیحیں اور جالی دار ٹوپیاں تقسیم کرتے ہیں۔ زمزم مکہ مکرمہ کی کھجوریں مدینہ منورہ کی سوغات ہیں۔ تسبیحیں اور ٹوپیاں وہاں کی صنعت نہیں ہیں انہیں خواہ مخواہ ہی تبرکات میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ صنعت کاروں کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے نبی ﷺ نے بعض تسبیحات کی جو تعداد مقرر فرمائی ہے اس کے علاوہ ہمیں اپنی طرف سے کوئی تعداد معین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہیں ذکر نہیں ملتا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے سوا لاکھ بار آیت کریمہ پڑھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنے کا حکم ہے۔ گن گن کر حساب کرنا فضول ہے کیونکہ

کہتے ہیں۔

حساب دوستاں در دل

بلکہ میں تو کہوں گا اللہ تعالیٰ کو تھوڑا یاد کرنا مگر قلب کی حضوری اور دل کی گہرائی کے ساتھ یہ بہتر ہے حلق سے اوپر اوپر اور غافل دل کے ساتھ یاد کرنے سے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

إن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل (عن أبی هريرة ترمذی)

اللہ تعالیٰ غافل اور مشغول دل کی دعا قبول نہیں فرماتا

مسند فردوس و دیلمی وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول منسوب ہے۔

نعم المذكر المسبحة

تسبیح بہتر یاد دلانی والی ہے

علامہ البانی فرماتے ہیں یہ موضوع ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ یہ بدعت ہے یہ زمانہ نبوی ﷺ میں نہیں تھی یہ بعد کی ایجاد ہے۔ آگے لکھتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کے ہاتھ میں تسبیح تھی آپ رضی اللہ عنہ نے اسے توڑ کر پھینک دیا۔ پھر ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور سخت سست کہا۔ آگے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۸۹ کے حوالے سے ابراہیم نخعی کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

كان ينهى ابنته أن تعين النساء على فتل خيوط التسبيح التی يسبح بها

وہ اپنی بیٹی کو اس بات سے منع کرتے تھے کہ وہ تسبیح کیلئے دھاگے بٹنے میں عورتوں کی مدد کرے۔

نیز لکھتے ہیں

إنما جاء هذا الاشكال من بدعة

یہ شکلیں ایک دوسری بدعت کی وجہ

اخرى وهى ذكر الله فى عدد محصور (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة ص ١١١ تا ١١٦)

سے پیدا ہوئیں اور وہ ہے اللہ کا ذکر کرنا ایک معین تعدد میں

ام المومنین حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میرے آگے چار ہزار گٹھلیوں کا ڈھیر پڑا تھا جن پر میں تسبیح پڑھ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اس سے بھی زیادہ تسبیح نہ بتلاؤں عرض کیا ہاں یا رسول اللہ فرمایا کہو

سبحان الله عدد خلقه (ترمذى ج٤ ص ٢٧٤)

اللہ تعالٰی کی تسبیح اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر

اسی طرح ایک اور عورت کو گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھتے دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس سے زیادہ آسان اور افضل بات بتلاتا ہوں۔

سبحان الله عدد ما خلق فى السماء وسبحان الله عدد ما خلق فى الأرض وسبحان الله عدد ما بين ذلك وسبحان الله عدد ما هو خالق والله أكبر مثل ذلك والحمد لله مثل ذلك ولا حول ولا قوة إلا بالله مثل ذلك (عن سعد بن أبى وقاص ترمذى ج٤ ص ٢٧٧، أبوداود ج١ ص ٥٥٥)

سبحان اللہ آسمانی مخلوق کے برابر سبحان اللہ زمینی مخلوق کے برابر سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان جو مخلوق ہے اس کے برابر سبحان اللہ اس مخلوق کے برابر جسے وہ پیدا فرمانے والا ہے۔ اسی طرح اللہ اکبر اور الحمد للہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا جائے۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ صبح سے لے کر کافی دن چڑھے تک مصلی پر بیٹھی عبادت کرتی رہیں۔ نبی ﷺ نے حیران ہو کر ان سے فرمایا میں نے اس دوران میں چار ایسے کلمات تین بار کہے ہیں جو تمہارے اس تمام وظیفے سے زیادہ

وزنی ہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ (أبوداود ج۱ ص ۵۵۶)	اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے اور اس کی حمد ہے اتنی کہ جتنی اس کی مخلوق ہے جتنے پر کہ وہ راضی ہے جتنا کہ اس کے عرش کا وزن ہے اور جتنی کہ اس کے کلمات کی روشنائی ہے

پہلی دونوں روایتوں سے لوگ گٹھلیوں پر تسبیح پڑھنے کا جواز نکالتے ہیں لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ حضرت صفیہؓ والی روایت میں ہاشم بن سعید ضعیف ہے (تقریب۔ میزان) نیز کنانہ مجہول الحال ہے۔ ابن حبان کے سوا کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ سعد بن ابی وقاص والی روایت میں خزیمہ مجہول ہے (میزان بحوالہ سلسلہ الاحادیث الخ البانی ص ۱۱۴) نیز علامہ البانی فرماتے ہیں اصل قصہ حضرت صفیہؓ کے متعلق نہیں بلکہ صحیح روایت کے مطابق حضرت جویریہؓ کے متعلق ہے اور اس میں گٹھلیوں یا کنکریوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کی تائید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے (ایضاً ص ۱۱۵)

نیز گزارش ہے کہ ان دو ضعیف روایتوں میں بے شک گٹھلیوں پر تسبیح کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ نیز آپ نے غور کیا ہوگا کہ وہ صحابیات خود ہی تسبیحات پڑھ رہی تھیں آج کی طرح انہوں نے پڑوسنوں کو بلاوا بھیج کر میلہ نہیں لگا رکھا تھا اور نہ انہوں نے ان کے لئے کوئی شیرینی تیار کر رکھی تھی۔ اس لئے جو بہنیں اس پر عمل کرنا چاہیں برائے مہربانی انہیں یہ تکلیف خود ہی کرنی چاہئے۔ ان ضعیف احادیث میں اس سے زیادہ ثابت نہیں ہے۔

ذکر بالجہر

صحیحین کے حوالے سے اوپر عبداللہ بن عباس کی حدیث بیان ہوئی ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد باواز بلند ذکر فرماتے تھے۔ اللہ اکبر کے متعلق تو خاص طور پر ان سے مروی ہے کہ انہیں نماز کے اختتام کا پتہ ہی اس سے چلتا تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ اکبر تو بلاشبہ بلند آواز میں کہنا چاہیے۔ باقی اذکار میں بھی کچھ نہ کچھ جہر ہونا چاہیے۔ گزشتہ صفحات میں مذکور اذکار صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے سن کر ہی بیان کئے ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں

قال ابن بطال واخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر والتكبير وحمل الشافعي رحمه الله هذا الحديث على انه جهر وقتا يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لا إنهم جهروا دائما (شرح مسلم ص ٢١٧)

تمام مذاہب متبوعہ والے اور دیگر اس بات پر متفق ہیں کہ باواز بلند ذکر کرنا اور اللہ اکبر کہنا مستحب نہیں ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تھوڑی مدت جہر کیا تھا تاکہ انہیں سکھلائیں کہ کیا پڑھنا ہے۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ذکر بالجہر کریں۔

یہی الفاظ بخاری شریف کے حاشیہ پر حنفی محشی نے بھی نقل کئے ہیں (ص ۱۱۶) ان کا ذکر مصنف نماز مسنون نے بھی کیا ہے (ص ۴۱۲) مطلب یہ ہے احناف سمیت ان سب کے نزدیک ذکر بالجہر منع ہے۔

بریلوی احناف پنج وقتہ نمازوں کے بعد باہم مل کر یعنی کورس کے انداز میں باواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں اور الا اللہ کے ساتھ اتنی زور دار ضرب لگاتے ہیں کہ پوری فضا کانپ جاتی ہے۔ کاش ان کی توحید بھی اتنی ہی مضبوط ہوتی۔ افسوس کہ ان "اہل سنت" کے ہاں اذکار مسنونہ کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔ جمعہ کی نماز کے بعد ان کے ہاں محفل صلوٰۃ و سلام جمتی ہے۔ پہلے بیٹھ کر

صل علی کا ورد کرتے ہیں۔ اتنے میں حضور ﷺ "تشریف لے آتے ہیں" تو ان کے استقبال کے لئے (بلکہ شاید لاؤڈ اسپیکر کے استقبال کیلئے) مائیک کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ شور مچتا ہے کہ الامان والحفیظ کہتے ہیں حضور ﷺ آگئے حالانکہ اس مجلس میں سے تو آئے ہوئے معقول آدمی بھی اٹھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ کیا حضور ﷺ صرف جمعہ جمعہ تشریف لاتے ہیں۔ آگے پیچھے ان پر کوئی پابندی ہے؟ نیز اگر وہ جمعہ کو یا عید میلاد النبی کو ہی تشریف لاتے ہیں تو باقی اوقات میں وہ کہاں تشریف رکھتے ہیں اور ان کے استقبال کا کیا بندوبست ہوتا ہے۔

علامہ محمد بن خوارزمی البزازی الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ صاحب بزازیہ جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہیں۔

عن فتاوی القاضی أنه حرام لما صح عن ابن مسعود أنه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وقال لهم ما أراکم إلا مبتدعین (شامی ج۵ ص ۳۵۰)

فتاویٰ قاضیخاں میں ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا جو لا الہ الا اللہ پڑھ رہے تھے اور نبی ﷺ پر درود بھیج رہے تھے اور فرمایا تم سراسر بدعتی ہو۔

مشہور بریلوی مولانا عبدالسمیع صاحب یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو فقط احداث ہیئت جدیدہ کیلئے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ یہ ذکر جہر کرنا ان کا ہی رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہے اور یہ ہی ہم کہتے ہیں کہ جو احداث مخالف امر شارع کی ہو وہ منع ہے (انوار ساطعہ ص ۳۸، ۳۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت جسے احناف نے صحیح

تسلیم کیا ہے مسند دارمی ص ۳۸ میں ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آپ ﷺ کا گزر ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا جو ایک شخص کے کہنے پر سو سو بار تکبیر تھلیل اور تسبیح پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا

عدوا من سیاتکم فانا ضامن ان لا بضیع من حسناتکم شیئ ویحکم یا امة محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما أسرع هلكتكم هولاء صحابة بينكم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وانيته لم تكسر إلى أن قال أو مفتحی باب ضلالة (بحواله راه سنت ص ۱۱۸ طبع جهارم، از مولنا سرفراز أحمد)

اپنے گناہ شمار کرو۔ میں ذمہ دار ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ تم پر افسوس ہے اے امت محمدیہ ﷺ تم کتنی جلدی ہلاک ہوگئے۔ ابھی صحابہ تم میں بکثرت موجود ہیں ابھی حضور ﷺ کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے ابھی آپ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے یہاں تک کہ فرمایا کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو؟

مصنف مذکور نے اپنی اس کتاب میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ مختلف حنفی کتب کے حوالے دے کر ارشاد فرماتے ہیں۔ ان اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ جب شریعت نے کسی رات یا دن کو عبادت کیلئے مخصوص نہ کیا ہو اور جب ذکر اللہ وغیرہ عبادت کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا اور اس تعین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے اور غیر مشروع بھی (راہ سنت ص ۱۱۷) نیز لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تھلیل اور تسبیح و تحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے لہٰذا یہ بدعت ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی بدعت عظمیٰ بھی ہے اور بدعت ظلماء بھی (ص ۱۱۹)

لکھتے ہیں انقلاب زمانہ دیکھئے کہ آج جو شخص بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر درود شریف نہیں پڑھتا اہل بدعت اس کو مسجد سے نکال دیتے ہیں مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بلند آواز کے ساتھ مسجد میں درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا میرے نزدیک تم بدعتی ہو فریق مخالف کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے (ص ۱۲۲) لکھتے ہیں مولوی محمد عمر صاحب اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اور گریبان میں منہ ڈال کر خوف خدا کو دل میں رکھتے ہوئے اور قبر و آخرت کا نقشہ سامنے رکھ کر یہ فیصلہ خود صادر فرمائیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بموجب وہ سنی ہیں یا بدعتی ہوش میں آکر جواب دیجئے باقی خود کو زبانی طور پر حنفی کہہ دینے سے کوئی حنفی نہیں بن جاتا (ص ۱۲۲) نیز لکھتے ہیں فریق مخالف ازارہ دیانت یہ فرمائے کہ مسجدوں میں اجتماعی رنگ میں جہر سے ذکر اور درود شریف پڑھنے والوں کو منع کرنے سے ہم ہی وہابی ہوتے ہیں یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو بھی اس مبارک فتویٰ سے کچھ حصہ نصیب ہو سکتا ہے (ص ۱۲۴)

آگے چل کر ذکر بالجہر کے عنوان کے تحت علامہ حلبی حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ولابی حنیفة أن رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للأمر فی قوله تعالی أدعوا ربکم تضرعا وخفیة (کبیری ص ٥٦٦، راہ سنت ص ١٦٨)

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ ذکر بالجہر بدعت اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے برخلاف ہے کہ پکارو اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ

آگے ملا علی قاری کا قول لکھتے ہیں۔

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر مرقات ج٢ ص ٤٧٠)

ہمارے بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا چاہے وہ اللہ کا ذکر ہی ہو حرام ہے۔

دیوبندی مجلس ذکر اب یہ کتنا اندھیر ہے کہ خود انہی کی مسجدوں میں زبردست قسم کی مجالس ذکر بالجہر کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ آئے دن لاہور سے ایک سلسلہ عالیہ' چشتیہ' قادریہ' راشدیہ کے سجادہ نشین پیر طریقت رہبر شریعت نوجوان بزرگ تشریف لایا کرتے ہیں۔ بڑے بڑے اشتہارات چھپتے ہیں کسی مخصوص دن کو بعد نماز مغرب مجلس ذکر منعقد ہوتی ہے اور پھر اس میں وہ دھما چوکڑی مچتی ہے کہ اس کے مقابلے میں بریلوی مجالس بھی ہیچ ہیں۔ جناب ذاکر صاحب بتیاں بجھا کر پہلے لا الہ الا اللہ کا اجتماعی ورد کرواتے ہیں جو خوب جھوم جھوم کر اور سر کو ایک خاص زاویئے سے گھما گھما کر کیا جاتا ہے۔ پھر ڈیسک پر ہاتھ بجا کر الا اللہ کی ضربیں لگواتے ہیں۔ پورے ہال پر حال طاری ہو جاتا ہے۔ حاضرین اندھیرے میں یوں اچھل اچھل کر شور مچا رہے ہوتے ہیں جیسے انہیں دورہ پڑ گیا پھر اللہ ھو کہنے کو کہا جاتا ہے اور یہ اس انداز سے کہا جاتا ہے جیسے مسلسل کئی دھونکنیاں چل رہی ہوں۔ یہ کلمہ گھٹتے گھٹتے آخر میں ھو رہ جاتا ہے ھو ھو کی ان گنت آوازیں عجب سماں پیدا کر دیتی ہیں ایسے لگتا ہے جیسے ہم چڑیا گھر میں آگئے ہوں اور سینکڑوں کبوتر اکٹھے ہو کر غوں غوں کر رہے ہوں۔

شاید کسی کے دل میں خیال گزرے کہ یہ ان صوفیا یا ان حضرت صاحبان کی عبادت کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ میرے بھائی عبادت کا صحیح طریقہ فقط وہی ہے جو اللہ کے پیغمبر ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے باقی یہ سب پاکھنڈ ہے جو پیری مریدی بڑھانے اور نذر و نیاز بٹورنے کے چکر میں چلایا گیا ہے اور ایک تماشہ ہے جو یہ مداری دکھلاتے ہیں میں سمجھتا ہوں ذکر کے نام پر شریعت کے ساتھ اس سے زیادہ بھدا اور فضول مذاق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مشہور مقولہ ہے بد سے بدنام برا۔ بریلوی بے چارے خواہ مخواہ اتنے بدنام ہوگئے ہیں۔ اصل مجرم یہ لوگ ہیں میں ان مفتیان دین سے پوچھتا ہوں کیا نبی ﷺ اپنے صحابہ کرام کو خلفائے راشدین اپنے ساتھیوں کو اور ائمہ عظام اپنے تلامذہ

کو بٹھا کر ایسے ہی ذکر کروایا کرتے تھے۔ راہ سنت کے مندرجہ بالا اقتباسات کو پڑھنے کے بعد کیا اس طریق ذکر کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؟ نہ جانے پھر یہ چراغ تلے اندھیرا کیوں ہے۔ کجا ان کے نزدیک نماز میں آمین اور نماز کے بعد اللہ اکبر بھی جہر کے ساتھ کہنا جائز نہیں اور کجا یہ شور و غل۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

مجلس ذکر کے نام پر ان کی مساجد میں آئے روز جو ناٹک رچایا جاتا ہے اگر یہ کاروبار درست ہے تو پھر راہ سنت کے ان صفحات کو دریا برد کر دینا چاہیے جن میں بریلویوں کی مخالفت کرتے ہوئے اجتماعی اور جہری ذکر کی نفی کی گئی ہے اپنی خداداد ذہانت اور فقاہت سے کام لے کر انہیں اپنے اس جدید مذہبی ایڈیشن کے حق میں کوئی نیا فتویٰ جاری کرنا چاہیے جیسا کہ خود ان کی کتاب راہ سنت کے سرورق پر لکھا ہے۔

چلا بحر دیں میں فقاہت کی کشتی
اسی سے تجھے راہ سنت ملے گی

❋❋❋

نماز کے بعد دعاء

عبادت کوئی بھی ہو اس کے بعد قبولیت کا امکان زیادہ ہوتا ہے مثلاً حج کے بارے میں فرمایا

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (بقرۃ: ۲۰۰)

پس جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم اپنے آباء کو یاد کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

زکوۃ کے بارے میں فرمایا

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (توبہ: ۱۰۳)

ان کے مال سے صدقہ وصول کر جس سے تو انہیں پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کے لئے دعا کر

روزہ کے سیاق و سباق میں فرمایا

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

اور جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ میں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے

اسی طرح نماز کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے رات پچھلے پہر اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے (عن ابی امامہ ترمذی جلد ۴ ص ۲۵۸) اور یہ بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے جب کوئی ان کی خدمت بجا لاتا ہے تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں مانگ کیا مانگتا ہے۔ نماز بہترین عبادت ہے۔ سجدہ نماز کی سب سے

زیادہ خشوع و خضوع والی صورت ہے۔ روز قیامت مقام محمود پر حضور نبی کریم ﷺ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ہی بجا لائیں گے تو رب ذی الجلال فرمائے گا۔

ارفع محمد وقل تسمع واشفع تشفع وسل تعطه (عن انس بخاری ۱۱۰، مسلم ص ۱۰۹)

محمد ﷺ سر اٹھاؤ۔ کہو سنی جائے گی۔ سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ مانگو دیئے جاؤ گے۔

ربیعہ بن کعب کہتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور آپ کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا تھا ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا کچھ مانگ لو میں نے عرض کیا جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور عرض کیا بس یہی۔ فرمایا

اعنی علی نفسك بكثرة السجود (مسلم ج۱ ص ۱۹۳)

بکثرت سجدوں کے ساتھ اپنے لئے میری مدد کرو

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اللهم إنى أعوذ بك من البخل وأعوذ بك من الجبن وأعوذ بك من أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وأعوذ بك من عذاب القبر (عن سعد بن ابی وقاص بخاری ص ۳۹٦)

یااللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ بخل سے اور بزدلی سے اور رذیل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے اور دنیا کے فتنے سے اور عذاب قبر سے

اللهم عافنى فى بدنى اللهم عافنى فى سمعى اللهم عافنى فى بصرى اللهم انى أعوذ بك من الكفر والفقر اللهم إنى أعوذ بك من عذاب القبر لا إله إلا أنت (أبوداود)

یااللہ مجھے عافیت عطا فرما میرے بدن میں میرے کانوں میں اور میری آنکھوں میں میں تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کفر سے فقر سے اور عذاب قبر سے تیرے سوا کوئی معبود نہیں

یااللہ میرے دین کی اصلاح فرما جس

اللهم أصلح لی دینی الذی هو عصمة أمری وأصلح دنیای التی جعلت فیها معاشی اللهم إنی أعوذ برضاك من سخطك وأعوذ بك من نقمتك وأعوذ بك منك لا مانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد (أبوحاتم)

یااللہ میرے لئے میرا دین سنوار دے جس سے میرے ہر کام کا تحفظ ہے اور میری دنیا بھی سنوار جس میں میری معاش مقرر کی گئی ہے۔ یااللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ سے جسے تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو منع کرے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ اور نہیں نفع دیتی دولت مند کو تجھ سے دولت

بعد نماز فجر

اللهم إنی اسئلك علما نافعا ورزقا واسعا وعملا متقبلا (عن ام سلمه ابن ماجه ص ٦٦، مسند أحمد ج٢ ص ٢٦٤)

یااللہ میں تجھ سے علم فائدہ دینے والا اور رزق کشادہ اور عمل قبول ہونے والا مانگتا ہوں

اللهم أعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك (عن معاذ بن جبل أبوداود ج١ ص ٥٦١)

یااللہ ذکر کرنے پر تیرا شکر ادا کرنے پر اور تیری اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہاتھ اٹھانا دعاء کے آداب میں شامل ہے۔ اس سے انسان مجسم فریاد نظر آیاد ہے۔ یہ بارگاہ صمدیت میں مانگنے کی انتہائی خشوع و خضوع اور انکسار والی صورت ہے۔ اس کو فقر (الی اللہ) کی معراج کہنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ

سے بے شمار موقعوں پر مختلف قسم کی دعاؤں کیلئے ہاتھوں کا اٹھانا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس موضوع پر تیس کے قریب روایتیں صحیحین سے جمع کر کے شرح مہذب باب صفتہ الصلوۃ میں ذکر کی ہیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۳) نیز حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورہا

اللہ تعالیٰ سے مانگو اپنے سیدھے ہاتھوں کے ساتھ۔ نہ مانگو اس سے اپنے الٹے ہاتھوں کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سلام پھیرنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا۔

أن رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوته

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

رجالہ ثقات۔ عن محمد بن یحییٰ اسلمی۔ فص الوعاء للیسوطی۔ مجمع الزوائد للھیثمی۔ اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۰۲ طبرانی۔ مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۴۵)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق مندرجہ ذیل مرفوع احادیث بھی آتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۷۲ میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی میں اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے ترمذی ج ۱ ص ۲۹۹ میں۔ مگر ان میں کچھ نہ کچھ ضعف ہے۔ (تحفتہ الاحوذی ص ۲۴۵) حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعاً درست ہے (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۱۹۰) میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاحب فہم پر مخفی نہیں کہ

بعد نماز فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستحب ہے (فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۵۶۶) مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بعض روایات سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۵۲۷) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک راجح مسلک یہ ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (تحفہ ج ا ص ۲۴۶)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت اور دیگر ضعیف شواہد کی وجہ سے یہی مسلک قوی معلوم ہوتا ہے۔ بعض لوگ خاص طور پر احناف نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو عملاً ضروری خیال کرتے ہیں یہ غیر ضروری بات ہے۔ مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت اور مستحب ہے۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں (ص ۴۱۱) مصنف نماز مدلل لکھتے ہیں بعض محققین فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا کے ثبوت میں قولی احادیث تو کثرت سے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام عمل ثابت نہیں (ص ۱۳۶ بحوالہ معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۴)

مصنف نماز پیمبر لکتے ہیں اس وقت دعا کرنا مستحب ہے جو نماز کا لازمی حصہ نہیں ہے (ص ۲۰۲) بعض لوگ کہتے ہیں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انفرادی طور پر دعا مانگنا ثبات ہے اجتماعی طور پر ثابت نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ثابت ہے تو پھر صحابہ کرامؓ کی شمولیت خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوں اور صحابہ کرامؓ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منہ تکتے رہتے ہوں۔ وہ تو ہر آن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے تھے۔ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جوتے اتارے تو صحابہ کرامؓ نے بھی از خود جوتے اتا دیئے۔ (عن ابی سعید خدری ابوداؤد ص ۲۴۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر روئے تو صحابہ کرامؓ بھی رونے لگ گئے۔ (عن ابی ہریرہ مسلم ص ۳۱۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ جمعہ میں دعائے استسقاء کیلئے ہاتھ اٹھائے تو صحابہ

کرامؓ نے بھی ازخود ہاتھ اٹھا دیئے۔ (عن انس بخاری ص ۱۴۰) تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر مانگتے ہوں اور صحابہ کرامؓ کی حیثیت فقط ایک تماشائی کی سی ہوتی ہو تاہم چونکہ اس کے متعلق کوئی صریح حدیث نہیں ہے اس لئے اس کی حیثیت فقط جواز کی ہے۔ نماز کے بعد اجتماعی دعا کو ضروری سمجھنا اور اسے نماز کا حصہ تصور کرنا یا اسے ممنوع قرار دینا انتہاء پسندی کے سوا کچھ نہیں۔ احناف کے ہاں اس کی سخت پابندی کی جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دعاء الامام والما مومین جمیما عقیب الصلوة فهو بدعة لم یکن علی عهد النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فتاوی إبن تیمیه ج۱ ص ١٨٤)

نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دعا بدعت ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ تھی۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی رقم طراز ہیں اور یہ جو نماز کے بعد شافعی اور حنفی ائمہ مساجد کے دعا مانگتے وقت بعض عوام بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس (مل کر دعا مانگنے) کی کوئی وجہ نہیں اور ابن حجر مکی نے جو اس کو جائز رکھا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ (بذل المجهود فی حل ابی داؤد ج ۳ ص ۱۳۸)

یہ دونوں حوالے نقل کر کے مصنف عماد الدین (حنفی) آخر میں لکھتے ہیں۔ الغرض فرض نماز کے سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا بدعت سیئہ ہے۔ (ص ۳۶۵)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال أبوحنيفة كل صلوة يتنفل بعدها يقوم ومالا يتنفل كالعصر والصبح فهو مخير (عمده القاری، بحر الرائق، فتاوی عالمكيری، تحفة ج۱ ص ٢٤٧)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس نماز کے بعد نفل پڑھے جاتے ہوں اس نماز کے بعد اٹھ کھڑا ہو اور جس نماز کے بعد نفل نہیں پڑھے جاتے جیسے عصر اور فجر تو اس میں اختیار ہے۔

یعنی ظہر مغرب اور عشاء کے بعد دعا مانگنا تو کجا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ سلام کے بعد مقتدیوں کا امام سے رابطہ ختم ہو جاتا ہے۔ انہیں اس بات کے انتظار میں نہیں بیٹھے رہنا چاہیئے کہ امام صاحب دعا مانگیں تو تب چھٹی ملے گی۔ یہ ایک اختیاری مسئلہ ہے۔ مل کر دعا مانگ لیں' فرداً فرداً مانگ لیں' ہاتھ اٹھا کر مانگ لیں' بغیر ہاتھ اٹھائے مانگ لیں۔ امام کے ساتھ مانگتے ہوئے پہلے بھی فارغ ہو جائیں یا نہ بھی مانگیں۔ سب طرح درست ہے اسے سنگین بنانے کی ضرورت نہیں۔

نماز کے بعد پہلے ذکر یا دعا

مصنف عماد الدین نے یہ عنوان قائم کیا ہے "فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور ذکر بعد از دعا۔" (ص ۱۸۹) مگر مضمون میں اس ترتیب کے ثبوت کا ذکر نہیں۔ البتہ مصنف نماز مدلدل نے اپنے اس حنفی مسلک کے حق میں یہ دلیل پیش کی ہے۔ اسود بن عبداللہ عامری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

صلیت مع رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر پڑھی۔ سلام پھیر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ موڑا اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

(اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۰۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ' نماز مدلل ص ۱۳۴)

مصنف نماز مسنون نے اسے باعتبار سند کے ضعیف کہا ہے۔ (ص ۴۱۱) حقیقت یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں دعا یا دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کا کوئی ذکر نہیں۔ نیز یہ روایت اسود بن عبداللہ عامری سے نہیں بلکہ جابر اپنے باپ یزید بن اسود عامری سے روایت کرتا ہے۔ تائید کیلئے ملاحظہ ہو ترمذی ج ۱ ص ۱۸۸ و ابوداؤد ج ۱ ص

۷۲۳۳' نسائی ج ۱ ص ۱۵۶۔ کسی حدیث میں بھی دعا کا ذکر نہیں ہے۔ بالفرض کہیں ہو تو اس میں یہ ذکر نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دعا سے پہلے کوئی ذکر نہیں فرمایا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے باب الدعاء بعد الصلوٰۃ ص ۹۳۷) اس سے بھی انہوں نے نماز کے بعد متصل دعا کرنے پر استدلال کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا حوالہ دیا ہے۔

وفی هذه الترجمة رد علی من زعم ان الدعاء بعد الصلوة لا یشرع (فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۳۳)

اس ترجمہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا مسنون نہیں ہے۔

ترجمہ = میں بے شک رد ہو گا مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت جو دو احادیث لائے ہیں یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تسبیحات والی حدیث اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی لا الٰہ الا اللہ والی حدیث۔ ان میں رد نہیں ہے کیونکہ یہ دعا سے نہیں ذکر سے تعلق رکھتی ہیں۔ دعا کا باب قائم کر کے ذکر والی حدیثیں بیان کرنے کی وجہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔

الذاکر یحصل له ما یحصل الداعی إذا شغله الذکر عن الطلب کما فی حدیث إبن عمر رفعه یقول الله تعالی من شغله ذکری عن مسالتی أعطیته افضل ما أعطی السائلین أخرجه الطبرانی بسند لین وحدیث ابی سعید بلفظ من شغله القران وذکری عن مسالتی أعطیته افضل ما أعطی السائلین أخرجه الترمذی

کہ ذکر کرنے والے کو وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو دعا کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ طلب کی بجائے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک مرفوع حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو میرے ذکر میں اتنا مصروف ہوا کہ اسے دعا کی فرصت نہ ملی میں اسے دعا مانگنے والوں سے بھی

وحسنه (ج٤ ص ٥٧، فتح الباری ج١١ ص ١٣٤)

زیادہ دوں گا۔ یہ طبرانی میں ہے کمزور سند کے ساتھ ایک روایت ابوسعید سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن پاک اور میرے ذکر میں مصروف ہوگیا میں اسے سائلین سے زیادہ دوں گا۔ یہ ترمذی میں ہے جسے انہوں نے حسن کہا ہے۔

لٰہذا ان سب احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ نماز کے بعد پہلے ذکر کرنا چاہئے۔ یہی افضل صورت ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ترجمہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا مسنون نہیں ہے اس کی دلیل ان کے خیال میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے۔

كان النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا سلم لم يقعد الا مقدار ما يقول اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والإكرام (مسلم ص ٢١٨، فتح الباری ج١ ص ١٣٣)

نبی ﷺ سلام پھیرنے کے بعد بس اتنی دیر ہی بیٹھتے جتنی دیر میں آپ ﷺ یہ پڑھ لیتے (ترجمہ) یااللہ تو سلامتی والا ہے تجھ سے سلامتی ہے تو بابرکت ہے اے بزرگی اور عزت والے

اس سے بھی اس بات کو تقویت پہنچی کہ نماز کے بعد اولاً ذکر کرنا چاہئے۔ آپ حیران ہوں گے کہ امام بخاری ابوہریرہ اور مغیرہ والی یہی دونوں حدیثیں باب الذکر بعد الصلوۃ (یعنی نماز کے بعد ذکر کا بیان) کے تحت بھی بیان کرچکے ہیں (ص ١١٦) پس اگر یہ ذکر ہی دعا ہے بلکہ افضل دعا ہے تو نماز کے بعد اس کے متصل ہونے میں تو کسی کو اختلاف ہی نہیں۔ لٰہذا مصنف نماز مدلل کی یہ تنقید بالکل بے فائدہ ہے کہ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے نماز

کے بعد متصل دعا کا انکار کیا ہے۔ علامہ موصوف کے ہاں سلام کے بعد اوراد و اذکار مسنونہ ادا کئے جائیں۔ ان کے بعد دعا کرنا درست ہے (ص ۱۳۶) نیز لکھتے ہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی روشنی میں حافظ ابن قیم کے موقف کی تردید کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن قیم کے موقف کو بیان ضرور کیا ہے۔ تردید صرف اس صورت میں کی ہے اگر حافظ ابن قیم کا دعوی مطلقاً نماز کے بعد دعا سے انکار کا ہو چنانچہ ان کے الفاظ ہیں۔

واما ادعاء من النفی مطلقا مردود (ص ۱۳۳) — نماز کے بعد مطلقاً دعا کی نفی کا دعوی مردود ہے۔

حالانکہ ان کا ایسا کوئی دعوی ہی نہیں ہے۔ آگے چل کر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وضاحت کرتے ہیں کئی حنابلہ سے میری ملاقات ہوئی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد نماز کے بعد مطلقاً دعا کی نفی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے ابن قیم صرف اس صورت میں دعا کی نفی کرتے ہیں جب نمازی فارغ ہونے کے بعد مسلسل قبلہ رو بیٹھا رہے اور سلام کے بعد متصل دعا کرنے لگ جائے ہاں اگر اپنا رخ بدل لے اور پہلے اذکار مسنونہ پڑھے اس کے بعد دعا کرے یہ ان کے نزدیک منع نہیں ہے (ص ۱۳۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تردید کے ضمن میں بھی کوئی ایسی حدیث بیان نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو کہ نماز اور دعا کے درمیان ذکر حائل نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

وھذا اللائق بحال المصلی فانه مقبل علی ربه يناجيه فاذا سلم منها انقطعت تلك المناجاة وانتهى موقفه وقربه فكيف يترك سواله فی حال مناجاته والقرب منه والاقبال عليه

نمازی کی شان کے لائق تو یہی ہے کہ وہ نماز کے بیچ میں دعا کرے جبکہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد یہ مناجات یہ مقام اور

ثم یسال إذا انصرف عنه؟ (زاد المعاد ج۱ ص ٦٦ بحوالہ فتح الباری ج۱۱ ص ۱۳۳)

یہ قرب ختم ہو جاتا ہے جب یہ مناجات یہ قرب اور یہ توجہ اسے حاصل ہو اس وقت دعا نہ کرنا اور جب یہ سلسلہ ختم ہو جائے اس وقت دعا کرنا کتنی عجیب بات ہے

لہٰذا جیسا کہ گزشتہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد اولا اذکا مسنونہ پڑھنے چاہئیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الدعاء بعد الصلوۃ کا جو باب باندھا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔ جس طرح ایک ذکر کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ذکر نماز کے بعد ذکر ہی کہلاتا ہے اسی طرح ذکر کے بعد دعا بھی نماز کے بعد دعا ہی کہلائے گی۔ ذکر کے بعد دعا تو کجا میں تو سمجھتا ہوں فرض نماز کے بعد نوافل پڑھ کر بھی دعا مانگ لی جائے تو وہ بھی فرض نماز کے بعد ہی دعا کہلائے گی۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد سنتیں پڑھتے تھے (مثلاً بخاری ص ۱۵۷) حالانکہ فرائض اور سنن کے درمیان اذکار بھی ہوتے تھے دعائیں بھی ہوتی تھیں پھر بھی سنتوں کو فرض کے بعد ہی کہا گیا ہے۔ تو جب ذکر اور دعا کے بعد پڑھی گئی سنتیں فرض کے بعد کہلا سکتی ہیں تو سنتوں کے بعد دعاء فرضوں کے بعد کے حکم میں کیوں نہیں ہو سکتی۔ یہ ذکر یہ سنتیں اور یہ دعا سب پہلے پڑھی گئی فرض نماز ہی سے تو متعلق ہیں حنفیہ کا مسلک جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے نماز کے بعد متصل دعا کا ہے لیکن یہ نماز کے بعد پہلے اللہ اکبر اور پھر اللھم انت السلام پڑھتے ہیں تو یہ ذکر قبل از دعاء ہی تو ہے پھر جھگڑا کیسا۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے یہ نماز کے فورا بعد یوں ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسے دعا مانگنے لگے ہوں لیکن ہوتا یہ ہے کہ جلدی جلدی چند اذکار پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں کیا یہی دعا کا طریقہ ہے؟ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح دعاء مسنون فرمائی ہے۔

❋❋❋

سلام کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا

سلام کے چند سیکنڈ بعد ہی امام کو اپنی نشست بدل لینی چاہیے۔

کان رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لم يقعد الا مقدارما يقول اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والإكرام (عن عائشة مسلم ۲۱۸، ترمذی ص ۲٤٤)

نبی ﷺ نماز کے بعد اتنی دیر ہی بیٹھتے تھے جتنی دیر میں آپ ﷺ یہ پڑھتے۔ اللھم انت السلام الحديث ....

كان النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا صلى صلوة أقبل علينا بوجهه (عن سمرة بن جندب بخاری ص ۱۱۷)

نماز کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہو جاتے

حنفیہ کے نزدیک دائیں یا بائیں طرف مڑنا یا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا انہی فرائض کے بعد مامور ہے جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں یعنی صبح اور عصر کے بعد (عماد الدین ص ۳۶۸) یہ تخصیص خود ساختہ ہے۔

أكثر ما رأيت رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ينصرف عن يمينه (عن انس مسلم ص ۲٤۷)

آپ ﷺ عموماً دائیں طرف سے مڑتے تھے۔

كنا إذا صلينا خلف رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه (عن براء بن عازب مسلم ص۲٤۷)

ہماری خواہش ہوتی کہ آپ ﷺ کی دائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تا کہ آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوں

معلوم ہوا آنحضرت ﷺ دائیں طرف سے پھرتے تھے مگر یہ التزام ضروری نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی کو نہیں چاہیے کہ اپنی نماز میں شیطان کا حصہ رکھے اس طرح پر کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف دائیں طرف سے ہی پھرنا چاہیے

میں نے بہت دفعہ نبی کریم ﷺ کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے (بخاری ص ۱۱۸، مسلم ص ۲۴۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ دائیں بائیں دونوں طرف سے پھرتے تھے۔ قصداً دائیں طرف اختیار کرنے کو مکروہ جانتے تھے (بخاری ص ۱۱۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بشرطیکہ انسان دائیں طرف سے پھرنے کو لازمی خیال نہ کرے تو دائیں طرف سے پھرنا بہتر ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۳۳۸) اس خیال کا اظہار علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ بخاری ص ۱۱۸) اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم (ص ۲۴۷) میں بھی کیا ہے۔

بعض امام صاحبان نماز کے بعد دائیں یا بائیں جانب رخ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ احادیث سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دائیں یا بائیں طرف سے پھر کر رخ سیدھا مقتدیوں کی طرف ہونا چاہئے۔

نماز کے بعد اٹھ کر چلے جانا

نماز کے بعد انسان فارغ ہو جاتا ہے۔ وہ اگر فوراً بھی اٹھ کر جانا چاہئے تو قابل اعتراض نہیں۔ لیکن اس کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے استدلال کرنا کہ نبی ﷺ صرف اتنی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں آپ ﷺ اللھم انت السلام الخ پڑھتے تھے صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کا مطلب اٹھ کر چلے جانا نہیں بلکہ رخ بدل کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے۔

کوئی کام ہو تو جلدی چلے جانے میں بالکل کوئی حرج نہیں عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی آپ سلام پھیر کر فوراً لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے حجرہ مبارک کی طرف چل دیئے۔ پھر واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ لوگوں کو آپ کی سرعت پر تعجب ہوا ہے فرمایا گھر میں زکوٰۃ کے مال سے ایک ڈلی پڑی تھی جو یاد آگئی۔ مجھے اچھا نہ لگا کہ وہ پڑی رہے میں اسے تقسیم کرنے کا حکم دے آیا ہوں (بخاری ص ۱۱۷) جو بھائی نماز کے بعد گھر میں نوافل پڑھنے کی سنت پر عمل کرتے

ہیں ظاہر ہے کہ وہ بھی زیادہ دیر تک مسجد میں نہیں بیٹھیں گے۔ معاف رکھنا آج کل ہمیں تو ٹی وی کے کسی پروگرام کی کشش گھر کی طرف جلدی کھینچ رہی ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کا عام معمول زیادہ دیر تک بیٹھنے کا نہیں تھا۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا سلم قام النساء حين يقضي تسليمه ويمكث هو في مقامه يسيرا قبل أن يقوم قال (الزهري) نرى والله أعلم أن ذلك كان لكي تنصرف النساء قبل أن يدركهن من الرجال (عن ام سلمه بخاري ص ١١٧، ١٢٠)

آپ ﷺ کے سلام پھیرتے ہی عورتیں اٹھ کر چلی جاتیں۔ آپ تھوڑی دیر اپنی جگہ تشریف رکھتے۔ زہری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں چلی جائیں اور وہ مردوں کی بھیڑ سے محفوظ رہیں۔

یعنی نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا تھوڑی دیر بیٹھنا بھی اس لئے تھا کہ مرد اور عورتیں راستے میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

یاد رہے کہ اذکار و وظائف کیلئے ایک جگہ بیٹھنا یا دعاء کیلئے ہاتھ اٹھانا یا اجتماعی صورت میں دعا مانگنا ان میں سے کوئی بات بھی ضروری نہیں ہے۔ یہ کام فردا فردا اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے بھی ہو سکتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: ١٩١)

وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور کروٹ کے بل لیٹے بھی

نمازی چاہے امام ہو یا مقتدی نماز کے بعد بیٹھنے کا مسئلہ سب کیلئے یکساں ہے۔ بعض دوستوں کو دیکھا ہے بحیثیت مقتدی نماز کے بعد وہ جلدی ادھر ادھر ہو جاتے ہیں لیکن بحیثیت امام کے ہر نماز کے بعد وہ مہاتما بدھ کی طرح یوں جم کر بیٹھتے ہیں جیسے نیچے سریش لگی ہوئی ہو۔ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے ان سے سلامیں وصول کر رہے ہوتے ہیں کبھی ہنس رہے ہیں، کبھی مسکرا رہے ہیں اور بار بار اپنے موتیوں جیسے دانتوں کی نمائش فرما رہے ہیں۔ بالکل ایسے لگتا ہے جیسے نماز

کے بعد وہ مقتدیوں کو اپنے چہرہ شریف کی زیارت سے مشرف فرما رہے ہوں۔ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ان حضرتوں نے اپنا کھیل شروع کر رکھا ہوتا ہے اور یہ مشغلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ آخری مقتدی بھی روانہ نہیں ہو جاتا۔

بخاری شریف میں ہے۔

كره عثمان أن يستقبل الرجل وهو يصلي وهذا اذا اشتغل به (ص ۷۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو ناپسند فرمایا کہ آدمی ایسے شخص کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے جس سے وہ مشغول ہو جائے۔

البتہ صبح کی نماز کے بارے میں حدیث آتی ہے۔

كان لا يقوم من مصلاه الذى يصلى فيه الصبح حتى تطلع الشمس فإذا طلعت الشمس قام وكانوا يتحدثون فيأخذون فى أمر الجاهلية فيضحكون ويتبسم (عن باب فضل الجلوس فى مصلاه بعد جابر بن سمره مسلم ص ۲۳۵، الصبح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب تک اپنے مصلی پر تشریف رکھتے اسی دوران میں صحابہ کرام گفتگو کرتے۔ زمانہ جاہلیت کی باتوں پر ہنستے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے۔

نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الملائكة تصلى على أحدكم مادام فى مصلاه مالم يحدث اللهم اغفرله اللهم ارحمه لا يزال أحدكم فى صلوة ما كانت الصلوة تحبسه لا يمنعه أن ينقلب الى أهله الا الصلوة (عن ابى هريرة بخارى ص ۹۰، مسلم ص ۲۳۴، ابوداود ص ۱۷۶)

جب تک نمازی اپنے مصلی پر باوضو بیٹھا رہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں یا اللہ اسے بخش دے یا اس پر رحم فرما۔ اگر صرف نماز کی خاطر انسان رکا ہوا ہو تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے جس میں مصلی کی بجائے مسجد کا لفظ ہے (ص ۲۷) اس حدیث کی رو سے نماز کے بعد یا نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا یقیناً بڑی فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ مسئلہ صرف بحیثیت امام کے نہیں بحیثیت مقتدی اور منفرد کے بھی ہے اور یہ بیٹھنا خالص لوجہ اللہ ہونا چاہئے۔ عبادت کیلئے ہونا چاہئے۔ ذکر اللہ کیلئے ہونا چاہئے اور نماز کے انتظار کے لئے ہونا چاہئے خراج عقیدت وصول کرنے اور پیری مریدی جگانے کے لئے نہیں ہونا چاہئے۔

❋❋❋

مرد اور عورت کی نماز میں فرق؟

اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ہرگز کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ حنفیہ ایک آدھ ضعیف روایت اور بعض اقوال کی بنا پر فرق کرتے ہیں مثلاً یہ کہ عورت تکبیر تحریمہ کے وقت صرف شانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ ہاتھ سینہ پر باندھے۔ رکوع میں کم جھکے۔ گھٹنوں کو جھکا لے سمٹی رہے سجدہ میں دونوں ہاتھ کہنیوں تک زمین پر بچھا دے قعدہ میں دونوں پاؤں کو باہر نکال کر سرین پر بیٹھے۔ فجر کی نماز اندھیرے میں مستحب ہے۔ (نماز کی سب سے بڑی کتاب ص ۲۵۳ از مولوی سید نذیر الحق صاحب) کتب احناف میں ان میں سے بعض باتوں کی تائید کیلئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۹ سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲ اور کنز العمال ج ۷ ص ۳۰۷ وغیرہ سے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ میں حیران ہوں نماز کی سب سے بڑی کتاب میں مصنف نے عورتوں کو سجدہ میں کہنیاں زمین پر بچھانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے اس ہیئت کو کتے کی ہیئت سے تشبیہ دی ہے۔ (عن انس بخاری ص ۱۱۳، مسلم ص ۱۹۳)

اس کے برعکس ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

تقعد المرأة فی الصلوة کما یقعد الرجل (مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص ۲۷۰) عورت نماز میں اسی طرح بیٹھے جس طرح مرد بیٹھتا ہے۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کے متعلق آتا ہے۔

کانت تجلس فی الصلوة کجلسة الرجل (بخاری ص ۱۱٤، التاریخ الصغیر ص ۹۵ مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص ۲۷۰) وہ نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں۔

حنفیہ نے یہ فرق دراصل عورت کی پردہ پوشی کے پیش نظر ملحوظ رکھا ہے مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عورت کی نماز بھی پردہ میں ہوتی ہے اور اس کا لباس بھی باپردہ ہوتا ہے پھر خلاف سنت یہ سکڑنا سمٹنا کیا معنی رکھتا

ہے۔ اسے وہم کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر اسے صحیح طریقہ سے رکوع و سجود اور بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں تو پھر اسے کھڑا ہونے کی اجازت بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یعنی جب وہ سیدھے کھڑی ہو سکتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ وہ رکوع یوں کرے سجدہ یوں کرے وغیرہ بیکار بحث ہے اور ایسا کرنا خود احناف کے نزدیک بھی ضروری نہیں صرف مستحب ہے۔ مصنف نماز مسنون حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

إن للمرأة هيئة ليست للرجل وإن تركت ذلك فلا حرج (ص ٣١٧، بحواله مصنف ابن ابی شیبه ج١ ص ٢٣٩)

عورت کے لئے نماز میں ایسی ہیئت ہے جو مرد کے لئے نہیں ہے اور اگر وہ اس کی پابندی نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

رفع یدین کے متعلق لکھتے ہیں اگرچہ کان تک بھی عورت کا ہاتھ اٹھانا جائز ہے (نماز مسنون ص ۳۱۶)

کتاب السعایہ ج ۲ ص ۱۵۶ سے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

واما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنة لهن وضع اليدين على الصدر

بہرحال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینے پر رکھیں (ص ۳۲۰)

ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ ہمارا تو مرد عورت کے بارے میں بلا امتیاز مسلک ہی یہی ہے لیکن کیا کسی حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو زیر ناف اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا چاہئیں۔ فرماتے ہیں عورتوں کیلئے تورک افضل ہے لیکن اگر عورتیں مردوں کی طرح بھی بیٹھیں تو جائز ہے (نماز مسنون ص ۳۷۱) اس عبارت میں طنز پوشیدہ ہے حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ

آخری قعدہ میں نبی ﷺ تورک فرماتے تھے تو کیا یہ نشست عورتوں سے مخصوص ہے؟ یعنی کیا آپ ﷺ عورتوں کی طرح بیٹھتے تھے۔

تورک اور سمٹ کر سجدہ کرنے کے بارے میں بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے (نماز مسنون ص ۳۲۰) اپنے خیال کے مطابق انہوں نے اس مسئلہ کو بہت پختہ کر دیا ہے حالانکہ یہ روایت بیان کرنے سے پہلے امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قد روی فیہ حدیثان ضعیفان لا یحتج بامثالھما

اس موضوع پر دو ضعیف حدیثیں مروی ہیں ایسی حدیثیں استدلال کے قابل نہیں ہوتیں۔

اور یہ حدیث ان دو میں سے ایک ہے اندازہ فرمائیے اپنے مسلک کی حمایت کیلئے یہ لوگ شرعی مسائل میں کس قدر پردہ پوشی کر جاتے ہیں۔

نماز اور نگاہ

نماز میں دائیں بائیں نہیں جھانکنا چاہیے۔ التفات کے بارے میں آپ ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تو فرمایا۔

ھو اختلاس یختلسہ الشیطان

یہ شیطان کا اچکنا ہے۔

(بخاری ص ۱۰٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے فرمایا۔

یا بنی ایاك والالتفات فی الصلوۃ فان الالتفات فی الصلوۃ ھلکۃ فان کان لابد ففی التطوع لا فی الفریضۃ (ترمذی ص ٤٠٦)

برخوردار نماز میں ادھر ادھر نہیں جھانکو۔ اس سے نماز ضائع ہو جاتی ہے۔ ضروری ہو تو نفلی میں۔ فرضی میں نہیں

اس سے معلوم ہوا نفلی نماز کی نسبت فرضی نماز میں احتیاط کی زیادہ

ضرورت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

إن رَسُوْلَ اللهِ صَلّٰی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّم كان يلحظ فی الصلوة يمينا وشمالا ولا يلوی عنقه خلف ظهره

نبی ﷺ نماز میں دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے مگر پیچھے کی جانب گردن نہیں گھماتے تھے۔

(ترمذی ص ٤٠٦)

یہ حدیث نسائی ص ۱۴۱ میں بھی ہے جس میں یلحظ کی بجائے یلتفت کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے معمولی دائیں بائیں دیکھ لینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر پیچھے مڑ کر اس طرح دیکھے کہ سینہ قبلہ رو نہ رہے تو نماز باطل ہو جائے گی (مرقات بحوالہ تحفہ ص ۴۰۶) نماز مسنون ص ۴۸۵ میں لکھا ہے نماز میں اگر نمازی کا سینہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی (در مختار ج ۱ ص ۹۰)

ایک روز نبی ﷺ صبح کی نماز میں ایک پہاڑی درے کو دیکھتے رہے کیونکہ ادھر آپ ﷺ نے ایک سوار کو رات پہرہ دینے کے لئے روانہ فرما رکھا تھا (عن سهل بن حنظلیه' ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۴)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانا اور پھر ان کا پچاس روزہ بائیکاٹ مشہور واقعہ ہے۔ اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں۔

ثم اصلی قریبا منه فاسارقه النظر فإذا اقبلت علی صلوتی اقبل الی وإذا التفت نحوه اعرض عنی

میں نبی ﷺ کے قریب کھڑا ہو کر نماز پڑھتا اور آپ کو چوری چوری دیکھتا۔ جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا آپ مجھے دیکھنے لگتے اور جب میں آپ کی طرف جھانکتا آپ ﷺ اپنا رخ انور مجھ سے موڑ لیتے۔

(بخاری ص ٦٣٥)

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کو استاذ محترم حضرت بھوجیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے

نفلی نماز پر محمول فرمایا ہے (تعلیقات سلفیہ ص ۱۴۱) لیکن ذیل کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے اگر کسی خاص ضرورت کے تحت فرض نمازوں میں بھی ادھر ادھر دیکھنا پڑ جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

آنحضرت ﷺ بنی عمرو بن عوف کی صلح کرانے تشریف لے گئے۔ آپ کی غیر حاضری میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کہنے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جماعت شروع کرا دی اتنے میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں آن کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے تالیاں بجا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متوجہ کیا آپ رضی اللہ عنہ بڑی مشکل سے متوجہ ہوئے اور اپنے پیچھے نبی ﷺ کو دیکھا۔ نبی ﷺ نے انہیں اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اعزاز پر ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور پیچھے ہٹ آئے تب نبی ﷺ نے آگے بڑھ کر جماعت کرائی۔ فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر پیچھے کیوں آگئے؟ عرض کیا ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ رسول خدا ﷺ کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا نماز میں امام کو متوجہ کرنا ہو تو تالیاں نہیں بجایا کرتے سبحان اللہ کہنا چاہئے تسبیح سن کر امام کو متوجہ ہونا چاہئے۔ تالیوں کا مسئلہ عورتوں کیلئے ہے۔ (عن سہل بن سعد انصاری بخاری ص ۹۴، ۱۶۱، مسلم ۱۷۹)

اسی طرح جب نبی ﷺ کی زندگی کا آخری روز تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک سے پردہ ہٹایا اور مسلمانوں کی نماز باجماعت کی صفوں کا منظر دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ حضور ﷺ تشریف لانے لگے ہیں پیچھے ہٹنا چاہا۔ نبی ﷺ کو بظاہر صحت مند دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ قریب تھا کہ اس خوشی میں ان کی نمازیں ٹوٹ جاتیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نماز مکمل کرو اور پردہ لٹکا دیا اسی روز آپ ﷺ وفات پا گئے (عن انس بخاری ص ۱۰۴) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پہلے واقعہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے دیکھا اور دوسرے واقعہ میں پوری

جماعت نے بائیں طرف دیکھا کیونکہ حجرہ عائشہ جو بعد میں روضہ مبارک میں تبدیل ہو گیا مسجد نبوی ﷺ کے بائیں ہاتھ تھا۔ مگر کسی کی نماز فاسد نہ ہوئی۔

آسمان کی طرف دیکھنے سے نبی ﷺ نے سخت منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ یہ باز آجائیں ورنہ ایسا نہ ہو ان کی آنکھیں اچک لی جائیں (عن انس بن مالک بخاری ص ۱۰۳)

قرآن پاک میں ہے۔

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المؤمنون) — جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ اولا لوگ نماز میں ادھر ادھر جھانک لیتے تھے اس آیت کے اترنے کے بعد نمازی اپنے آگے دیکھنے لگے وہ اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ ان کی نظر سجدہ والی جگہ سے ہٹنے نہ پائے (مصنف ابن ابی شیبہ' مستدرک حاکم بحوالہ عون المعبود ص ۳۴۳' سعید بن منصور بحوالہ فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے فرمایا۔

يا أنس اجعل بصرك حيث تسجد (بيهقى ج٢ ص ٢٨٤) — اے انس اپنی نگاہ سجدہ والی جگہ پر رکھو۔

سلیمان بن داؤد خولانی سے روایت ہے۔

رمقت عمر فی صلوته فکان بصره إلى موضع سجوده (بيهقى ج٢ ص ٢٨٣) — میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا نماز میں ان کی نگاہ سجدہ والی جگہ پر ہوتی

احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک سامنے قبلہ کی طرف دیکھنے

کے قائل ہیں (فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۲) مذکورہ بالا روایات کے پیش نظر احناف اور شوافع کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ضرورت کے پیش نظر سامنے یا امام کی طرف دیکھ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

صلوا کما رأیتمونی أصلی (بخاری ص ۸۸) نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں نبی ﷺ کی ریش مبارک کے ہلنے سے ہم معلوم کر لیتے تھے کہ آپ ﷺ قراءت فرما رہے ہیں (بخاری ص ۱۰۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رکوع سے اٹھ کر صحابہ کرام جب تک نبی ﷺ کو سجدہ میں جاتے ہوئے دیکھ نہیں لیتے تھے اس وقت تک کھڑے رہتے تھے (ایضا)

نماز خسوف میں نبی ﷺ نے جنت و جہنم ملاحظہ کی اور صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو آگے پیچھے ہوتے دیکھا (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۳، مسلم ص ۲۹۶)

نبی ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے قبلہ کی جانب تھوک پڑی دیکھی آپ ﷺ نے اسے کھرچ ڈالا اور سلام کے بعد فرمایا نمازی کے سامنے اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس لئے نماز کے دوران میں سامنے نہیں تھوکنا چاہئے (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۴) اور تعدہ کے باب میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ تشہد میں اشارہ کے وقت نظر اشارہ کی طرف ہونی چاہئے (ابوداؤد ص ۳۷۶) نیز ائمہ کرام جانتے ہیں کہ جب امام بالجہر قراءت کر رہا ہو تو اس وقت بھی گردن نیچی کر کے سجدہ والی جگہ پر نگاہ رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

نماز میں آنکھیں کھلی رکھنا مذکورہ بالا احادیث سے ضمنا یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں صحابہ کرام کا اسی پر عمل تھا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں مجاہد اور قتادہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ نماز میں آنکھیں بند رکھنے کو مکروہ جانتے

تھے اس سلسلے میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے جو بالکل صحیح نہیں ہے (ج ۲ ص ۲۸۴) غالباً اس سے مراد یہ حدیث ہے۔

إذا قام أحدكم في الصلوة فلا يغمض عينيه (عن ابن عباس مجمع الزوائد ج۲ ص ۸۲، طبرانی بحواله نماز مسنون ص ٤٩٦)

نماز میں آنکھیں بند نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک کمبل میں نماز پڑھی اس میں کچھ ڈیزائن تھے فرمایا ابو جہم سے تبدیل کروا کر سادہ کمبل لے آؤ۔

فانها الهتني عن صلوتي (عن عائشة بخاري ص ٥٤، مسلم ص ٢١٨، أبوداود ص ٣٤٣)

اس نے مجھے نماز سے مشغول کر دیا۔

حضرت عائشہ نے گھر کی ایک جانب پردہ لٹکایا تو فرمایا۔

اميطي عنا قرامك هذا فإنه لا تزال تصاويره تعرض في صلوتي (عن أنس بخاري ص ٥٤)

یہ پردہ ہم سے ہٹا دو اس کے نقش و نگار نماز میں میرے سامنے آتے رہے۔

ان سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ نماز میں آنکھیں کھلی رکھتے تھے دوسری یہ کہ آپ ﷺ موضع سجود سے ہٹ کر بھی دیکھ لیتے تھے۔ تیسری یہ کہ نمازی کو نہ تو کوئی ایسا لباس پہننا چاہیئے اور نہ کوئی ایسا مصنوعی منظر ہی آنکھوں کے سامنے ہونا چاہیئے جس سے نمازی کی توجہ ادھر مبذول ہو جائے۔ بعض مساجد میں قبلہ کی دیواریں بڑی مزین منقش اور فن کارگیری کا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہی ہوتی ہیں۔ عموماً قبلہ کی جانب نمازوں کے اوقات' کیلنڈر' تبلیغی اشتہارات مختلف مسائل اور اذکار آویزاں ہوتے ہیں۔ عاشقوں کی مساجد میں خانہ کعبہ اور روضہ مبارک کی شبیہیں بھی سجی ہوتی ہیں۔ محراب کو رنگ برنگے اور چمکیلے کاغذوں سے سجایا گیا ہوتا ہے اور اب کچھ دیر سے میں جلنے بجھنے والے بلب بھی لٹکے دیکھ رہا ہوں۔ ابھی پتہ نہیں کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔ نماز مسنون ص ۲۲۹ میں بحر الرائق ج ۲ ص ۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے مسجد میں قبلہ والی دیوار

پر نقش و نگار کسی بھی مال سے مکروہ ہے۔ خواہ چندہ کا مال ہو یا ذاتی۔ اسی طرح قبلہ کی دیوار پر کتبہ لگانا یا کوئی تحریر لکھنی بھی مکروہ ہے۔" اب ہم دیکھتے ہیں قبلہ کی دیوار بلکہ محراب ہی نقش و نگار اور مختلف تحریروں کا مرکز ہوتا ہے۔ عماد الدین میں یہ سوال جواب ملاحظہ فرمائیے۔

سوال = پتھر اور دیواروں پر قرآن پاک کا لکھنا کیسا ہے۔

جواب = کاغذ وغیرہ کے سوا کسی اور چیز مثل پتھر وغیرہ کے قرآن مجید کا لکھنا مکروہ ہے (ص ۷۷)

***

نماز میں کیا کچھ جائز ہے

جھاڑنا اگر سجدہ والی جگہ صاف نہ ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا۔

إن كنت فاعلا فواحدة (عن معيقيب بخاری ص ١٦١، مسلم ص ٢٠٦) اگر تم نے ضرور ہی اسے صاف کرنا ہے تو بس ایک دفعہ

یعنی نمازی بار بار اس دھیان میں نہ لگا رہے۔ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ایک رات بارش ہوگئی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فبصرت عيناى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وعلى جبهته أثر الماء والطين من صبح أحدى وعشرين (بخاری ص ٢٧١)

میری آنکھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا اس حالت میں کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی کا اثر تھا۔ اور یہ اکیسویں رات کی صبح تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے نہ تو جگہ کو صاف کیا اور نہ ہی نماز کے دوران میں پیشانی کو پونچھا۔

صف کی درستی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نبی ﷺ کے ساتھ تہجد میں شامل ہونے کے لئے آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے آپ ﷺ نے انہیں کان سے کھینچ کر اپنے دائیں طرف کر لیا (بخاری ص ۲۵، ۱۶۰)

آداب صف بندی میں آپ پڑھ آئے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا صف ملانے کے لئے قدم اٹھانا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے (عن براء بن عازب ابوداؤد

بچھانا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے شدید گرمی میں ہم لوگ بوقت سجدہ اپنا کپڑا نیچے بچھا لیتے تھے (بخاری ص ۱۶۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا میں کنکریوں کی مٹھی پکڑتا تھا تاکہ میری ہتھیلی میں ٹھنڈی ہو جائیں پھر میں انہیں اپنی پیشانی کے نیچے رکھ کر سجدہ کرتا کیونکہ گرمی بہت شدت کی تھی (ابوداؤد ص ۱۸۴)

ہٹانا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں (کچھ جگہ کی تنگی اور کچھ اندھیرے کے باعث) نبی ﷺ کے سامنے جنازہ کی طرح پڑی ہوتی جب آپ ﷺ نے سجدہ کرنا ہوتا مجھے دباتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی بعد میں پھر پاؤں پھیلا لیتی (بخاری ۷۳، ۱۶۱)

مگر ہدایہ میں لکھا ہے۔

یکره أن یصلی وبین یدیه نیام (ص ۱۰۸) آگے لوگ سو رہے ہوں تو اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

سترہ کے باب میں آپ پڑھ آئے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے ہٹانا چاہئے (عن ابی سعید خدری بخاری ص ۷۳، مسلم ص ۱۹۶)

شیطان کے خلاف مزاحمت نماز میں نبی ﷺ نے شیطان کو پکڑ کر دبایا (یا دھکا دیا) باندھنے کا ارادہ تھا مگر یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کی لاج رہ جائے۔

رب هب لی ملکا لا ینبغی لأحد من بعدی (ص ۳۵، عن ابی هریرة بخاری ص ۱۶۱) یااللہ مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔

فسمعناه یقول أعوذ بالله منك ثم قال العنك بلعنة الله ثلاثا (عن ابی الدرداء نسائی ص ۱۴۲، مسلم ہم نے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تجھ سے پھر آپ ﷺ نے اس شیطان پر

ص ۲۰۵) تین بار لعنت بھیجی۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ شیطان میرے اور میری نماز اور قراءت کے درمیان حائل ہو کر گڑ بڑ کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس شیطان کو خنزب کہتے ہیں جب تم اسے محسوس کرو تو تعوذ پڑھ کر تین بار بائیں طرف تھوتھو (تفل) کر دیا کرو۔ عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ شکایت رفع فرما دی (مسلم ج ۲ ص ۲۴۴)

بچے کو اٹھانا نبی ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کو کندھے پر بٹھا کر امامت کرائی۔ رکوع کے وقت انہیں زمین پر رکھ دیتے اور قیام کے وقت انہیں پھر اٹھا لیتے (عن ابی قتادہ بخاری ص ۸۸۷، مسلم ص ۲۰۵، ابوداؤد ص ۳۴۵)

اشارہ کرنا نماز اور نگاہ کے باب میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بنی عمرو بن عوف کی صلح کے وقت نبی ﷺ نے بحالت نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مصلی امامت پر کھڑا رہنے کا اشارہ فرمایا۔ اس حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد سبحان اللہ کہا کریں اور عورتیں ہاتھ بجا کر امام کو غلطی پر متنبہ کر سکتی ہیں (بخاری ص ۹۴، ۱۶۰)

آپ ﷺ بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے مقتدی کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے اشارہ سے حکم دیا کہ تم بھی بیٹھ جاؤ (عن عائشہ بخاری ص ۹۵، ۱۶۵) یاد رہے کہ مرض وفات میں نبی ﷺ نے جو بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی اس میں آپ ﷺ نے مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا تھا (عن عائشہ بخاری ص ۹۵) لہٰذا وہ پہلا حکم منسوخ ہے۔

نبی ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرما رکھا تھا مگر آپ ﷺ کو پڑھتے دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دوران نماز ہی میں خادمہ کے ذریعہ

پچھوا بھیجا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور سلام پھیر کر فرمایا وفد عبدالقیس کے آجانے کی وجہ سے ظہر کے بعد والی میری دو رکعتیں رہ گئی تھیں۔ یہ وہ ہیں (بخاری ص ۱۶۵)

نبی ﷺ ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب بھی دے لیا کرتے تھے (عن صہیب و بلال ترمذی ص ۲۹۱، ۲۹۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نمازی کو سلام کہا اس نے جواب دیا آپ رضی اللہ عنہ پلٹ کر اس کے پاس آئے اور فرمایا بحالت نماز تمہیں کوئی سلام کہے تو کلام نہیں کرنا چاہئے صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا چاہئے (موطا امام مالک ص ۵۹) اور ہدایہ میں لکھا ہے۔

ویکره رد السلام بیده (ص ۱۰۰، ۱۰۶) اپنے ہاتھ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی ﷺ لوگوں کو نماز کسوف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا آج لوگوں کو کیا ہے تو انہوں نے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا میں نے کہا سبحان اللہ کوئی نشانی ہے؟ تو انہوں نے اپنے سر کی جنبش سے ہاں کا اشارہ کیا میں بھی کھڑی ہوگئی۔ یہاں تک کہ (طول قیام اور گرمی کی وجہ سے) مجھ پر نیم بیہوشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی (بخاری ص ۳۰، ۱۴۴، ۱۶۵)

موذی کو مارنا

أمر رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بقتل الا سودين فى الصلوة الحية والعقرب (عن ابى هريرة ترمذى ص ۳۰۱، ابوداود ص ۲٦٤، نسائى ص ۱٤۱)

نبی ﷺ نے نماز میں سانپ اور بچھو کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

ضرورت کیلئے ہاتھ ہلانا

بخاری شریف میں ہے

قال ابن عباس يستعين الرجل فى

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا انسان نماز میں

صلاته من جسده بما شاء وضع ابو اسحاق قلنسوته فی الصلوة وضع علی كفه علی رسغه إلا يسر إلا أن يحك جلدا أو يصلح ثوبا (بخاری ص ١٥٩)

اپنے جسم سے جو چاہے مدد لے سکتا ہے۔ ابواسحاق نے نماز میں اپنی ٹوپی رکھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اپنے بائیں پہنچے پر رکھتے الا یہ کہ جلد کو خارش کرنا ہوتی یا کپڑا صحیح کرنا ہوتا۔

نظر بد دور بعض علماء کرام کی عادت ہوتی ہے بلا ضرورت بار بار خارش کرتے ہیں اکثر ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہیں جیسے وہ اس بات کی تصدیق کر رہے ہوں کہ کہیں وہ غائب تو نہیں ہوگئی۔ کبھی ناک میں انگلیاں ڈالتے ہیں اور پھر غور سے دیکھتے ہیں کہ اس میں سے کیا نکلا ہے اور پھر وہی ہاتھ چہرے پر ملنا شروع کر دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات منہ میں ڈال کر دانتوں سے ناخن کترنا شروع کر دیتے ہیں۔ پوری نماز اسی پروگرام میں گزار دیتے ہیں۔ یہ حرکات شنیعہ نامناسب ہیں۔ اس سے نمازیوں کو گھن آتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا امام کی نماز مثالی ہونی چاہیے۔

عن عطاء أنه كان يكره كل شيئ من العبث فی الصلوة قال الثوری جاءت الأحاديث إنه كان يكره العبث فی الصلوة (مصنف عبد الرزاق ج٢ ص ٢٦٧)

عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں نماز میں ہر قسم کا عبث کام مکروہ ہے ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں احادیث آئی ہیں کہ نماز میں عبث کام مکروہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

إذا حك ثلاثا فی ركن واحد تفسد صلاته (ج١ ص ١٠٤)

ایک رکن میں تین بار خارش کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

مولنا رشید احمد گنگوہی حنفی رقم طراز ہیں۔

واما ما اشتھر بینھم من کون الحرکات الثلاث أو الفعل بکلتا یدیہ مفسد الصلوۃ فلیس بشیئ (الکوکب الدری علی جامع الترمذی)

یہ جو مشہور ہے کہ تین بار حرکت کرنا یا ایک کام دونوں ہاتھوں سے کرنا مفسد نماز ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

مطلب یہ ہے فتاوٰی عالمگیری کی وہ بات بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالکل غلط ہے۔

لباس درست کرنا بعض لوگ سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو پیچھے سے ان کا لباس اندر کو دھنسا ہوتا ہے جو نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات زینت کے بھی خلاف ہے۔ پچھلی صف والوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے جس سے ان کا خشوع متاثر ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس کو صحیح کر لینا چاہئے۔ بلکہ اسی طرح جب نمازی بیٹھے تو اس وقت بھی اس کا اپنی رانوں کو قمیض کے دامن سے ڈھک لینا مناسب اور استر معلوم ہوتا ہے۔

با مقصد کھنکھارنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھنکھار کر اپنی نماز میں مصروفیت سے آگاہ فرماتے (نسائی ص ۱۴۲)

چلنا حضرت عائشہؓ سے روایت ہے میں گھر پہنچی تو دروازہ بند تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ آپ چل کر آئے دروازہ کھولا اور واپس اپنی جگہ چلے گئے دروازہ قبلہ کی جانب تھا (ترمذی باب مایجوز من المشی والعمل فی صلوۃ التطوع ص ۱۱ا) جیسا کہ باب سے ظاہر ہے اہل علم نے اسے نفلی نماز پر محمول کیا ہے۔ یہ روایت ابو داؤد میں بھی ہے (ص ۳۴۶) نسائی میں ہے۔

والباب علی القبلۃ فمشی عن یمینہ اویسارہ (ص ۱۴۱)

دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں یا بائیں جانب سے چل کر آئے۔

اس سے معلوم ہوا دروازہ بالکل سامنے نہیں تھا بلکہ قبلہ کی جانب ذرا دائیں یا بائیں ہٹ کر تھا اور آپ ﷺ نے نماز میں اس طرح کا فاصلہ طے کیا۔

جب نبی ﷺ کا منبر تیار ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ سجدوں کیلئے آپ ﷺ پچھلے پاؤں زمین پر اتر آتے اور پھر اوپر تشریف لے جاتے۔ آخر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تم میری نماز سیکھ سکو (عن سھل بن سعد مسلم ص ۲۰۶) اس سے معلوم ہوا تعلیم کیلئے یہ نقل و حرکت فرضی نماز میں بھی جائز ہے۔

نبی ﷺ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے دو رکعتیں پڑھ چکے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو گیا آپ ﷺ نے نماز ہی میں اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف موڑ لیا (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۰) اسی طرح اہل قبا کو یہ اطلاع صبح کی نماز کے دوران میں پہنچی تو وہ بھی گھوم گئے (بخاری ص ۵۸، مسلم ج ۲ ص ۲۰۰)

معلوم ہوا ہے شدید ضرورت کے تحت نماز میں چلنا مفسد نماز نہیں۔ نبی ﷺ یا صحابہ کرام تحویل قبلہ کے وقت از سرنو بھی نماز شروع فرما سکتے تھے صحن مسجد میں جماعت ہو رہی ہو زور دار بارش آجائے تو میرا خیال ہے اندر منتقل ہونے کی اجازت ہونی چاہیے۔ بہرحال یہ ایک قیاس ہے۔ قارئین کو اس کے رد و قبول کا مکمل اختیار ہے۔ آگے حوالہ آرہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے حنفیہ کے نزدیک بھی نماز میں وقفہ وقفہ سے چلنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۳)

پیچھے نماز اور نگاہ کے باب میں آپ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے امامت کے دوران میں قبلہ کی جانب تھوک پڑھی دیکھی جسے آپ ﷺ نے کھرچ ڈالا۔ (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۴)

رونا عبداللہ بن شخیر نے نبی ﷺ کو نماز میں یوں روتے دیکھا جیسے سینے سے چکی چلنے یا ہنڈیا ابلنے کی آواز آ رہی ہو (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۰، نسائی ص ۱۴۲)

یہ رونا خوف خدا اور خشیت الٰہی کے تحت تھا اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو نصیب فرمائے۔ اس حدیث سے ضمناً معلوم ہوا کہ رونے میں ضبط اور تحمل کے بندھن نہیں ٹوٹنے چاہئیں۔ نیز دنیاوی رنج و غم کی وجہ سے رونے کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جسمانی تکلیف کی وجہ سے اگر مریض بے اختیار کراہتا یا ہائے ہائے کرتا ہے تو سلسل البول کی طرح یہ صورت مستثنیٰ ہوگی بعض لوگ اپنے تقویٰ کی نمائش کیلئے نماز میں رونے کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ یہ منافقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی رونے والے کو مکار اور ریا کار کہہ کر ڈانٹ پلائی تھی (ازالۃ الخفاء ج ۲ از شاہ ولی اللہ بحوالہ نماز مسنون ص ۴۸۴)

لقمہ دینا

إن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صلی صلوۃ فقرا فیھا فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعك (عن ابی عمر أبوداود ص ۳٤۱)

نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشابہ لگ گیا۔ بعد میں حضرت ابی سے فرمایا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا پھر بولے کیوں نہیں۔

اس سے پہلے ایک روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوران نماز میں کچھ قراءت چھوڑ گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی تو فرمایا۔

ھلا اذکر تنیھا — تم نے مجھے یاد کیوں نہ دلایا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

إذاستطعمك الامام فاطعمه (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۷۲ بحوالہ نماز مسنون ص ٤۸٥) — امام تجھ سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو

ھدایہ میں لکھا ہے۔

لو کان الامام انتقل الی ایۃ اخری — اگر امام کوئی آیت چھوڑ دے مقتدی

تفسد صلوة الفاتح وتفسد صلوة الامام لو اخذ لوجود التلقين والتلقن من غير ضرورة . . . وللامام ان لا يلجئهم إليه بل يركع إذا جاء اوانه أو ينتقل إلى اية اخرى (ص ۹۷)

لقمہ دیدے امام قبول کر لے تو دونوں کی نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ انہوں نے بلا ضرورت لقمہ لیا دیا ہے امام کو نہیں چاہئے کہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور کرے بلکہ ایسے وقت میں اسے رکوع چلے جانا چاہئے یا آگے سے شروع کر دینا چاہئے۔

اور اگر مقتدی کے علاوہ کسی نے لقمہ دیدیا اور امام نے لقمہ لے لیا تو امام اور تمام مقتدیوں کی نماز ٹوٹ جائے گی (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۹ شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۶۴' نماز مسنون ص ۴۸۵)

یہ تشدد بلا ثبوت ہے۔ معاف رکھنا یہ قرآن کا لقمہ ہے روٹی کا لقمہ نہیں ہے۔

مصحف سے قراءت کرنا بخاری شریف میں ہے۔

وكانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف (ص ٩٦)

حضرت عائشہ کا غلام ذکوان قرآن مجید دیکھ کر انہیں امامت کراتا تھا۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق یہ رمضان شریف کی بات ہے۔ (بحوالہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۸۵)

ہدایہ میں لکھا ہے۔

وإذا قراء الامام من المصحف فسدت صلاته عند ابى حنيفة ... ولا فرق بين المحمول والموضوع (ص ۹۸)

امام قرآن پاک دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی خواہ قرآن پاک اٹھایا ہوا ہو یا رکھا ہوا ہو۔

وجہ عمل کثیر بیان کی گئی ہے حالانکہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو کندھے پر بٹھا کر جماعت کرائی آپ ﷺ انہیں رکوع و سجود کے وقت زمین پر بٹھا دیتے اور کھڑے ہوتے وقت پھر اٹھا لیتے تھے (بخاری ص ۸۸۷) یہ مصحف کی تلاوت سے بھی زیادہ عمل ہے۔

ہدایہ میں آگے لکھا ہے۔

ولو نظر إلى مكتوب وفهمه فالصحيح إنه لا تفسد صلوته بالاجماع

اگر کسی لکھی ہوئی شے کو دیکھے اور اسے سمجھے تو نماز بالاجماع فاسد نہیں ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری ج ا میں لکھا ہے۔

ولو كتب قدر ثلاث كلمات. في صلوته تفسد صلوته وإن كان أقل لا ..... وإن كتب على الهواء أو على بدنه شيئا لا يستبين لا تفسد وان كثر (ص ۱۰۳)

اگر نماز میں تین الفاظ کے برابر لکھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ تین سے کم لکھے تو فاسد نہیں ہوگی ------ اور اگر ہوا پر یا اپنے بدن پر کچھ لکھے اس طرح کہ تحریر ظاہر نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ زیادہ بھی لکھے۔

نیز لکھا ہے۔

ولو مشى في صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلوته ولو كان مقدار صفين ومشى دفعة واحدة فسدت صلاته وإن مشى إلى صف ووقف ثم إلى صف لم تفسد صلوته

اگر نماز میں ایک صف کی مقدار (یعنی تقریبا چار فٹ) چلے نماز فاسد نہ ہوگی دو صف کی مقدار ایک دفعہ چلے تو فاسد ہو جائے گی اور ایک صف تک چلے پھر وقفہ کے بعد دوسری صف تک چلے

(فتاوی عالمکیری ج۲ ص ۱۰۳)

تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

اگلے صفحہ پر فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

ولو كانت المرأة فى الصلوة فجامعها زوجها بين الفخذين فسدت صلاتها ..... وكذا لو قبلها بشهوة أو بغير شهوة أومسها بشهوة اما لو قبل المرأة المصلى ولم يشتهها لم تفسد صلاته (ص ۱۰٤)

عورت نماز میں تھی اس کے خاوند نے اس کی رانوں کے درمیان جماع کیا یا شہوت یا بغیر شہوت کے اسے بوسہ دیا یا شہوت کے ساتھ اسے ہاتھ لگایا عورت کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر عورت نے نمازی کو بوسہ دیا اور نمازی کو شہوت نہ آئی تو نمازی کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں اگر دوسرے نمازی کا کپڑا بحالت نماز نیچے دب گیا اور اس نمازی کے چھڑانے سے اس نے کپڑا چھوڑ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اپنے ارادہ سے کپڑا چھوڑا تو نماز فاسد نہ ہوگی (ص ۴۹۰)

ذکر کرنا پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز میں ہاتھ اٹھا کر حمد و ثناء بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو دیکھ کر تعوذ پڑھا اور اس پر لعنت کی۔ اس سے معلوم ہوا نماز سے ہٹ کر ذکر الٰہی مفسد نماز نہیں ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک باہر والے کی دعا پر آمین کہنے سے اذان کا جواب دینے سے خوشخبری سن کر الحمد للہ کہنے سے رنج دہ خبر سن کر انا للہ کہنے سے عجیب خبر سن کر سبحان اللہ کہنے سے کسی چیز کے گرنے پر بسم اللہ پڑھنے سے کسی ناگوار بات کے سننے پر لاحول کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (نماز مسنون ص ۴۸۳، بحوالہ کبیری و شرح نقایہ ج ۱ ص ۹۲) حالانکہ مصنف نماز مسنون خود ایک جگہ لکھتے ہیں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ کلام الناس سے ہو یعنی جو لوگ آپس میں اس سے بات چیت کرتے

ہیں از قسم کلام الٰہی اور اذکار نہ ہو (ص ۴۷۸) مصنف عماد الدین بھی لکھتے ہیں
شیطان کا تذکرہ سن کر اس پر لعنت کرنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے (ص ۲۳۸)

❋❋❋

نماز میں کیا کچھ ناجائز یا مکروہ ہے؟

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

گفتگو

إن هذه الصلوة لا يصلح فيها شيئ من كلام الناس إنما هى التسبيح والتكبير وقراءة القران (عن معاوية بن حكم مسلم ص ٢٠٣)

نماز میں کسی قسم کی گفتگو مناسب نہیں۔ اس میں تسبیح، تکبیر اور تلاوت ہونی چاہئے۔

سلام وغیرہ کا جواب ہجرت حبشہ سے واپسی پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو نبی ﷺ نے جب دوران نماز میں سلام کا جواب نہ دیا تو عرض کیا پہلے تو آپ ﷺ ہمیں سلام کا جواب دیدیا کرتے تھے تو ارشاد فرمایا۔

إن فی الصلاة لشغلا (بخاری ص ١٦٢، مسلم ج١ ص ٢٠٤)

نماز کی اپنی مشغولیت ہے

نماز میں چھینک کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے بلکہ کوئی بھی ایسا کلمہ زبان سے نہیں نکالنا چاہئے جس میں کسی انسان سے خطاب ہو جیسے جزاک اللہ وغیرہ۔

کمر پر ہاتھ رکھنا

نهى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عن الخصر فى الصلوة (عن ابى هريرة بخارى ص ١٦٣، مسلم ج١ ص ٢٠٦)

نبی ﷺ نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔

تشبیک

إذا توضأ أحدكم فاحسن وضوءه ثم خرج عامدا إلى المسجد فلا

بہترین وضو کر کے مسجد کیلئے نکلو تو اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں پیوست نہ

یشبکن بین اصابعه فانه فی صلوۃ کرو۔ کیونکہ وہ نماز میں ہے۔
(عن کعب بن عجرۃ ترمذی ص ۳۰۰)

نیز کعب بن عجرہ سے روایت ہے ہمیں نماز میں تشبیک سے منع کیا گیا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ٧٦) کعب ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو نماز میں تشبیک کئے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کی انگلیاں کھول دیں (ابن ماجہ ص ۶۹) نماز کے بیچ میں تشبیک کا منع ہونا تو خیر ایک بدیہی بات ہے اول الذکر روایت سے معلوم ہوتا ہے مسجد میں یا باوضو مسجد جاتے ہوئے بھی اس سے پرہیز کرنا چاہئے مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تشبیک دی۔ (بخاری ص ۶۹ مسلم)
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا
إن المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا وشبك اصابعه (بخاری ص ٦٩ مسلم)
مومن مومن کیلئے عمارت کی طرح ہے کہ بعض اس کا بعض کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک دی۔

نبی ﷺ چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھ کر مسجد میں ایک لکڑی کے سہارے کھڑے ہوگئے اس وقت آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک دے رکھی تھی (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۶۹ مسلم)
بعض علماء نے صحیحین کی ان روایتوں کے مقابلے میں اول الذکر روایت کو ضعیف اور مرجوح قرار دیا ہے۔ بعض کا خیال ہے تشبیک بطور عبث نہیں چاہئے بامقصد ہو تو حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سدل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سدل (یعنی سر یا گردن یا کندھے پر کپڑا رکھ کر بغیر لپیٹے چھوڑ دینے) سے منع فرمایا (ترمذی ص ۲۹۵ ابوداؤد ص ۲۴۵) یہ روایت ضعیف ہے عطاء رحمہ اللہ، مکحول رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ، حسن

بصری رحمۃ اللہ علیہ ' ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں سدل مکروہ نہیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں سدل مکروہ ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کے علاوہ بھی مکروہ ہے (عون المعبود ص ۲۴۵)

منہ ڈھانپنا ابوداؤد کی اسی ضعیف روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں۔

وان یغطی الرجل فاہ	آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی اپنا منہ ڈھانپے

یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے (ص ۶۹) اس کی تائید حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کے اس عمل سے ہوتی ہے کہ جب وہ کسی نمازی کو منہ ڈھانپے ہوئے دیکھتے تو زور سے کپڑا کھینچ کر اس کا منہ ننگا کر دے (موطا امام مالک ص ٦)

جمائی لینا نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

إذا تثاءب أحدكم في الصلوة فليكظم ما استطاع فان الشيطان يدخل (عن ابی سعید خدری مسلم ج۲ ص ٤١٣)	حتی الامکان نماز میں جمائی کو روکنے کی کوشش کیا کرو کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

پھونک مارنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی ﷺ نے ہمارے افلح نامی غلام کو دیکھا۔

إذا سجد نفخ فقال يا أفلح ترب وجهك (ترمذی ص ٢٩٧)	جب سجدہ کرتا تو (زمین پر) پھونک مارتا آپ ﷺ نے فرمایا اے افلح اپنے چہرہ کو خاک آلود ہونے دو

مصنف نماز مسنون نے اذا سجد نفخ کا ترجمہ کیا ہے جب وہ سجدہ کرتا تو پیشانی سے مٹی صاف کرتا تھا (ص ۴۹۴) یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ نماز میں

پھونک مارنے سے کراہت کے بارے میں اور بھی روایات ہیں مگر کوئی بھی صحیح نہیں (تحفہ الاحوذی ص ۲۹۷) سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اہل کوفہ (یعنی حنفیہ) کے نزدیک پھونک مارنا مفسد نماز ہے امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر مفسد نماز نہیں (ترمذی ص ۲۹۷)

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی نماز کسوف کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

ثم نفخ في اخر سجوده فقال اف اف (أبوداود ص٤٦٢)	پھر آخری سجدہ میں آپ ﷺ نے پھونکا اور کہا اف اف

نسائی میں اس طرح ہے۔

وجعل يبكي في سجوده وينفخ (ص ١٧٨)	آپ ﷺ سجدہ میں روتے تھے اور پھونکتے تھے

بخاری میں تعلیقا یوں مروی ہے۔

نفخ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم في سجوده في كسوف (ص ١٦٢)	نماز کسوف کے سجدہ میں آپ ﷺ نے پھونکا

معلوم ہوا نماز میں پھونک نہ مارنا بہتر ہے جیسے نبی ﷺ نے کنکر صاف کرنے کے بارے میں فرمایا تھا۔

أن كنت لابد فاعلا فواحدة (عن معيقيب بخاري ص ١٦١)	ضروری ہو تو صرف ایک بار

اگر کسی وجہ سے پھونک مار بھی لے بشرطیکہ اس سے کلام نہ پیدا ہوتا ہو تو بہرحال مفسد نماز نہیں ہے نبی ﷺ کے پھونک مارنے سے اونچی سانس لینا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

جوڑا کرنا نبی ﷺ نے فرمایا

أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم ولا أكف شعرا ولا ثوبا (عن ابن عباس بخاری ص ۱۱۳، مسلم ۱۹۳)

مجھے حکم ہوا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور بالوں اور کپڑوں کو روک کر نہ رکھوں

یعنی بالوں اور کپڑوں کو بھی سجدہ کرنے دینا چاہیے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیچھے بال باندھ کر نماز پڑھ رہے تھے جو حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے کھول دیئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں گھور کر دیکھا تو ابورافع نے کہا دھیان سے نماز پڑھو اور غصہ نہ کرو میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جوڑا شیطان کے بیٹھک ہے (ابوداؤد ص ۲۴۶' ترمذی ص ۲۹۸)

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز کے دوران میں عبداللہ بن حارث کا جوڑا کھول دیا اور کہا میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔

إنما مثل هذا مثل الذی یصلی وهو مكتوف (أبوداود ص ٢٤٦)

یہ ایسے ہی ہے جیسے نماز کے دوران میں پیچھے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں۔

اہل علم کے نزدیک یہ مسئلہ صرف مردوں کیلئے ہے عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ترمذی' تحفہ الاحوذی ص ۲۹۸ (نماز مسنون ص ۵۰۸) چنانچہ ابن ماجہ میں ابورافع ہی سے مروی حدیث سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے۔

نهى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أن یصلی الرجل وهو عاقص (ص ٧٤)

نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مرد جوڑا کر کے نماز پڑھیں۔

کپڑے سمیٹنا گزشتہ باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کپڑے سمیٹنا بھی منع ہے۔ بالوں کے بارے میں

تو وضاحت آگئی کہ انہیں نماز سے قبل بھی نہیں باندھنا چاہئے لیکن لباس کے بارے میں ایسی کوئی وضاحت نہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بالوں کے بارے میں اسی ایک حدیث کے اوپر یوں باب باندھا ہے۔

لا یکف شعرا (ص ۱۱۳)　بال نہ باندھے

اور لباس کے بارے میں اس طرح باب باندھا ہے

لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ (۱۱۳)　اپنے کپڑے نماز میں اکٹھے نہ کرے

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی صرف حالت نماز میں ہے۔ داؤدی کا میلان اسی طرف ہے۔ امام بخاری کا باب باندھنا بھی اس کا موید ہے لیکن عیاض کہتے ہیں کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نماز سے قبل بھی جائز نہیں (فتح الباری ج ۲ ص ۲۹۶) صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کپڑے نہ تو نماز کے بیچ میں سمیٹنے جائز ہیں اور نہ ہی نماز سے قبل نماز کیلئے۔ ہاں اگر کسی اور ضرورت کے تحت سمیٹ رکھے ہوں تو پھر اس طرح پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

آستینیں　جیسے انسان گرمیوں میں آستینیں چڑھا لیتا ہے یا وضو کیلئے اکٹھی کرتا ہے تو نماز کے لئے یا نماز کے بیچ میں ان کا کھولنا واجب نہیں ہے جیسے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

رأیتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم خرج فی حلة مشمرا فصلی رکعتین إلی العنزة (بخاری ص ۸۱۶)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلہ پہنے تشریف لائے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے سے سمیٹ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ کو سترہ بنا کر دو رکعت نماز پڑھائی۔

پائینچے بعض نمازی ٹخنے ننگے کرنے کیلئے نماز سے قبل اپنی پتلون کے پائینچے دہرے کر لیتے ہیں یہ سنت کے بھی خلاف ہے اور زینت کے بھی خلاف ہے اور بدزیب نظر آتا ہے۔ ایک شخص کپڑا لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اسے وضو لوٹانے کا حکم دے کر ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جو ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکاتا ہو۔" (عن ابی ھریرہ ابوداؤد ج ۴ ص ۱۰۰)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

المسبل فی الصلوۃ لیس من اللہ فی حل ولا حرام (طبرانی فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۸)	نماز میں کپڑا لٹکانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریعت سے باہر ہے۔

لیکن اس کا حل یہ نہیں جو لوگوں نے نکال لیا ہے کہ آگے پیچھے ٹخنوں پر کپڑا لٹکا رہے اور نماز میں انہیں ننگا کر لیا جائے اور وہ بھی مصنوعی طریقہ کے ساتھ۔ نبی ﷺ نے عام ارشاد فرمایا۔

ما اسفل من الکعبین من الا زار ففی النار (عن ابی ھریرۃ بخاری ص۸۶۱)	ٹخنوں سے نیچے کپڑا آگ میں ہے

انسان چاہے نماز میں ہو یا نماز کے بغیر ہر حالت میں ٹخنوں پر کپڑا لٹکانا ممنوع ہے کیونکہ یہ تکبر کی نشانی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق بعض علما نے تو اسبال یعنی کپڑا لٹکانے کو نواقض وضو میں سے شمار کیا ہے جبکہ بعض نے اسے وعید پر محمول فرمایا ہے۔

قہقہہ لگانا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حنفیہ کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے صرف نماز نہیں بلکہ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے (ہدایہ ص ۱۰ نماز مسنون ص ۸۷)

قراءت میں فاحش غلطی قراءت میں فاحش غلطی ہو گئی جس سے مفہوم یا

معنی بدل جائے تو حنفیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی (درمختار ج ا ص ۹۰، نماز مسنون ص ۴۸۶)

حالانکہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

إن الله تجاوز عن أمتي الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه (ابن ماجه كتاب الطلاق ص ١٤٧)

اللہ تعالیٰ نے خطا بھول اور جبر پر میری امت سے تجاوز فرمایا ہے

گانے کی طرز پر نیز لکھا ہے قرآن پاک کو موسیقی کی طرز پر گا کر پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی (درمختار ج ا ص ۹۰، نماز مسنون ص ۴۸۶)

لباس میں تصویریں صاحب نماز مسنون لکھتے ہیں جاندار تصویر والا کپڑا پہن کر نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے (ص ۵۱۱) صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

ولو لبس ثوبا فيه تصاوير يكره لانه يشبه حامل الصنم والصلوة جائزة في جميع ذلك (ص ١٠٢)

تصویر والا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ بت اٹھائے ہوئے ہو البتہ اس میں نماز ہو جائے گی۔

فراغت سے پہلے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لا صلوة بحضرة الطعام ولا وهو يدافعه الاخبثان (عن عائشة مسلم ص ٢٠٨)

کھانا حاضر ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہئے نہ اس وقت جب کہ وہ ٹٹی پیشاب روکے ہوئے ہو۔

إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلوة فابدأوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه (عن عائشة مسلم ص ٢٠٨، بخاری ص ٩٢)

شام کو کھانا لگ جائے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لو اور اطمینان سے کھاؤ۔

بخاری شریف میں اس سے آگے یہ اضافہ ہے۔

وكان ابن عمر يوضع له الطعام وتقام الصلوة فلا يأتيها حتى يفرغ منه وإنه يسمع قراءة الامام

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آگے کھانا رکھا جاتا اور جماعت کھڑی ہو جاتی۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے اور کھانے کے دوران میں انہیں امام کی قراءت سنائی دے رہی ہوتی تھی۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

من فقه المرء اقباله على حاجته حتى يقبل على صلواته وقلبه فارغ (بخاری ص ۹۲)

آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے کہ وہ پہلے اپنی حاجت پوری کرے پھر اس طرح نماز کو متوجہ ہو کہ اس کا دل فارغ ہو

امامت

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

يوم القوم اقراهم لكتب الله فإذ كانوا فى القراءة سواء فاعلمهم بالسنة (عن ابى مسعود مسلم ص ۲۳۶)

لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو سب سے زیادہ قرآن پاک پڑھا ہوا ہے۔ اگر سب قراءت میں برابر ہوں تو پھر وہ جو سب سے زیادہ سنت کو سمجھتا ہے۔

معلوم ہوا امام وہ ہونا چاہئے جو قرآن و سنت کو بہتر سمجھنے والا ہو۔ جہاں تک جواز کا تعلق ہے میرا عقیدہ ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ اس بارے میں بہت تشدد روا رکھتے ہیں۔ ان کی خدمت میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔

یصلون لکم فإن أصابوا فلکم وإن اخطاؤا فلکم وعلیهم (عن ابی هریرة بخاری ص ۹۶)

لوگ تمہیں نمازیں پڑھائیں گے اگر صحیح پڑھائیں تو ٹھیک ہے اگر صحیح نہ پڑھائیں تو اس کی ذمہ داری ان پر ہے۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

الصلوة أحسن ما یعمل الناس فإذا أحسن الناس فأحسن معهم وإذا أساءوا فاجتنب أساءتهم (بخاری ص ۹۶)

نماز لوگوں کا سب سے بہترین عمل ہے۔ جب لوگ اچھا عمل کریں تم بھی ان کے ساتھ مل کر اچھا عمل کرو اور اگر برا عمل کریں تو ان کی برائی سے اجتناب کرو۔

نبی ﷺ نے کتاب و سنت کو امامت کا معیار قرار دیا ہے۔ اہل حدیث جو کتاب و سنت ہی کے خادم ہیں ان کی امامت کے بارے میں حنفی علماء کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

چودھویں صدی کے مجدد احمد رضا خاں سے سوال و جواب۔

عرض = وہابیہ کی جماعت چھوڑ کر الگ نماز پڑھ سکتا ہے۔

ارشاد = نہ ان کی نماز نماز ہے نہ ان کی جماعت جماعت۔

عرض = وہابیوں کی مسجد بنوائی ہوئی مسجد ہے یا نہیں۔

ارشاد = کفار کی مسجد مثل گھر کے ہے۔

عرض = وہابی موذن کی اذان کا اعادہ کیا جائے یا نہیں۔

ارشاد = جس طرح ان کی نماز باطل اسی طرح ان کی اذان بھی

(ملفوظات ص ۱۰۶)

بہشتی زیور کے مصنف مولنا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔

سوال = غیر مقلد امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جواب = احتیاط اسی میں ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے (امداد الفتاویٰ مجتبائی ج ۱ ص ۹۰) فرماتے ہیں غیر مقلدوں سے ہماری نزاع فقط بوجہ اختلاف فروع و جزئیات کے نہیں بلکہ اصول میں ہے (ایضاج ۳ ص ۱۵۰) جو غیر مقلد عقائد میں ہمارے موافق ہو اگرچہ بعض فروع میں مخالف ہو اس کا اقتداء جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے (ایضاج ۴ ص ۹۲ منقول از عماد الدین ص ۳۰۹)

مولنا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی ایک دفعہ شرق پور میں تشریف لائے۔ کسی نے ان سے پوچھا یا حضرت اگر ایک طرف بریلویوں کی جماعت ہو رہی ہو اور دوسری طرف اہل حدیث کی تو ایک دیوبندی کس کے پیچھے نماز پڑھے۔ مولنا نے جواب دیا بریلویوں کے پیچھے۔ کیونکہ بریلوی ہمارے زیادہ قریب ہیں اور ہمارے بھائی ہیں ہم دونوں مقلد ہیں جب کہ اہل حدیث غیر مقلد ہیں اور ہم سے بہت دور ہیں۔ دیوبندی اور بریلوی کی نماز بھی ایک ہے اور دونوں فقہ حنفی کے پابند ہیں اہل حدیث اور دیوبندیوں کی نماز میں بہت فرق ہے اس لئے دیوبندیوں کو اہل حدیث کے مقابلہ میں بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔

مولنا مسعود احمد صاحب نائب مفتی دار العلوم دیوبند نے فتویٰ دیا کہ غیر مقلد کو امام نہ بنانا چاہئے (بحوالہ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۴۵ / ۸ / ۳) مولنا رشید احمد گنگوہی صاحب نے فرمایا غیر مقلدین چونکہ ائمہ دین کو برا کہتے ہیں اس لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ ہے (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دہلی)

دیوبندیوں نے بریلویوں کو اپنے قریب اور اہل حدیث کو اپنے سے دور ثابت کرنے کے لئے اور انہیں اپنی مسجدوں سے نکالنے کے لئے اخراج الوہابیین عن المساجد طرز کی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ مولنا حسین احمد مدنی صاحب نے بھی اسی مقصد کے لئے شہاب ثاقب لکھی جس میں کئی مقامات پر

وہ اہل حدیث کو وہابیہ' خبیثیہ کے نام سے یاد کر کے اپنے اندرونی بغض شریف کا اظہار فرماتے ہیں۔

ان حقائق سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا ہو گا کہ اہل حدیث کو اپنی الگ مساجد بنانے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں الگ مسجد بھی نہیں بنانے دی جاتی۔ آج بھی اس کے لئے مخالفت کا شدید طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہماری شاید ہی کوئی مسجد ہوگی جس کی تعمیر کے سلسلے میں ان کرم فرماؤں کی طرف سے بھرپور مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ چند برس پیشتر منگورہ کے قریب اہل حدیث کی ایک مسجد اور مدرسہ زیر تعمیر تھا جسے دیوبندی احناف اکھاڑ کر لے گئے۔

مصنف عماد الدین علم غیب کے متعلق لکھتے ہیں چونکہ یہ عقیدہ حنفی کتب فقہ کی رو سے صریح کفر ہے اس لئے جو نماز اس عقیدے والے امام کے پیچھے پڑھی جائے گی وہ واجب الاعادہ ہو گی۔ اس کے بعد چند مستند علماء کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنی تصنیفات میں علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ مثلا ابن ہمام رحمہ اللہ نے مسامرہ میں حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے مراءۃ الحقیقۃ مطبوعہ مصر ص ۱۸ اور غنیۃ الطالبین میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۸۴ میں قاضی خاں رحمہ اللہ نے فتاویٰ میں علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ نے البحر الرائق شرح کنز الرقائق میں ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے موضاعات کبیر ص ۱۹ میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے الکشف عن مجاوزۃ ھذا الامۃ الالف میں اور شاہ حمزہ مارہروی (احمد رضا خاں صاحب کے دادا پیر) نے اپنی کتاب خزینۃ الاولیاء مطبوعہ کانپور ص ۱۵ میں (ص ۳۰۵ تا ۳۰۹) دیوبندی عالم مولنا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں ہم مرید بہ یقین داند کہ روح شیخ مقید بہ یک زماں نیست۔ پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دور است اما روحانیت اور دور نیست (امداد السلوک ص ۱۰) ہفت روز خدام الدین کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ اولیاء اللہ کی ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ باطن کا نور عطا

فرماتے ہیں۔ اصل میں وہ نازک مزاج ہوتے ہیں۔ اسی میل بلکہ سو میل کے فاصلہ پر آپ کوئی چیز پکا کر رکھ آئیں وہ ایک منٹ میں بتلائیں گے کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام (مورخہ ۶۴ / ۱۱ / ۱۳)

حاجی امداد اللہ صاحب اپنے حجرے میں بیٹھے بیٹھے سمندر میں ڈوبتے ہوئے جہازوں کو نیچے سے کندھا دے کر بچا لیا کرتے تھے (کرامات امدادیہ ص ۱۴ تا ۱۸ مصنفہ مولنا اشرف علی تھانوی)

"ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ گو دیکھنے میں حضرت والا (اشرف علی تھانوی) یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں کیونکہ میں ایک بار خود حضرت والا کو باوجود کہ تھانہ بھون میں ہونے کے علی گڑھ میں دیکھ چکا ہوں الخ" (اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۷ مصنفہ عزیز الحسن شائع کردہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر گڑھ)

اس قسم کے اور بھی بے شمار واقعات ہیں جن سے نبی ﷺ کا نہیں بلکہ خود علماء دیوبند کا عالم الغیب اور حاضر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اب نہ جانے موجودہ علماء دیوبند ان کی کیا تاویل کریں گے۔ اگر تاویل ہی کرنی ہے تو بریلوی حضرات بھی تو تاویلوں کے سہارے ہی شرکیہ عقیدے قائم کئے ہوئے ہیں۔ معاف رکھنا بندہ کو اپنی یہ تحریر حنفیہ کے اندرون خانہ مداخلت محسوس ہو رہی ہے۔ کیونکہ جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی دیوبندیوں اور بریلویوں کے مشترکہ دادا پیر ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دونوں آپس میں کزن ہیں۔ لہٰذا یہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ دراصل امامت کے سلسلہ میں یہ موضوع چھڑ گیا تھا کیونکہ کچھ دیوبندی وہ ہیں جو دیوبندیوں کو اہل حدیث کی بجائے (علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے) بریلویوں کے پیچھے نماز کا مشورہ دیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کو واجب الاعادہ بتلاتے ہیں اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا اپنا عقیدہ بھی ہو بہو بریلویوں جیسا ہی ہے اللہ یحکم بینھم یومہ القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔

مصنف نماز مسنون (ص ۵۱۱) لکھتے ہیں امام اگر ڈاڑھی منڈواتا یا کٹواتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے (بحوالہ شامی ج ۱ ص ۴۱۴ و ج ۵ ص ۲۸۸)

نیز علامہ شامی کا یہ قول لکھا ہے کہ ایک قبضہ (مشت بھر) سے کم کٹوانا کسی نے مباح نہیں رکھا (شامی ج ۵ ص ۲۸۸) یہ مسئلہ یقیناً قابل توجہ ہے لیکن ان کے لئے جو خود سنت کے مطابق ڈاڑھیاں رکھتے ہیں۔ جن کی اپنی ٹھوڑیاں صفا چٹ اور اس زینت سے محروم ہوں انہیں اس بات سے غرض نہیں ہونی چاہئے کہ امام کی ڈاڑھی ہے یا نہیں یا اگر ہے تو کتنی لمبی۔ کیونکہ اگر مقتدیوں کی نماز ڈاڑھی کے بغیر ہو جاتی ہے تو امام کی بھی ہو جاتی ہے۔ سارا دباؤ امام پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو جانا قرین انصاف نہیں۔ نماز کی قبولیت میں امام اور مقتدیوں کی شرائط الگ الگ نہیں ہیں۔ جتنا زور ہمارے یہ بھائی ٹوپیوں پر دیتے ہیں اتنا زور اگر ڈاڑھی پر دیتے (جو کہ واقعتاً" سنت نبوی ﷺ ہے اور ٹوپی سے زیادہ ضروری ہے) تو میرا خیال ہے کوئی نمازی ڈاڑھی کے بغیر نہ رہتا۔

اس میں شک نہیں کہ امام کو مقتدیوں کی بہ نسبت افضل ہونا چاہئے اور اسے ذرا محتاط زندگی بسر کرنی چاہئے۔ لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ اسے حتی الامکان کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے اس کے متعلق ان کی عقیدت کو ضعف پہنچے لیکن ساتھ ہی مقتدیوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ امام بہرحال ان کی طرح ایک گوشت پوست کا بنا ہوا انسان ہے معصوم عن الخطاء ہرگز نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں کا تنکا دیکھنے سے پہلے انہیں اپنے شہتیر بھی دیکھ لینے چاہئیں۔

❄❄❄

امام کیلئے ضروری ہدایات

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ فلاں شخص فجر کی نماز بہت لمبی پڑھاتا ہے اس لئے میں اس میں شامل نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ اس بات پر غیر معمولی ناراض ہوئے اور فرمایا۔

فمن ام منکم الناس فلیتجوز فان خلفه الضعیف والکبیر وذا الحاجة (عن ابی مسعود بخاری ص ۹۸، مسلم ص ۱۸۸)

امام کو مختصر نماز پڑھانی چاہئے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھے اور کام والے بھی ہوتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی قوم کو جا کر یہی عشاء کی نماز پڑھاتے ایک روز انہوں نے سورہ بقرہ شروع کر دی ایک آدمی نے سلام پھیر دیا اور اپنی نماز پڑھ کر چلا گیا۔ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے معاذ تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو سورہ الشمس والضحے واللیل اور اعلی وغیرہ پڑھا کرو۔ (بخاری ص ۹۷، ۹۸ مسلم ص ۱۸۷) امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث پر ایک باب یوں باندھا ہے۔

اذا طول الامام وکان لرجل حاجة فخرج وصلی (ص ۹۷)

جب امام نماز لمبی کر دے۔ کسی مقتدی کو کام ہو تو وہ نکل جائے اور اپنی نماز پڑھ لے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں بسا اوقات میرا ارادہ لمبی نماز کا ہوتا ہے مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں تاکہ ماں کو تکلیف نہ ہو (عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۸ عن انس مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

سہل بن ابی امامہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے والد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد حکومت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ ان دنوں آپ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت مختصر اور ہلکی نماز پڑھائی۔ میرے والد نے پوچھا یہ نماز فرضی تھی یا نفلی۔ فرمایا فرضی نماز تھی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ عیسائی راہبوں کی طرح تم پر بھی سختی کرے گا۔ (ابوداؤد ج ۴ ص ۴۲۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختصر مگر مکمل نماز پڑھاتے تھے (بخاری ص ۹۸) ہمارے القاری المقری قسم کے امام صاحبان تلاوت تو تھوڑی سی فرماتے ہیں مگر اتنا لٹکا لٹکا کر لہرا لہرا کر اور دہرا دہرا کر پڑھتے ہیں کہ کوفت ہوتی ہے خواہ مخواہ بہت وقت لگ جاتا ہے نمازی بے چارے تنگ آجاتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے قرآن نہیں قراءت سنا رہے ہوں نماز نہیں پڑھا رہے فن تجوید کا مظاہرہ فرما رہے ہیں تلاوت نہیں کی جارہی غنائیہ پیش کیا جارہا ہو۔ اس میں قلب کا خشوع کم رگوں کا پھولنا زیادہ ہوتا ہے۔ بیس منٹ کی نماز میں مرکر چند آیات تلاوت فرماتے ہیں حالانکہ صحیح ترتیل کے ساتھ اگر تلاوت کی جائے تو اتنی دیر میں انسان بخوبی نصف پارہ پڑھ لیتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسا اوقات مغرب کی نماز میں مرسلات طور بلکہ اعراف بھی پڑھی ہیں اسی طرح فجر کی نماز میں مومنوں پڑھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی پہلی رکعت میں بقرہ کی ۱۲۰ آیات پڑھیں اگر وہ ہمارے ان امام صاحبان کی طرح تلاوت فرماتے تو اگلی نمازوں کا وقت شروع ہو جاتا ہنوز پہلی نماز ختم نہ ہوتی۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید جلد جلد اور بے کیف طریقہ سے پڑھ ڈالا جائے بلکہ میں تو کہتا ہوں امام ہونے ہی وہ چاہئیں جو بہترین قاری ہوں جو خوش الحان ہوں جن کا تلفظ شاندار ہو جن کا لہجہ دل آویز اور پرکشش ہو اور جو سمجھ کر پڑھنے کے عادی ہوں۔ بے سری آواز اور بھدے لہجے والے بزرگوں کو مصلائے امامت پر براجمان ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے نمازیوں کی سمع خراشی ہوتی ہے اور یہ بالواسطہ نماز کی توہین ہے۔ جیسا کہ موذن کے انتخاب کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے امام کے انتخاب کے بارے میں بھی یقیناً

مذکورہ اوصاف کو ملحوظ رکھنا چاہئے لیکن تلاوت میں تکلف بھی سامعین کیلئے تکلیف دہ ہے۔ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

ما أذن الله لشئ ما أذن لنبی یتغنی بالقران (عن ابی هريرة بخاری ص ٩٦، مسلم ج١ ص ٢٦٨)	اللہ تعالیٰ نے تغنی بالقران کی اجازت دی ہے۔

یاد رہے کہ محدثین کے نزدیک یہاں تغنی سے حسن صوت مراد ہے گویوں کی طرح گانا نہیں بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تغنی کی تفسیر حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے استغناء یعنی بے نیازی نقل کی ہے (ص ۷۵۱)

نبی ﷺ نے فرمایا۔

سیجیء بعدی قوم یرجعون بالقران ترجیع الغناء والنوح لا یجاوز حناجر هم مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شأنهم (عن حذيفه شعب الإيمان بيهقی، مشكوة ج٢ ص ٦١)	میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پاک کو گانے اور نوحے کی طرز پر پڑھیں گے۔ قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ بھی اور انہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں ہوں گے۔

گویئے واعظوں اور ان کے پروانوں اور کیسٹ ٹو کیسٹ نقالوں کو بھی اس میں اپنا چہرہ نظر آجانا چاہئے۔

نبی ﷺ نے فرمایا۔

سیجیء اقوام يقيمونه كما يقام القدح (عن جابر أبوداود شعب الإيمان بيهقی، مشكوة ج٢ ص ٦١)	ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کی نوک پلک کو تیر کی طرح سیدھا کریں گے۔

در مختار میں لکھا ہے قرآن پاک کو موسیقی کی طرز پر گا کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (ج ا ص ۹۰)

اصل میں ذکر ہو رہا تھا کہ جماعت مختصر وقت میں ادا ہونی چاہئے۔ بعض دوست لمبی جماعت پر اصرار کرتے ہیں۔ انہیں اپنی رائے دوسروں پر مسلط نہیں کرنی چاہئے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

من ام قوما فليخفف فان فيهم الكبير وإن فيهم المريض وإن فيهم الضعيف وإن فيهم ذا الحاجة فإذا صلى أحدكم وحده فليصل كيف يشاء (عن عثمان بن ابی العاص مسلم ص ۱۸۸)

امام کو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے۔ مقتدیوں میں بوڑھے' بیمار' کمزور اور کام والے بھی ہوتے ہیں اکیلا پڑھے تو جیسے جی چاہے پڑھے۔

مطلب یہ ہے جماعت نہایت مناسب وقت میں ادا ہونی چاہئے۔ اگر کوئی صاحب لمبی نماز پڑنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ شوق اپنے طور پر اکیلے میں پورا کرلینا چاہئے۔ مگر میں نے دیکھا ہے لمبی جماعت کرانے والے امام صاحب اور ان کے حواری اپنی نماز مختصر پڑھتے ہیں یعنی حدیث شریف کے بالکل الٹ ان کا عمل ہے۔ نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ نمازیوں میں کام والے بھی ہوتے ہیں بڑی اہم بات ہے اور یہ کام کی مصروفیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت صرف اپنے زمانے کے لئے نہیں تھی آج کیلئے بھی ہے جس اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو معبوث فرمایا اسے معلوم تھا کہ آج حالات کیا ہوں گے۔ کاموں کے لحاظ سے اس وقت جو حالات ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ صبح اور عشاء کی نمازوں میں دس منٹ اور باقی نمازوں میں چھ یا سات منٹ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ حرمین شریفین کے ائمہ کرام اسی پر عمل پیرا ہیں۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے نبی ﷺ نے آخری عہد یہ لیا تھا کہ لوگوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرنا (مسلم ص ۱۸۸) نیز حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے جو روایت نسائی میں ہے اس میں نبی ﷺ سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔

واقتد باضعفهم (ص ۷۷)

کہ سب سے کمزور مقتدی کی اقتداء کرو۔

معلوم ہوا امام گو امام ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے وہ اپنے مقتدیوں کا بھی مقتدی ہوتا ہے کہ اسے اپنے مقتدیوں میں سے کمزور ترین مقتدی کے احساسات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

آپ حیران ہوں گے صرف اس لئے کہ نمازیوں کو پہلی رکعت مل جائے نبی ﷺ پہلی رکعت میں اس وقت تک رکوع میں نہیں جاتے تھے جب تک آنے والے نمازیوں کی آہٹ محسوس ہوتی رہتی۔

إن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کان یقوم فی الرکعة الاولی من صلوة الظهر حتی لا یسمع وقع قدم (عن عبد الله بن ابی اوفی أبوداود ص ۲۹۵)

نبی ﷺ ظہر کی پہلی رکعت میں اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ آپ کو آنے والوں کے قدموں کی آواز آتی رہتی۔

یہ مسئلہ ہمارے بہت سے ائمہ کی توجہ کا طالب ہے۔ نبی ﷺ کا حالت قیام میں انتظار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع کی رکعت معتبر نہیں۔ اس کے برخلاف فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ امام رکوع میں ہو اور آنے والے کو امام پہچانے تب تو اس کا انتظار مکروہ ہے۔ نہ پہچانتا ہو تو تب ایک دو تسبیح کی مقدار انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں (ج ا ص ۱۰۸)

❋❋❋

مقتدیوں کے لئے چند ہدایات

مقتدیوں پر امام کی اقتداء لازم ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے اے لوگو میں تمہارا امام ہوں تم رکوع، سجود، قیام اور سلام پھیرنے میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو (عن انس بن مالک مسلم ج ا ص ۱۸۰) آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا اسے ڈر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے جیسا بنا دے (عن ابی ہریرہ ص ۹۶ بخاری مسلم ج ا ص ۱۸۱) آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اونچا نیچا کرتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے (عن ابی ہریرہ موطا امام مالک ص ۷۶)

براء بن عازب سے روایت ہے۔

إذا قال سمع الله لمن حمده لم يحن أحد منا ظهره حتى يضع النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جبهته على الأرض (بخاری ص ۹۶، مسلم ج۱ ص ۱۸۹)

سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہم میں سے کوئی بھی اپنی پشت اس وقت تک نہیں جھکاتا تھا جب تک کہ نبی ﷺ اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھ دیتے۔

معلوم ہوا امام کی حرکت پوری ہونے کے بعد مقتدی کو حرکت کا آغاز کرنا چاہئے۔

اہل حدیث رکوع سے اٹھ کر اور دو سجدوں کے درمیان مسنون دعائیں پڑھتے ہیں اور جلسہ استراحت بھی کرتے ہیں۔ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے احناف کو خاص طور پر احتیاط کرنی چاہئے۔ یہ حضرت ان موقعوں پر اپنی بگڑی ہوئی عادت کے مطابق جلدی میں امام سے سبقت کر جاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے۔ یہ تو خیر ایک غلطی ہے۔ یہ اگلا مسئلہ حنفیہ کا باقاعدہ مسلک ہے۔

لو فرغ المقتدی قبل فراغ الامام فتکلم فصلاتہ تامۃ (فتاوی عالمکیری ج۱ ص ۷۱)

اگر مقتدی امام سے پہلے فارغ ہو کر باتیں کرنے لگ جائے تو اسکی نماز مکمل ہے۔

خواتین کیلئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ انہیں جمعہ و جماعت یا عیدین کیلئے حنفی مساجد میں نہیں جانا چاہئے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک دن ہو یا رات بلا قید عمر عورتوں کا جماعت میں شرکت کرنا مکروہ ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۸۹) تو جو کام مکروہ ہو اس کا ثواب نہیں گناہ ہوتا ہے۔

❄❄❄

کچھ مسبوق کے بارے میں

جو شخص بعد میں آکر جماعت میں شامل ہو اسے اپنی بقایا رکعتیں آخری رکعتیں سمجھ کر پوری کرنا چاہیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ جونہی امام لفظ سلام کے ساتھ گردن کو گھماتا ہے تو اسی وقت وہ نماز سے باہر ہو جاتا ہے اور مسبوق کا رابطہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے۔ عموما مسبوق حضرات اس وقت تک بیٹھے انتظار کرتے رہتے ہیں جب تک کہ امام بائیں طرف بھی سلام نہیں پھیر لیتا۔ حالانکہ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ سلام کے وقت اگر مسبوق کی اقتداء جاری ہے تو پھر اسے سلام پھیرنا چاہئے کیونکہ مقتدی کیلئے امام کی اقتداء ضروری ہے اور اگر اقتداء قائم نہیں رہی تو پھر اسے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔ بیٹھنے رہنے کا کیا مطلب؟ مصنف عماد الدین ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں پہلی بار لفظ السلام کہتے ہی امام نماز سے باہر ہوگیا اگرچہ ہنوز علیکم نہ کہا ہو (ص ۳۴۷)

حنفیہ کے نزدیک چونکہ مسبوق کی بقایا رکعتیں پہلی رکعتیں ہوتی ہیں۔ نیز بصورت سہو انہوں نے تشہد کے بعد ایک طرف سلام پھیر کر پھر مکمل التحیات پڑھ کر دوبارہ دونوں طرف سلام پھیرنا ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک مسبوق کے مسائل عجیب و غریب ہیں۔ مثلا اصولا" حنفیہ کا مسلک بعد از سلام سجدہ سہو کا ہے (ہدایہ ص ۱۱۵) اب ظاہر ہے کہ لفظ سلام سے ہی امام نماز سے باہر ہو جاتا ہے لہذا مسبوق کا رابطہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اگر مسبوق سجدہ سہو میں اور اس کے بعد پڑھی جانے والی التحیات کی بیٹھک میں شامل ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کی اقتداء کر رہا ہے جو کہ سرے سے نماز میں ہی نہیں ہے۔ بصورت سہو پہلی سلام کے ساتھ مسبوق غلطی سے اٹھ کھڑا ہو تو اس کے متعلق مصنف عماد الدین لکھتے ہیں جھٹ لوٹ آئے اور امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک ہو جائے اور جب امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرے (ص ۳۴۷)

یہ اگلا سوال و جواب بھی پڑھنے کے لائق ہے۔

سوال = مسبوق جو سلام پھیرنے کے قریب آکر داخل جماعت ہو التحیات کے دو تین کلمے ہی پڑھنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو یہ مسبوق امام کے سلام پھیرتے ہی باقی نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے یا پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو۔

جواب = پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو (ص ۳۴۷)

مصنف عماد الدین امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد شریک جماعت ہونے والے شخص کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی اقتداء صحیح نہیں کیونکہ اقتداء موضع انفراد میں مفسد نماز ہے اور یہ انفراد کا موقع تھا۔ ہاں اگر امام نے سلام کے بعد سجدہ سہو کیا تو اقتداء صحیح ہوگیا (ص ۳۴۷)

اس سے ایک تو میری اس بات کی تائید ہوگئی کہ امام کے لفظ السلام کہتے ہی مسبوق کا امام سے تعلق ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اب اس کا بیٹھنے رہنا بیکار ہے دوسرے یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ باوجودیکہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو سلام کے بعد ہے تو بھی ان کے نزدیک اس میں اقتداء صحیح ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر پہلے سلام کی کیا حقیقت ہے یعنی سلام کا مقصد اگر بمصداق حدیث تحلیل ہے تو جب امام سلام سے باہر ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کا مقصد کیا ہے کیا یہ سلام صرف ایک ڈرامہ ہے؟

❋❋❋

تعدیل ارکان

ایک شخص نے صحیح طریقہ سے نماز نہ پڑھی تو .... نبی ﷺ نے اسے فرمایا قیام سے فارغ ہو کر اطمینان سے رکوع کرو پھر اٹھ کر اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور پھر اطمینان سے سجدہ کرو (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۱۰۹) اس روایت کو مسئی الصلوٰۃ والی روایت کہتے ہیں۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا رکوع سجود جلسہ بین السجدتین اور قومہ تقریبا برابر ہوتے تھے (بخاری ص ۱۰۹ مسلم ص ۱۸۹) نبی ﷺ نے فرمایا بد ترین چور نماز کا چور ہے۔ عرض کیا گیا نماز چور کون ہوتا ہے فرمایا جو رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا (عن ابی قتادہ دارمی ج ۱ ص ۲۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ کا قومہ اور جلسہ بین السجدتین اتنا طویل ہوتا کہ ہم سمجھتے تھے شاید آپ بھول گئے ہیں (بخاری ص ۱۱۰ مسلم ج ۱ ص ۱۸۹) ہدایہ میں لکھا ہے رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا' دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع اور سجود میں اطمینان امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نہیں۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بحکم نبوی ﷺ (فانک لم تصل) فرض ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لغت میں رکوع کا معنی انحناء یعنی جھک جانا اور سجدہ کا معنی انخفاض یعنی نیچے ہو جانا ہے تو یہ ذرا سا بھی ہو جائے تو ادا ہو جاتا ہے۔ یہی حال (قومہ اور جلسہ میں) انتقال کا بھی ہے کیونکہ یہ مقصود بالذات بھی نہیں (ص ۴۷) یعنی قومہ اور جلسہ رکن نہیں یہ تو صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ نیز رکوع و سجود میں بھی یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ نبی ﷺ کیسے کرتے تھے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ لغت کیا کہتی ہے۔ ان کے اپنے بقول ثابت ہوگیا کہ حنفیہ کی نماز میں سنت کا نہیں بلکہ لغت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

مصنف نماز مسنون لکھتے ہیں نماز میں تعدیل ارکان بھی واجب ہے یعنی رکوع سجود قومہ جلسہ اطمینان سے ادا کرنا چاہئے (ص ۳۰۶)

حنفیہ کے نزدیک قومہ اور جلسہ بالاتفاق نماز کے رکن نہیں پھر نہ جانے ان حضرت صاحب نے تعدیل ارکان کے ضمن میں قومہ اور جلسہ کو بھی کیسے شامل فرما لیا ہے۔ اور پھر قومہ اور جلسہ میں اطمینان کو بھی واجب کہنا تقریبا مسلک اہلحدیث کی ترجمانی ہے ورنہ حنفی شریعت تو اس کی اجازت نہیں دیتی۔

أجمعوا علی أن الأعتدال فی قومة الرکوع لیس بواجب عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله وکذا الطمانینة فی الجلسة (فتاوی عالمکیری ج۱ ص ۷۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قومہ اور جلسہ میں تعدیل و اطمینان بالاجماع واجب نہیں ہے۔

مصنف نماز پیمبر نے قومہ اور جلسہ کو ارکان نماز میں تو کجا واجبات نماز میں بھی نہیں بلکہ "نماز کی سنتیں" کے تحت بیان کیا ہے (ص ۲۱۴) اور تعدیل ارکان کیلئے انہوں نے مسئی الصلوۃ والی روایت سے استدلال کیا ہے (ص ۲۱۳) حالانکہ اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رکوع و سجود میں نہیں بلکہ قومہ اور جلسہ میں بھی اطمینان کا حکم دیا۔

مصنف نماز مسنون ہدایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں جلسہ اگر اچھی طرح نہ کیا تو سجدے ادا نہ ہوں گے (ص ۳۷۰) حالانکہ ہدایہ میں صاف لکھا ہے۔

ثم القومة والجلسة سنة عندهما وکذا الطمانینة (ص ۷۴)

پھر قومہ اور جلسہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہیں۔ اسی طرح تعدیل ارکان بھی

اسکے حاشیہ (نمبر ۱۵) میں لکھا ہے۔

ینبغی أن یکونا واجبین لورود الأمر بهما فی حدیث الأعرابی اللهم الا

قومہ اور جلسہ واجب ہونے چاہئیں اس لئے کہ اعرابی والی حدیث کے

إذا ثبت عـدم مواظبـة النبـي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم على ذلك	مطابق نبی ﷺ نے ان کا حکم دیا تھا الا یہ کہ ان پر آنحضرت ﷺ کی عدم مواظبت ثابت ہو جائے۔

اور حاشیہ نمبر۱۶ میں مولنا عبدالحی کا قول لکھا ہے۔

القول بكونه سنة مخالف للحديث الصريح الصحيح	قومہ اور جلسہ کو (امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا) سنت کہنا صریح اور صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ شهد شاهد من اهلها

❊❊❊

حنفیہ کی فقہی نماز

ثم الاصل عند ابی حنیفة ان ما تجرد للتعظیم من اسماء الله تعالی جاز الافتتاح بہ (فتاوی عالمگیری ج۱ ص ٦٨)

پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالے کے ہر تعظیمی نام سے نماز شروع کرنا جائز ہے۔

حد القیام أن یکون بحیث إذا مدیدیہ لا ینال رکبتیہ ویکرہ القیام علی أحدی القدمین من غیر عذر وتجوز الصلوة (أیضًا ص ٦٩)

قیام کی حد یہ ہے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچیں۔ اور بلا عذر ایک قدم پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ تاہم نماز ہو جائے گی۔

قدر الواجب من الرکوع ما یتناولہ الاسم بعد أن یبلغ حدہ وھو أن یکون بحیث إذا مدیدیہ لا ینال رکبتیہ ..... إذا لم یرکع وذھب من القیام إلی السجود بغیر السنة خر کالجمل فذلک الانحناء یجزیءعن الرکوع (أیضًا ص ٧٠)

واجب رکوع بس اتنا ہی ہے کہ ہاتھ لمبے کر کے گھٹنوں تک پہنچ سکیں .... رکوع نہ کرے۔ قیام سے خلاف سنت سیدھا سجدہ میں چلا جائے۔ یعنی اونٹ کی طرح گر پڑے۔ تو یہ جھکنا رکوع سے کفایت کر جائے گا۔

فان وضع جبھتہ دون انفہ جاز اجماعا ویکرہ وإن کان بالعکس فکذلک عند ابی حنیفة (أیضًا ص ٧٠)

سجدہ میں زمین پر صرف پیشانی رکھے ناک نہ رکھے۔ یہ اجماعاً جائز ہے اور اگر اس کے الٹ یعنی ناک رکھے اور پیشانی نہ رکھے تو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے

ولو ترک وضع الیدین والرکبتین

زمین پر نہ ہاتھ رکھے نہ گھٹنے رکھے تو

جازت صلاته بالاجماع (أيضًا)

نماز بالاجماع جائز ہے۔

ولو لم يستو جالسا وكبر وسجد اخرى اجزاه عند ابى حنيفة ومحمد ...... وتكلموا فى مقدار الرفع والاصح إنه إذا كان إلى السجود أقرب لا يجوز لانه يعد ساجدا وإن كان إلى الجلوس أقرب جاز لانه يعد جالسا فتحقق الثانية (هدايه ص ٧٦)

پہلے سجدہ سے اٹھ کر سیدھا نہ بیٹھے۔ تکبیر کہہ کر سجدے میں چلا جائے تو امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک کافی ہے کتنا اٹھے تو صحیح ہے۔ اصح بات یہ ہے کہ اگر وہ سجدہ کے قریب ہو تو جائز نہیں کیونکہ وہ سجدہ کرنے والا ہی شمار ہو گا اور اگر وہ بیٹھنے کے قریب ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ بیٹھنے والا شمار ہوگا پس سجدہ متحقق ہو جائے گا۔

اس کے حاشیہ پر بعض احناف کا قول لکھا ہے۔

يكتفى بادنى ما يطلق عليه اسم الرفع

جس پر اٹھنے کا اطلاق ہو جائے اتنا ہی کافی ہے۔

بعض احناف کا قول یوں لکھا ہے۔

إذا ازيل جبهته من الأرض ثم اعادعا جاز

پیشانی زمین سے ہٹی پھر اسے زمین پر لوٹا دیا تو جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

رفع الرأس من السجدة ليس بركن وإنما الركن هو الانتقال لانه لا يمكنه اداء الثانية الا به الا انه لا

سجدہ سے سر اٹھانا رکن نہیں ہے۔ رکن صرف انتقال ہے۔ دوسرا سجدہ بغیر انتقال ممکن نہیں اور انتقال بغیر سر

يمكنه الانتقال الى الثانية الا بعد رفع الرأس فلزمه روفه حتى لوامكنه الانتقال من غير رفع الرأس بان سجد على وسادة وازيلت الوسادة حتى وقعت جبهته على الأرض اجزاه (ج١ ص ٧٥)

اٹھائے ممکن نہیں۔ لہٰذا سر اٹھانا لازم ہے۔ اگر بغیر سر اٹھائے بھی انتقال ہو جائے مثلاً اس طرح کہ اس نے تکیہ پر پہلا سجدہ کیا۔ تکیہ ہٹا دیا گیا تو اس کی پیشانی زمین پر جا پڑی تو دوسرا سجدہ بھی ہوگیا۔

والقعدة فی اخر الصلوة مقدار التشهد (هداية ص ٦٧) اور آخر نماز میں تشہد کی مقدار بیٹھنا (پڑھنا نہیں) معلوم ہوتا ہے احناف کی نماز احادیث نبوی ﷺ کو نہیں بلکہ ڈکشنری کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہے -------- یاد رہے ان کے نزدیک فرض نماز بس اتنی ہی ہے۔ البتہ قراءت کے بارے میں لکھا ہے۔

وفرضها عند ابی حنيفة يتادى باية واحدة وإن كانت قصيرة (أيضًا ص ٦٩)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فریضہ قراءت ایک چھوٹی سی آیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

یعنی صرف حالت قیام میں ایک لفظ مدھا متن یا حم وغیرہ کہہ لے باقی پوری نماز میں خاموش رہے تو ان کے نزدیک فرض نماز ادا ہو جاتی ہے اور وہ نماز بھی جس طرح کی ہے آپ نے ملاحظہ فرما لی ہے اور محل قراءت کے بارے میں لکھا ہے کہ فرائض کی کسی بھی دو رکعتوں میں قراءت کر لے (ایضاً ص ۶۹)

واجب نماز میں البتہ یہ اضافہ ہے پہلی دو رکعتوں کے قیام میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت وغیرہ ملانا رکوع و سجود میں بقدر ایک تسبیح کے اور قعدہ اولیٰ میں بقدر تشہد کے ٹھہرنا (پڑھنا نہیں) اور قعدہ اخیرہ میں تشہد تک پڑھنا۔ لفظ سلام کو ہدایہ میں واجب (ص ۷۹) اور عالمگیری (ص ۷۶) میں سنت

شمار کیا گیا ہے۔ باقی سب کچھ سنت یا مستحب ہے۔ تکبیرات تسبیحات آخری رکعتوں میں قراءت وغیرہ کوئی چیز فرض یا واجب نہیں۔ کر لے ٹھیک ہے نہ کرے تو نماز کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نہ سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ مصنف نماز مسنون نے قومہ کو اور قعدہ اولی میں تشہد پڑھنے کو واجب فرمایا ہے (ص ۳۰۳) حالانکہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک قومہ واجب نہیں بلکہ صرف سنت ہے (ہدایہ ص ۷۴) نیز حنفیہ کے نزدیک تشہد کا پڑھنا بھی صرف قعدہ اخیرہ میں واجب ہے (ہدایہ ص ۸۷ عالمگیری ص ۷۵)

نماز غیر عربی زبان میں یہ بحث نامکمل رہ جائے گی اگر یہ نہ بتلایا گیا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تحریمہ سے لے کر آخر تک مکمل نماز بلا عذر دنیا کی ہر زبان میں جائز ہے کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ اور یہ پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے (الشعراء: ۱۹۶)

چونکہ پہلی کتابیں غیر عربی میں تھیں اور ان میں قرآن مجید کے ذکر کو تسلیم کیا گیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ نماز میں غیر عربی زبانوں میں قراءت کی جا سکتی ہے۔ تو جب قراءت کی جا سکتی ہے تو علی ھذا القیاس دیگر اذکار بھی کئے جا سکتے ہیں۔ یہ امام بو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے جسے قرآن مجید سے ثابت کیا گیا ہے اور جس کا تذکرہ ہدایہ ص ۶۹ میں ہے تو پھر اس کے "حق" ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے مگر کسی مقلد میں یہ جرات نہیں کہ اس حق کو سر عام بیان کرے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مذہب حنفی کا پیرو تھا۔ وقت کے بہت بڑے عالم قاضی قفال مروزی نے اس کے سامنے حنفیہ کہ اس گنجی کانی نماز کا نقشہ پیش کیا تو وہ توبہ توبہ کر اٹھا (حیاۃ الحیوان ج ۳ ص ۲۱۴ از علامہ کمال الدین دمیری)

❋❋❋

آداب مسجد

مسجد میں آنے جانے کی دعا نبی ﷺ نے فرمایا مسجد میں داخل ہوتے وقت اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور نکلتے وقت اللھم انی اسئلک من فضلک پڑھنا چاہیئے (عن ابی سعید مسلم ص ۲۴۸) یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے جس میں داخلے کی اس دعا سے پہلے فلیسلم علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم (نبی ﷺ پر سلام بھیجے) کا ذکر بھی ہے (ص ۱۷۵) بعینہ ان الفاظ میں یہ حدیث ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں بھی ہے (ص ۵۶) ابن ماجہ میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس کے شروع الفاظ تو یہی ہیں البتہ آخر میں اس طرح ہے۔

وإذا خرج فليسلم على النبي وليقل اللهم اعصمني من الشيطان الرجيم (ص ٥٦، تحفه ص ٢٦٢)

نکلتے وقت نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور کہے یااللہ مجھے شیطان مردود سے بچا

مسجد میں داخل ہوتے وقت آپ ﷺ سے یہ پڑھنا بھی مذکور ہے۔

أعوذ بالله العظيم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم (عن عبد الله بن عمرو بن عاص أبوداود ص ١٧٥)

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عظیم ہے اس کے چہرہ کے ساتھ جو کریم ہے اور اس کی بادشاہی کے ساتھ جو قدیم ہے۔ اس شیطان سے جو رجیم ہے۔

فاطمہ بنت حسینؒ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے صلوۃ و سلام پڑھتے اور پھر یہ پڑھتے۔

رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی أبواب

یااللہ میرے گناہ معاف فرما دے اور

رحمتك — میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے

اسی طرح نکلتے وقت صلوۃ و سلام کے بعد آخر میں یہ پڑھے۔

وافتح لی أبواب فضلك — اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند متصل نہیں کیونکہ فاطمہ بنت حسین نے حضرت فاطمہ کا زمانہ نہیں پایا (ص ۲۶۲)

یہی روایت ابن ماجہ میں بھی ہے جس میں صلوٰۃ کی بجائے شروع کے الفاظ اس طرح ہیں بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ الخ (ص ٥٦))

نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۶۰ میں بحوالہ ابن السنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسجد میں آتے جاتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پڑھنا مذکور ہے بسم اللہ اللھم صل علی محمد اور بحوالہ نووی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی صلوٰۃ کی روایت مذکور ہے واللہ اعلم بالصواب۔

پہلے دایاں پاؤں

كان النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يحب التيمن ما استطاع فی شانه كله فی طهوره وترجله وتنعله (عن عائشة بخاری ص ٦١) — نبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان ہر کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے مثلاً وضو کرنے میں کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں

اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں باب باندھا ہے۔

باب التيمن فی دخول المسجد وغيره — مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھنا وغیرہ

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کیا ہے۔

كان ابن عمر يبدأ برجله اليمنى فإذا خرج بدأ برجله اليسرى

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھتے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالتے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

من السنة إذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلك اليمنى وإذا خرجت أن تبدأ برجلك اليسرى (مستدرك حاكم ج١ ص ٢١٨)

سنت طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھو۔ اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالو۔

جوتے اسی طرح جوتا پہننے کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

إذا انتعل أحدكم فليبدا باليمنى وإذا نزع فليبدا بالشمال لتكن اليمنى اولها تنعل واخرها تنزع (عن ابى هريرة بخارى ص ٨٧٠، مسلم ج٢ ص ١٩٧)

پہنتے وقت پہلے دایاں جوتا پہنو اور اتارتے وقت پہلے بایاں اتارو۔ یعنی دایاں جوتا پہننا پہلے چاہئے اور اتارنا بعد میں چاہئے۔

تحية المسجد ارشاد نبوی ﷺ ہے

إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس (عن ابى قتادہ بخارى ص ٦٣ مسلم ص ٢٤٨)

مسجد میں جاؤ تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھو۔

جنت کے پھل نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم ریاض الجنۃ یعنی جنت کے باغوں میں جاؤ تو ان کے پھل چن کر کھایا کرو۔ عرض کیا گیا جنت کے باغوں سے کیا مراد ہے فرمایا مسجدیں۔ عرض کیا گیا کہ پھل کونسے مراد ہیں فرمایا سبحان اللہ و

الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (عن ابی ہریرہ ترمذی ج ۴ ص ۲۶۳)
افسوس کے اب روضوں سے مراد چمکنے والی قبروں کے قبے اور پھلوں سے مراد میٹھی پھلیاں اور مکھانے لے لئے گئے ہیں۔

بدبو دار چیز کا استعمال

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

من أکل البصل والثوم والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملائکة تتاذی مما یتاذی منه بنو ادم (عن جابر بخاری ص ۱۱۸، مسلم ص ۲۰۹)

جو شخص پیاز، لہسن اور گیندنا کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ جس چیز سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا

لقد رأیت رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم إذا وجد ریحهما من الرجل امر به فاخرج الی البقیع فمن اکلهما فلیمتهما طبخا (مسلم ص ۲۱۰)

میں نے دیکھا جب نبی ﷺ کو کسی شخص سے ان (خبیث) پودوں کی بو محسوس ہوتی تو آپ ﷺ کے حکم سے اسے بقیع کی طرف نکال دیا جاتا۔ لہٰذا کھانے سے پہلے پکا کر ان کی بو مار لیا کرو۔

حقہ، سگریٹ پینے والوں کو ان احادیث سے سبق حاصل کرنا چاہئے کیونکہ ان کی بدبو لہسن اور پیاز کی بو سے بھی زیادہ مکروہ ہے۔ تمباکو نوشی کرنے والے حضرات یا تو اس علت سے پرہیز فرمائیں یا پھر بحکم نبوی ﷺ اس وقت تک مسجد کے قریب نہ آئیں جب تک کہ ان کے منہ کی بدبو زائل نہ ہو جائے کیونکہ اس سے نہ صرف نمازیوں کو بلکہ فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ بعض علماء نے تو تمباکو نوشی کو حرام بھی قرار دیا ہے۔ ان علماء میں جناب احمد رضا خاں صاحب شامل

نہیں ہیں کیونکہ یہ ان کا پسندیدہ ترین کش تھا (احکام شریعت ۲۵۶)

خوشبو کا استعمال

أمر رَسُوْلُ اللهِ صَلّٰى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ببناء المساجد فى الدور وإن تنظف وتطيب (عن عائشة أبوداود ج۱ ص ۱۷۳، ابن ماجه ص ۵۵)

نبی ﷺ نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں اور یہ کہ انہیں صاف ستھرا اور خوشبودار رکھا جائے۔

جمعہ کے بارے میں خاص طور پر ارشاد فرمایا جو شخص نہا کر صاف ستھرا ہو کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جائے اور دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے نماز پڑھے اور خاموشی سے امام کا خطبہ سنے تو اس کے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (عن سلمان بخاری ص ۱۲۱)

مسجد میں گفتگو نبی ﷺ کی عام بیٹھک مسجد میں ہوتی تھی۔ صحابہ کرام بھی آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اس میں دنیاوی گفتگو پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں۔

كان لا يقوم من مصلاه الذى يصلى فيه الصبح او الغداة حتى تطلع الشمس فإذا طلعت الشمس قام وكانوا يتحدثون فياخذون فى امر الجاهلية فيضحكون ويتبسم (مسلم ص ۲۳۵)

نبی ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک اپنے مصلی پر بیٹھے رہتے اس دوران میں صحابہ کرام باتیں کرتے۔ زمانہ جاہلیت کا ذکر بھی چھڑ جاتا۔ صحابہ کرام ہنستے اور نبی صلعم مسکرا دیتے

جابر بن سمرہ کہتے ہیں

جالست النبى صَلّٰى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

مجھے نبی ﷺ کے ساتھ سو بار سے زیادہ

أكثر من ماة مرة فكان أصحابه يتناشدون الشعر ويتذاكرون من أمر الجاهلية وهو ساكت وربما يتبسم (ترمذی ج٤ ص ٣٣)

مجلس کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ صحابہ کرام اشعار بھی پڑھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کی باتیں بھی یاد کرتے تھے۔ حضور ﷺ خاموش رہتے۔ کبھی مسکرا بھی دیتے۔

كان رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يضع لحسان منبرا فى المسجد فيقوم عليه يهجو من قال فى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فقال رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم إن روح القدس مع حسان ما دافع عن رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عن عائشة أبوداود ج٤ ص ٤٦٢)

نبی ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے مسجد میں منبر رکھواتے وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی ہجو کہنے والوں کی ہجو کرتے نبی ﷺ نے فرمایا جب تک حسان رسول خدا ﷺ کا دفاع کریں جبرئیل ان کے ساتھ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی ﷺ میں شعر پڑھتے دیکھا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

كنتُ انشد فيه وفيه من هو خير منك ثم التفت إلى ابى هريرة فقال انشدك بالله اسمعت رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يقول اجب عنى اللهم ايده بروح القدس قال نعم (بخاری ٤٥٦)

میں ان کی موجودگی میں اس مسجد میں شعر پڑھتا رہا ہوں جو آپ سے بہتر تھے پھر حضرت ابو ہریرہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے نبی ﷺ مجھے فرماتے میری طرف سے جواب دو اور کہتے یااللہ روح القدس کے ذریعے اس کی مدد فرما ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی۔

موطا امام مالک میں ہے

بنی عمر رحبة فی ناحیة المسجد تسمی البطیحاء وقال من کان یدخط اوینشد شعرا او یرفع صوته فلیخرج إلی هذه الرحبة (ص ١٦٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ کے ایک کونے میں ایک چبوترہ بنوایا جسے بطیحا کہتے تھے اور فرمایا جو کوئی (فالتو) باتیں کرنا چاہتا ہے یا شعر کہنا چاہتا ہے یا آواز بلند کرنا چاہتا ہے وہ اس چبوترے کی طرف چلا جائے۔

طائف کے رہنے والے دو آدمی اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔

لو کنتما من أهل المدینة لا وجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم (بخاری ص ٦٧)

اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبوی ﷺ میں شور مچاتے ہو؟

اندازہ فرمائیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں مسجد نبوی ﷺ اور روضہ مبارک کا کس قدر احترام تھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا

یأتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم فی أمر دیناهم فلا تجالسوهم فلیس لِلّٰهِ فیهم حاجة (شعب الایمان بیهقی مشکوة ص ١٣٣)

ایک زمانہ آئے گا لوگ مسجدوں میں دنیاوی باتیں کریں گے۔ ان کے ساتھ مت بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں۔

یہ روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مراد ایسی گفتگو ہے جو تہذیب کے خلاف ہو اور ادب و احترام سے ہٹی ہوئی ہو۔ مثلاً فحش کلام' بیہودہ بات چیت' گالی'

غیبت، جھوٹ، طعن و تشنیع، بہتان تراشی، سازش، لڑائی جھگڑا وغیرہ۔
تنقیح الراوۃ میں ہے۔

وردت أحاديث في النهي عن رفع الصوت في المساجد لكنها ضعيفة (ص ۱۳۳)

مساجد میں آواز بلند کرنے سے نہی کے بارے میں کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیکن وہ ضعیف ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ میں اپنے قرضہ کی واپسی کا تقاضا کیا۔ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر اپنے گھر سے ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا اے کعب نصف چھوڑ دو عرض کیا یارسول اللہ مجھے منظور ہے ابن ابی حدرد سے فرمایا اٹھو ادا کرو (بخاری ص ۶۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر التقاضی والملازمۃ فی المسجد کا عنوان قائم کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ مسجد میں چمٹ کر قرضے کی واپسی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور ص ۶۷ پر رفع الصوت فی المسجد کے تحت یہی حدیث ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مسجد میں آواز کا بلند ہونا شرعاً منع نہیں ہے۔
اگر لوگ عبادت میں مصروف ہوں تو بلند آواز سے گفتگو کرنا تو کجا بلند آواز سے ذکر کرنا بلکہ قرآن پڑھنا بھی منع ہے۔
ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

إن المصلي يناجي ربه فلينظر ما يناجيه به ربه ولا يجهر بعضكم على بعض بالقران (مسند أحمد بحواله عماد الدين ص ۲۷۶)

نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اسے اپنی سرگوشی معلوم ہونی چاہئے۔ اور تلاوت کے ساتھ ایک دوسرے پر اپنی آواز بلند نہیں کرنی چاہئے۔

مصنف عماد الدین لکھتے ہیں مسجد میں کسی مجبوری کے بغیر مباح گفتگو بھی نہ

کرنی چاہئے ------ پس جو گفتگو مسجد کے باہر ہر طرح جائز ہے وہ مسجد میں مکروہ ہے ------ مسجد میں دنیاوی گفتگو کرنا بالعموم اور باواز بلند باتیں کرنا بالخصوص قابل سزا جرم ہے ---- بقول شیخ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں غیر ضروری دنیوی گفتگو اس طرح نیکیوں کو برباد کرتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے ----- مسجد میں ریڈیو اور اخبارات کی خبریں سننا سنانا ناجائز ہے اور مسجد میں ایسے رسائل اور اخبار لانا بھی ممنوع ہے جن میں ذی روح کی تصویریں یا فحش مضامین یا شرمناک خبریں ہوں (ص ۲۷۴' ۲۷۵)

مسجد میں خیمہ حضرت سعد غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے۔ تو نبی ﷺ نے مسجد میں ان کے لئے خیمہ لگوا دیا تا کہ آپ ﷺ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ مسجد میں (علاج معالجہ) کیلئے بنی غفار کا خیمہ بھی نصب تھا۔ ان کی طرف خون بہہ کر گیا وہ گھبرا کر کہنے لگے اے خیمہ والو یہ تمہاری طرف سے ادھر کیا آرہا ہے۔ پتہ چلا کہ حضرت سعد کے زخم سے خون بہہ نکلا ہے اور وہ انتقال فرما گئے ہیں (عن عائشہ بخاری ص ٦٦) اسی طرح حضرت عائشہؓ سے ایک کالے رنگ کی آزاد کردہ لونڈی کا قصہ مذکور ہے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا خیمہ بھی مسجد نبوی ﷺ میں تھا۔

(بخاری باب نوم المراۃ فی المسجد ص ٦٢)

مسجد میں گتکہ وغیرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے میں نے ایک روز نبی ﷺ کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھا۔ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنی چادر سے چھپا رکھا تھا۔ میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی (بخاری ص ٦٥)

مسجد میں اونٹ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب ادخال البعیر فی المسجد للعلۃ کے تحت حضرت ام سلمہ سے بیان کیا ہے کہ میں نے نبی صلعم سے عرض کیا کہ میری صحت ٹھیک نہیں آپ نے فرمایا تم سوار ہو کر طواف کر لو چنانچہ میں نے

ایسے ہی کیا (ص ٦٦) اور باب المریض یطوف راکبا کے تحت ابن عباس سے بیان کیا ہے۔

إن رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم طاف بالبیت وھو علی بعیرہ (بخاری ص ۲۲۱)

نبی ﷺ نے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وجہ (وھو یشتکی) ناسازی طبع بتلائی ہے ابو داؤد ج ۲ ص ۱۱۶ جبکہ حضرت جابر بن عبداللہ نے یہ وجہ بتلائی ہے۔

لیراہ الناس ولیشرف ولیسئلوہ فان الناس قد غشوہ (مسلم ص ۴۱۳، فتح الباری ج۳ ص ۴۹۰)

تا کہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ لیں اور آپ ﷺ سے سوال کریں لوگوں نے آپ کے گرد ہجوم کر دیا تھا۔

اعلان گمشدہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا (عن ابی ھریرۃ مسلم ص ۲۱۰)

جو شخص کسی کو سنے کہ وہ مسجد میں گمشدہ کا اعلان کر رہا ہے تو کہے اللہ تعالیٰ تیری شے نہ لوٹائے۔ کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

بعض لوگ اس سے صرف جانور کی گمشدگی کا اعلان مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے یہ حدیث اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ایک آدمی نے اپنے سرخ اونٹ کی گمشدگی کا اعلان کیا تھا (عن بریدہ مسلم ص ۲۱۰) موقع بے شک خاص تھا لیکن اس حدیث کو جانور کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ حدیث عام ہے۔ ضالہ کے معنی ہیں کوئی بھی گمشدہ چیز جسے تلاش کیا جائے۔ جب

سے لاؤڈ اسپیکر لگ گئے ہیں مساجد ہی تلاش گمشدہ کا مرکز بن گئی ہیں۔ اہل علم کا خیال ہے اگر نمازیوں پر شبہ نہ کیا جائے تو اوقات عبادت کے علاوہ اعلان گمشدہ کرنے سے کسی کا بھلا ہو جائے تو حرج نہیں۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق شخص مذکور نے اونٹ کا اعلان اندرون مسجد نمازیوں کے سامنے کیا تھا جو کہ منع ہے۔ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان اہل شہر کیلئے ہوتا ہے۔ بلکہ بالفرض کوئی شے مسجد ہی میں گم ہوئی ہو جیسے کوئی شخص وضو کرتے ہوئے گھڑی رکھ کر بھول جائے یا کسی کا جوتا تبدیل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ مسجد میں ہی اس کا ذکر کیا جائے گا۔

حضرات ایک ضروری اعلان سنئے۔ ایک بچہ .... یہ آواز تقریبا ہر روز مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے سنائی دیتی ہے۔ بچے عام طور پر شادی والے گھروں سے گم ہوتے ہیں۔ مقامی بچے کم ہی راہ بھولتے ہیں۔ کچھ ایسا رواج چل نکلا ہے لوگ پورا پورا لشکر لے کر شادی والے گھر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ پیچھے چاہے اپنا گھر لٹ جائے اور آگے فوج ظفر موج سنبھالی نہ جاسکے مگر ہم اس سے باز نہیں رہ سکتے۔ گمشدگی کی صورت میں مسجد مسجد اعلان کرنے یا گلی گلی رکشہ پھیرنے اور ڈونڈی پٹوانے کی بجائے متعلقہ تھانہ یا اور کسی سرکاری یا رفاهی ادارہ کو یہ نظام سنبھالنا چاہئے۔ کوئی بچہ گمشدہ ملے اسے فورا وہاں پہنچانا چاہئے۔ تلاش کرنے والے بھی اسے وہیں سے آکر لے جائیں اللہ اللہ خیر سلا مسجدوں کو مذاق نہیں بنانا چاہئے۔

اعلان فوتیدگی آج کل یہ اعلان بھی بہت زور و شور سے ہونے لگا ہے۔ مسجدوں کا معاملہ تو ایک طرف رہا یہ اعلان ویسے ہی منع ہے۔ موت کی اطلاع دی جاسکتی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حضرت نجاشی کی (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۱۶۷) اور شہداء غزوہ موتہ کے بارے میں اطلاع دی تھی (عن انس بن مالک بخاری ص ۱۶۷) یا جیسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صفائی کرنے والی عورت فوت ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ بتلایا (عن ابی ہریرہ و ابن عباس بخاری ص

۱۶۷) لیکن اعلان عام کو نبی ﷺ نے پسند نہیں فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا۔

إياكم والنعي فان النعي من عمل الجاهلية	موت کا اعلان نہ کرو۔ یہ جاہلیت کا عمل ہے۔

راوی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

والنعي أذان بالميت (ترمذی ج۲ ص ۱۲۹)	نعی موت کے اعلان کو کہتے ہیں۔

بقول اصمعی جاہلیت میں رواج تھا ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ فلاں فوت ہو گیا ہے (بحوالہ تحفہ الا حوذی ج ۲ ص ۱۲۹) جیسے آج کل لوگ رکشے پر اعلان کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض اہل علم نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ موت کا اعلان کر کے لوگوں کو جنازہ میں شمولیت کی دعوت دی جائے اور بعض اہل علم جن میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں کہا ہے کہ اپنے بھائیوں اور قرابت داروں کو اطلاع دینے میں کوئی حرج نہیں ----- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف اطلاع دینا مکروہ نہیں۔ اس سے زیادہ منع ہے۔ بعض سلف اس بارے میں بہت سختی برتتے تھے (ترمذی ج ۲ ص ۱۲۹) میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مروں تو کسی کو نہ بتلانا مجھے ڈر ہے کہیں یہ بتلانا اس نعی کی زد میں نہ آجائے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۷، تحفہ ج ۲ ص ۱۲۹)

بعض دوست تو حد کر دیتے ہیں وہ یہ بھی بتلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مرنے والا کس کس کا باپ کس کس کا بھائی اور کس کس کا کیا تھا۔ مسجدوں رکشوں اور اخباروں کے ذریعے خوب پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ نہ صرف موت کا اعلان ہوتا ہے بلکہ رسم قل کا بھی۔ یعنی سوگواران بلا امتیاز مرد و عورت اپنی مالی حیثیت کے مطابق مرنے والے کی موت کو بھی اپنی تشہیر کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ بہرحال اعلان گمشدگی ہو یا اعلان موت ہو آنحضرت صلعم کے فرمان کے بموجب مسجدیں ان

کاموں کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اشد مجبوری کے سوا مسجدوں کو ان اغراض کیلئے استعمال کرنا خانہ ہائے خدا کی توہین ہے۔

مسجد میں خرید و فروخت ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

إذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا لا اربح الله تجارتك وإذا رأيتم من ينشد ضالة فقولوا لا رد الله عليك (عن ابی هريرة ترمذی ج۲ ص ۲۷٤)

تم جب مسجد میں کسی کو خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تعالیٰ تیری تجارت فائدہ مند نہ کرے۔ اور اگر کسی کو اعلان گمشدہ کرتے دیکھو تو کہو اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس نہ لوٹائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم ص ۲۱۰ میں بھی ہے مگر اس میں صرف گمشدہ کے متعلق ذکر ہے خرید و فروخت کے بارے میں ذکر نہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ نیز لکھا ہے بعض اہل علم مثلا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد میں خرید و فروخت مکروہ اور بعض اہل علم تابعین کے نزدیک جائز ہے۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے مسجد میں سودے بازی کرنا' بھاؤ تاؤ کرنا اور بازار جیسا ماحول بنا دینا تو یقیناً مکروہ ہے۔ کسی چیز کا نرخ مقرر ہو اور خاموشی سے اسے لے دے لیا جائے تو حرج معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نبی ﷺ سے مروی ہے۔

إنه نهى عن تناشد الاشعار في المسجد وعن البيع والشراء وأن يتحلق الناس فيه يوم الجمعة قبل الصلوة (ترمذی ج۱ ص ۲٦٦)

آپ ﷺ نے مسجد میں شعر پڑھنے خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے دن قبل از نماز حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

خرید و فروخت کے بارے میں جو اختلاف ہے امام ترمذی نے اس کا یہاں

بھی ذکر کیا ہے۔ نیز عمرو بن شعیب کی مرویات کو قبول یا نہ قبول کرنے کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع (ابن ماجه ص ٥٥)

اپنی مسجدوں کو بچا کر رکھو اپنے بچوں سے' دیوانوں سے' خرید و فروخت سے' جھگڑوں سے' آوازیں بلند کرنے سے' حدود قائم کرنے سے اور تلواریں سونتنے سے اور مسجدوں کے دروازوں پر طہارت خانے بناؤ اور جمعہ کے دن اگر بتیاں سلگاؤ

یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ نیز چھوٹے بچوں کا مسجد میں آنا تو قطعا ثابت ہے (مثلا عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ وانس بن مالک رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۸)

مسجد میں سوال جونہی جماعت ختم ہوتی ہے ایک دم رنگا رنگ کی بولیاں بولنے والے بھکاری اٹھ کر دردناک قسم کی صدائیں لگانا شروع کر دیتے ہیں اور پھر آخر میں لگے بندھے ڈرامائی انداز میں رونے کی آواز نکال دیتے ہیں۔ رمضان المبارک میں تو بھکاریوں اور چندہ مانگنے والوں کا سیلاب آجاتا ہے۔ لوگوں نے ذکر اذکار کرنا ہوتا ہے بقایا رکعتیں پوری کرنا ہوتی ہیں سنتوں سے فارغ ہونا ہوتا ہے۔ یہ اپنا لچ تلنا شروع کر دیتے ہیں اور نمازیوں کی نماز کا ناس مار کر رکھ دیتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے یہ بیماری زیادہ تر اہلحدیث کی مساجد میں پائی جاتی ہے یقین جانئے ان بھکاریوں اور چندہ مانگنے والوں کی اکثریت نوسر بازوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ عوام سے سارا فنڈ نچوڑ کر نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ ان لوگوں نے بھی جماعت کی مرکزی ساکھ کو مضبوط نہیں ہونے دیا۔ اب انہیں مزید پر لگ گئے ہیں جعلی رسید بکیں چھپوا کر عمرہ کے بہانے حرمین شریفین میں پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ ماہ

رمضان المبارک میں ان کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس سیزن میں عرب کے شیوخ زکوٰۃ تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے یہ لوگ صرف اپنے ملک میں بدنامی کا باعث تھے اب یہ بین الاقوامی ناسور بن چکے ہیں۔ مساجد اور مدارس کی سرپرستی سرکاری طور پر ہونی چاہئے یا پھر انہیں جماعتی مرکزوں کے تابع ہونا چاہئے۔ یہ کیا تک ہے جس کو دیکھو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر ہاتھ میں رسید بک اور بغل میں بستہ دبائے چندہ مانگنے بھاگا چلا آتا ہے۔

بھکاریوں نے تو پاکستان میں زندگی اجیرن بنا دی ہے۔ ہر طرف ٹڈی دل کی طرح اڈے چلے آتے ہیں۔ یہ الا ماشاء اللہ ضرورت کیلئے نہیں بلکہ دولت اکٹھی کرنے کے لئے اس قسم کا دھندا کرتے ہیں۔ مانگنا ان کی مجبوی نہیں بلکہ ان کا کاروبار ہے اسلام میں بلا ضرورت مانگنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور پھر مسجد میں نمازیوں کی نماز خراب کر کے اور ان کا ناک میں دم کر کے تو یہ نار علی نار ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

من سأل الناس أموالهم تكثرا فإنما ليسأل جمرا فليستقل أو يستكثر (عن ابی هريرة مسلم ص ۳۳۳)	جو شخص دولت اکٹھی کرنے کے لئے لوگوں سے ان کا مال مانگتا ہے وہ انگارے مانگتا ہے۔ تھوڑے مانگ لے یا زیادہ مانگ لے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حج کے دن میدان عرفات میں مانگتے دیکھا تو اسے درہ مارتے ہوئے فرمایا۔

افی هذا اليوم وفی هذا المكان

تسأل من غير الله (رزين بحواله مشكوة ج۲ ص ۱۵)	آج اس مقام پر تم غیر اللہ سے مانگتے ہو؟

اگر خدانخواستہ سچ مچ کوئی اضطراری کیفیت پیدا ہو جائے اور سوال کے بغیر چارہ نہ ہو اور عبادت کرنے والوں کی عبادت میں خلل بھی نہ واقع ہو تو پھر یہ

دوسرا مسئلہ ہے۔ خود نبی ﷺ نے ایک بار قوم مضر کے خستہ حال غربا کیلئے مسجد میں نماز کے بعد چندہ کا اعلان کیا تھا (عن منذر بن جریر عن ابیہ مسلم ج ۱ ص ۳۲۷) قرآن مجید میں زکوۃ کے جو آٹھ مصارف ذکر کیے گئے ہیں ان میں سائلین کا ذکر نہیں ہے۔ ابوداؤد میں باب المسئلۃ فی المساجد کے تحت حدیث آتی ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا آج تم میں سے کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

دخلت المسجد فإذا إنا بسائل يسأل فوجدت كسرة خبز في يد عبد الرحمن فأخذتها منه فرفعتها إليه (عن ابن عبد الرحمن بن ابی بکر ج۲ ص ۵۲)

میں مسجد میں آیا تو ایک سائل مانگتا ہوا نظر پڑا میرے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا جو میں نے لے کر اسے دے دیا۔

یہ حدیث عن ابی ہریرہ مسلم میں بھی ہے (ج ۱ ص ۳۳۰) اور مفصل بیان ہوئی ہے۔ اس میں سائل یا مسجد کا کوئی ذکر نہیں صرف مسکین کو کھانا کھلانے کا ذکر ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مسجد میں سوال جائز نہیں۔ در مختار میں ہے۔

ويحرم فيه السوال ويكره الاعطاء مطلقا (بحوالہ عماد الدين ص ۲۷۷

مسجد میں مانگنا حرام ہے اور دینا مطلق مکروہ ہے۔

نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ بعض سلف مسجد میں سوال کرنے والے پر تصرف کرنا روا نہیں رکھتے تھے (مظاہر الحق ج ۱ ص ۲۲۹) احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے وہ ستر پیسے راہ خدا میں اور دے کہ اس پیسہ کے گناہ کا کفارہ ہوں (احکام شریعت ص ۱۱۳) بے شک خان صاحب نے یہ کام کی بات کہی ہے۔

مسجد میں تعلیم معلم کائنات ﷺ مسجد ہی میں تعلیم دیتے تھے۔ اصحاب صفہ کا

مدرسہ مسجد نبوی ﷺ ہی میں تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر علماء نے شور کی وجہ سے مسجد میں تعلیم کو ناپسند کیا ہے (شرح مسلم نووی ص ۲۱۰) لیکن بات یہ ہے جس وقت لوگ عبادت میں مصروف نہ ہوں اس وقت شور کیا کہتا ہے۔ دینی تعلیم کا تو مسجدوں میں رواج ہے ہی۔ میں سمجھتا ہوں دنیوی تعلیم کا بھی مسجدوں میں رواج ہونا چاہئے۔ دنیا کی تعلیم اگر دین کی ترقی کے لئے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جہالت کو دور کرنے کے لئے اور اہل وعیال کو حلال روزی کھلانے کے لئے حاصل کی جائے تو عین دین ہے اور عبادت ہے۔ حنفی مدارس میں دین کے نام پر عموما جو تعلیم دی جاتی ہے وہ معروف دنیوی تعلیم سے بڑھ کر دنیوی ہے۔

کاش ہم کوئی ایسا تعلیمی نصاب تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس سے ملا اور بابو کی تفریق مٹ جائے۔ ان دونوں کے درمیان جو مغایرت' اجنبیت اور خلیج حائل ہے وہ ختم ہو جائے دین و دنیا یکجا ہو جائیں اور سب مسلمان ایک پلیٹ فارم پر نظر آئیں۔ نماز ہمیں یہی سکھلاتی ہے۔ علماء کرام کو اس وسعت ظرفی کا ثبوت ضرور دینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے دین سے بیگانہ لوگ اسی طرح دین کے قریب آجائیں اور نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ مجوزہ نصاب ایسا پاکیزہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالٰی کے گھر میں بیٹھ کر بھی اسے پڑھنے میں کوئی حجاب محسوس نہ ہو۔ اس کا کم از کم ایک فوری فائدہ یہ ہو گا کہ اسکولوں اور کالجوں کے لئے عمارتوں کی جو کمی محسوس کی جاتی ہے وہ ختم ہو جائے گی بلکہ بہتوں کے لئے روزگار کے دروازے بھی کھل جائیں گے۔

رَبَّنَا ءَاتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ

وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالِهِ الْحق آمین

❋❋❋